جلد سوم

حضرت مولانا مفتی
محمود حسن
گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبات محمود
جلد سوم

خطباتِ محمود
جلد سوم
از
مفتی اعظم ہند
حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ
خلیفہ ارشد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ
جدید ترتیب
محمد اسحاق ملتانی
ناشر
ادارہ تالیفات اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
41501-540513

باہتمام محمد اسحاق عفی عنہ
نام کتاب خطبات محمود جلد سوم
طباعت سلامت اقبال پرنٹنگ پریس چوک فوارہ ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

طیب اکیڈمی
بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
مکتبہ العارفی جامعہ امدادیہ فیصل آباد
کشمیر بک ڈپو چنیوٹ بازار فیصل آباد
دار الاشاعت اردو بازار کراچی
اسلامی کتب خانہ نیو ٹاؤن کراچی

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
اسلامی کتب خانہ ایبٹ آباد
مکتبہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
صدیقی ٹرسٹ بسیلہ چوک کراچی
کتب خانہ فاروقیہ حنیفہ گجرانوالہ

ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور

عرض ناشر

تبلیغ دین میں خطبات کی اہمیت وافادیت ایسی مسلم ہے کہ کوئی بھی صاحب بصیرت اس کا منکر نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء و مبلغین نے ہر دور میں اس سلسلہ خطبات کو جاری رکھا اور ہزاروں تشنگان ہدایت کو صراط مستقیم دکھایا

خطبات محمود کی تیسری جلد اس وقت حاضر خدمت ہے۔ حضرت موصوف کی شخصیت محتاج تعارف نہیں حضرت مفتی صاحب کے اس سے قبل فتاویٰ جات 18 جلدوں میں چھپ کر کافی مقبول ہو چکے ہیں۔ حضرت کے یہی خطبات ہندوستان میں "مواعظ فقیہ الامت" کے نام سے قسط وار طبع ہوتے رہے۔ جن کی مقبولیت کے پیش نظر اب ادارہ نے انہیں ترتیب دے کر اولاً پہلی جلد شائع کی جو کہ الحمد للہ کافی مقبول ہوئی۔ امید قوی ہے کہ یہ تیسری جلد بھی لوگوں کی دلچسپی اور رہنمائی کا سبب بنے گی۔ اللہ پاک ہماری اس سعی کو شرف قبولیت سے نوازیں۔ آمین

والسلام

احقر محمد اسحٰق عفی عنہ

عشرہ اخیرہ رمضان المبارک ۱۳۱۹ھ

فہرست

خطبات محمود

جلد ۳

عنوانات	صفحہ نمبر

ایمان، تقویٰ، صدق کی حقیقت

اور

ان کے حصول کا طریقہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ مسنونہ کے بعد یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ یہ بہت مختصر چھوٹی سی آیت ہے قرآن کریم کی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اس میں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں ۱ ایمان ۲ تقویٰ ۳ صدق۔ ایمان کسے کہتے ہیں ایمان کے معنیٰ ہیں مان لینا، تسلیم کر لینا۔ خالی جان لینا نہیں۔ اگر ایک شخص جانتا ہے کہ اللہ ایک ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتا ہے تو وہ مومن نہیں۔ قرآن کریم میں ہے اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ ھُمْ۔ اہلِ کتاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے تھے اور ایسا پہچانتے تھے جیسے اپنی اولاد کو پہچانتے ہوں کہ ہاں یہ ہمارا بیٹا ہے اس کے اندر کوئی شک و شبہ نہیں کرتے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی پورا یقین تھا۔ جانتے تھے کہ یہ خدا کے رسول ہیں، کتابوں میں علامتیں لکھی ہوئی تھیں۔ ان علامتوں کو دیکھ کر پہچانتے تھے۔

حضرت حسان بن ثابت رض روایت کرتے ہیں کہ میں ملکِ شام میں تھا۔ مغرب کے

بعد ایک یہودی یا نصرانی نے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی اور کہا ھٰذا کوکبُ محمدٍ (صلے اللہ علیہ وسلم) کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ستارہ ہے آج چمکا ہے، آج پیدائش کا دن ہے ان کی، آج پیدا ہونے والے ہیں۔ یہاں تک پہچانتے تھے۔ کتابوں میں جو علامات لکھی ہوئی تھیں ان کے ذریعے سے خوب پہچانتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ آپ کو گود میں لئے ہوئے تھیں، ایک جگہ پر ایک یہودی راہب بیٹھا تھا، اس کے پاس اس کے کچھ معتقدین تھے اس کی مجلس میں، یہ بھی جا کر بیٹھ گئی دیکھنے کے لئے دایہ، اس کی نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر پڑی۔ آپ کی آنکھوں میں سُرخ ڈورے تھے، اس نے پوچھا دایہ سے کہ اس بچے کی آنکھوں میں آشوب ہے، دکھنے آ رہی ہے یا اس میں یہ سُرخی رہتی ہے۔ دایہ نے بتایا کہ یہ ہمیشہ رہتی ہے، اس پر اس نے جھپٹا مارا جیسے بلّی جھپٹا مارا کرتی ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ پاک نے حفاظت فرمائی اور وہ بچا کر لے آئی۔ وہ بھی جانتا پہچانتا تھا صورتِ مبارک دیکھ کر کہ نبی آخر الزماں ہیں۔ یہاں تک کہ ایک یہودی نے مدینہ طیبہ میں آکر ایک مکان خریدا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ نبی آخر الزماں کے ظہور کا وقت قریب آ رہا ہے۔ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائیں گے اور اس مکان میں قیام کریں گے۔ اس لئے میں سب سے پہلے ان پر ایمان لاؤنگا اور اپنا مہمان بناؤں گا۔ اس نیت سے اس نے مکان خریدا اور وہاں رہا، لیکن اس کے مقدر میں وہ چیز نہیں تھی، پھر وہ مکان یکے بعد دیگرے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے پاس آگیا اور یہ دولت ان کو عطا ہوئی تو جانتے تھے وہ لوگ، بعضے لوگ تو ارادہ بھی رکھتے تھے کہ ہم ایمان لائیں گے اور بعض لوگ شروع ہی سے مخالف تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاننے کے باوجود۔ اس لئے کہ ایمان خالی جاننے کا نام نہیں۔ ایک عیسائی گارڈ فری ہنس نے لکھا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سچی

اور اعلیٰ اخلاق کی بدولت بہت جلدی عرب پر چھاگئے، ان کی پاکیزہ تعلیم ایسی تھی جو اس کو قبول کرتا، جو اُن کی صحبت میں بیٹھتا وہ اعلیٰ درجے کا پختہ مومن ہوجاتا تھا۔ اس کے بعد وہ لکھتا ہے مگر کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ میں مسلمان نہیں ہوں۔ اس جاننے کے باوجود، لکھنے کے باوجود صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ میں مسلمان نہیں ہوں۔ لہٰذا جاننا کافی نہیں ہے بلکہ جاننے کے بعد اس کا ماننا بھی ضروری ہے۔ جاننے کا تو حال یہ ہے کہ امیہ ایک بڑا زبردست مشرک شخص تھا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، مدینہ طیبہ سے سفر کرکے مکہ مکرمہ میں گئے وہاں اُمیّہ سے ان کے تعلقات تھے۔ حضرت سعد رض مکہ مکرمہ میں اُمیّہ کے پاس ٹھہرا کرتے تھے اور اُمیّہ مدینہ طیبہ میں حضرت سعد رض کے پاس ٹھہرا کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت سعد رض مکہ مکرمہ میں اُمیّہ کے پاس جاکر ٹھہرے، انھوں نے کہا کہ بھائی دیکھ لینا کوئی فرصت کا وقت ہو تو میں طواف کروں گا بیت اللہ شریف کا۔ اچھی بات ہے۔ ذرا دن چڑھے اس نے بتایا موقع ہے طواف کرنے کے لیے، آئے، ابوجہل نے دیکھا، دیکھ کر پوچھا آہستہ سے یہ کون ہے تمھارے ساتھ، اس نے بتلایا کہ سعد ہیں، تب اس نے کہا کہ تم نے ایسے لوگوں کو اپنے گھر میں پناہ دی جو ہمارے یہاں سے چلے گئے، ہمارے باغی یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین اوّلین۔ تم نے ان کو پناہ دی اور بڑی عافیت اور امن کے ساتھ یہاں طواف کررہے ہو۔ انھوں نے ڈانٹ کے جواب دیا کہ دیکھ اگر تو نے مجھے طواف سے روکا تو جو تیرا راستہ مکہ مکرمہ سے ملکِ شام جانے کا ہے میں مدینہ طیبہ کی طرف سے وہ راستہ روک دونگا۔ تمھارے قافلوں کی آمد و رفت سب بند ہوجائے گی، ڈانٹ کر زور سے کہا۔ امیہ نے کہا ان سے زور سے مت بول، یہ یہاں کا سردار ہے، انھوں نے اسی کو ڈانٹ دیا کہ ہٹ، میں نے سُنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اُمیّہ کو قتل

کریں گے۔ اب یہ سُننا تھا کہ اُمیّہ نے پوچھا کہ کہاں قتل کریں گے۔ انھوں نے جواب دیا کہ یہ نہیں بتایا کہ کہاں قتل کریں گے۔ اسی وقت سے اس کے دل کے اندر ہیبت بیٹھ گئی تھی، باوجودیکہ مخالف تھا، مشرک تھا اور کافر تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی جی کے اندر بغیر اختیار کے اثر کرتی تھی وہ جی کے اندر بیٹھ گئی اور آکر اپنی بیوی سے یہ واقعہ سُنایا اور یہ سوچا کہ میں مکہ سے باہر ہی نہیں نکلوں گا مگر وہ بات پوری ہو کر رہی، غزوۂ بدر میں وہ قتل ہوا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہ آپ نبی آخرالزماں ہیں، غیر اختیاری طور پر دل کے اندر آجانا اور چیز ہے اور ایمان دوسری چیز ہے۔ ایمان اس کا نام نہیں کہ غیر اختیاری طور پر دل میں آجائے بلکہ ایمان تو اختیاری چیز ہے۔ حکم کیا گیا ہے آمنوا، ایمان لاؤ یہ جو ایمان لانے کا حکم ہے، حکم ہمیشہ اختیاری چیز کا ہوتا ہے غیر اختیاری چیز کا نہیں، لہٰذا ایمان کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ غیر اختیاری طور سے دل کے اندر ایک بات آجائے، بلکہ ایمان کے معنیٰ فیصلہ کرنے کے ہیں۔ یہ طے کر لینا، یہ فیصلہ کر لینا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق زندگی گذارنی ہے۔ جو احکام آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں ان کے ماتحت رہ کر مجھے زندگی گذارنی ہے، اس فیصلے کا نام ایمان ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا، اے ایمان والو! یعنی جو لوگ فیصلہ کر چکے ہیں کہ ہم کو اپنی زندگی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے ماتحت گذارنی ہے، نہ جی چاہی زندگی گذارنی ہے، نہ سوسائٹی، رسم و رواج کی زندگی گذارنی ہے، نہ ملک کی زندگی گذارنی ہے، بلکہ زندگی گذارنی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے ماتحت، جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوگا اس کے موافق گذارنی ہے۔ یہ ہے ایمان۔ اگر کسی مُلک میں کوئی پارٹی رہتی ہے جو سیاسی حیثیت سے وہاں کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتی، حکومت نے اس کو باغی قرار دے رکھا ہے۔ اس سے اگر پوچھا جائے پارٹی سے

کہ حکومت کس کی، تو وہ بھی وہی بتلائے گی جس کی حکومت ہے، جس کو وہ جانتی ہے، جس کے قانون بھی نافذ ہیں۔ اور یہ بھی جانتی ہے کہ اگر ہم اس کی مخالفت کریں گے تو ہمیں گرفتار کرے گی، جیل بھیجدے گی، سزائیں دے گی، لیکن اس نے یہ فیصلہ نہیں کیا کہ ہم اس حکومت کے ماتحت زندگی گذارنا چاہتے ہیں لہٰذا وہ باغی کہلائے گی، اسی طریقے پر جو شخص جانتا ہے لیکن یہ فیصلہ نہ کرے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق زندگی گذارنی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر چلنا ہے، اپنی ساری زندگی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخ پر چلانا ہے۔ جو شخص اس کا فیصلہ نہ کرے اس کے متعلق کیسے کہا جائے کہ وہ مومن ہے۔ لہٰذا ایمان کے معنیٰ فیصلہ کر لینے کے اور طے کر لینے کے ہیں، جیسے کہتے ہیں کہ قانون تسلیم کر لیا کہ ہم فلاں قانون پر عمل کریں گے، یہ قانون کو تسلیم کر لینا اور رضامند ہو کر اس کے ماتحت زندگی گذارنے کا فیصلہ کر لینا، یہ ہے ایمان، چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ایمان کی دعوت دی ہے، اور ایمان کے مظاہرے بہت بہت مواقع پر پیش آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اور صحابہ کرام کو بھی، اگر خالی زبان سے کہدینا ہی ایمان ہوتا تو معاملہ بہت آسان تھا۔ ایک شخص زبان سے تو اقرار کرتا ہے لیکن دل کے اندر یہ فیصلہ کئے ہوئے نہیں ہے تو ایسے شخص کو مومن نہیں کہیں گے بلکہ منافق کہیں گے۔ قرآن مجید میں ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ کہ منافقین اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں، اللہ کا نام تو لیتے ہیں اور زبان سے ایمان ظاہر کرتے ہیں لیکن دل کے اندر موجود نہیں يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ زبان سے تم کو راضی کرتے ہیں لیکن دل ان کے انکار کرتے ہیں اس کا نام ایمان نہیں، اس کا نام تو نفاق ہے اور منافق کا انجام کیا ہے، خود قرآن کریم نے بیان کیا۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ جہنم کا جو سب سے نیچے کا

طبقہ ہے منافقین کے لئے وہ ہے۔ اس لئے میرے محترم دوستو اور بزرگو! ذرا ہم کو بھی نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے کہ ہمارا ایمان کس حیثیت کا ہے، آیا وہی ہے جس کا مطالبہ ہم سے کیا جا رہا ہے، یعنی یہ فیصلہ کر لینا کہ ہم اپنی پوری زندگی، زندگی کا ہر ہر گوشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے ماتحت گذاریں گے۔ اگر ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے اگرچہ اس کے بعد کوتاہی بھی ہوتی رہے، خطا، قصور بھی آدمی کے ساتھ لگا ہوا ہے وہ ہوتا رہے لیکن فیصلہ یہی ہے کہ خطا کو خطا سمجھے اور اس سے تائب ہو، معافی مانگے، ارادہ کرے کہ آئندہ خطا نہیں کروں گا اور طے یہ کرے کہ چلنا اسی راستے پر ہے، فیصلہ یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق زندگی گذارنی ہے، یہ ہے ایمان، ایسے لوگوں کو خطاب ہے، یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ یعنی اے ایمان والو! یعنی ایسے لوگ جو فیصلہ کر چکے، جو لوگ طے کر چکے کہ ہم اللہ کے حکم کی اطاعت کریں گے، اللہ کے حکم کے ماتحت زندگی گذاریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر عمل کریں گے، جو لوگ یہ فیصلہ کر چکے ہیں وہ گویا کہ اپنائیت میں آ چکے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے اپنے ہو گئے، ان کو خطاب ہے، کیا خطاب ہے "اتَّقُوا اللّٰہَ" اب جب یہ فیصلہ کر لیا تو اب اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اللہ سے ڈرو، درحقیقت جو تقویٰ کی تعلیم ہے یہ درحقیقت ایمان کی پختگی اور کمال کے لئے ہے، نفس ایمان تو حاصل ہے، لیکن یہ ایمان کامل کیسے ہوگا، ایمان پختہ کیسے ہوگا، ایمان پر ثبات قدمی کیسے حاصل ہوگی" اتقوا اللہ" ہر ایسی چیز سے ڈرتے رہو جو اللہ کو ناخوش کرنے والی ہو، اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے، بچتے رہو تب ایمان پختہ رہے گا۔ اور اگر تقویٰ اختیار نہ کیا تو ایمان کمزور ہوتا چلا جائے گا، کمزور ہوتے ہوتے مضمحل ہو جائے گا، اس کے اندر کوئی جان نہیں رہے گی۔ اس واسطے حکم ہے "اتقوا اللہ" اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ کے کیا معنیٰ؟ ڈرنے کے، دھیان کے اس خیال اور فکر کے کہ اللہ تعالیٰ ناخوش نہ ہو جائیں، جو کام کرو

یہ سوچتے ہوئے کرو کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی ناخوشنودی کا تو نہیں، اللہ تعالیٰ اس سے ناخوش تو نہیں ہوں گے، اس چیز کو کہتے ہیں تقویٰ۔ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے۔ لِكُلِّ شَيْءٍ مَعْدِنٌ وَمَعْدِنُ التَّقْوٰى قُلُوْبُ الْعَارِفِيْنَ۔ تقویٰ ملے گا کہاں سے، یہ کسی دوکان پر بکتا ہے کہ وہاں سے خرید لائیں۔ کتاب دیکھنے سے حاصل ہو گا، کس چیز سے حاصل ہوگا، اس کو بتلاتے ہیں "لکل شیٔ معدن" ہر شئ کے لیے ایک کان ہوتی ہے جیسے چاندی کی کان ہے، سونے کی کان ہے، ہیرے جواہرات کی کان ہے، تو تقویٰ کی بھی ایک کان ہے، تقویٰ کی کان کیا ہے، عارفین کے قلوب، عارفین کے قلوب کے اندر تقویٰ ہے وہاں سے حاصل ہوگا، اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا التقویٰ ھٰھنا۔ قلب کے اندر ایک کیفیت ہے جو انسان کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ دیکھو جو کام کرو یہ سوچ کرکے کرو کہ کہیں محبوبِ حقیقی کو ناخوشی نہ ہو، وہ ناراض نہ ہو جائے یہ سوچ لگ جانا، یہ فکر لگ جانا، یہی تقویٰ ہے، جس قدر یہ فکر غالب ہوگا اسی قدر آدمی معاصی سے بچیگا، خداوند تعالیٰ کی نامرضیات سے محفوظ رہے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کو تلاش کر کر کے ان پر عمل کرے گا، اور جو چیزیں ایسی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادی ہیں ان سے پورا اجتناب اور پرہیز کریگا، اگر یہ چیز حاصل ہوگئی اور ایمان کے مضبوط اور پختہ اور قائم ہونے کی صورت بھی یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے تب ایمان پختہ ہوتا ہے اور تقویٰ کہاں سے حاصل ہوگا اس کی تدبیر بتائی کہ "کونوا مع الصادقین" سچوں کے ساتھ میں ہو جاؤگے، سچوں کے ساتھ میں رہو گے تو ان کا اثر تمہارے اوپر پڑے گا، تقویٰ آئے گا، صحبت کا اثر تو بھائی ہوتا ہی ہے، کہ ہیٹر (Heater) کے پاس آدمی بیٹھتا ہے تو اس کا بدن بھی گرم ہوتا ہے

کپڑا بھی گرم ہوتا ہے، اسی کی صحبت کا تو اثر ہے، اگر برف کے پاس آدمی بیٹھے گا تو بدن بھی ٹھنڈا ہوگا، کپڑا بھی ٹھنڈا ہوگا یہ اس کی صحبت کا اثر ہے۔ ہر چیز کی صحبت کا اثر ہوتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تاثیرات کو بیان فرمایا کہ جو آدمی اونٹوں میں رہتے ہیں ان کے اوپر کیا اثر ہوتا ہے، ان کے اندر حسد اور کینہ بہت ہوتا ہے، جو لوگ گھوڑے پالتے ہیں، گھوڑوں میں رہتے ہیں، ان کے اوپر کیا اثر ہوتا ہے، ان کے اندر فخر اور بڑائی زیادہ ہوتی ہے۔ جو لوگ بیلوں میں زیادہ رہتے ہیں ان کے اوپر کیا اثر ہوتا ہے، وہ گالی زیادہ دیتے ہیں، اسی لئے جانوروں کی صحبت کے بھی اثرات ہوتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اثرات کو بیان فرمایا، لیکن مقصد یہ نہیں کہ ضرورت پڑنے پر بھی اونٹ نہ پالیں، ضرورت پڑنے پر بھی گھوڑا نہ پالیں، ضرورت پڑنے پر بھی بیل نہ پالیں، یا ان کی خبر گیری نہ کریں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کی تاثیرات سے بچتے رہنے کی ضرورت ہے، حفاظت کی ضرورت ہے، جیسے آگ سے زیادہ قریب نہ ہو آدمی، بدن جل جائے گا، کپڑے جل جائیں گے۔ ہاں اتنی دور رہے کہ جس سے اس کی گرمی سے فائدہ حاصل ہو سکے، اسی طریقے سے ان چیزوں میں ایسی طرح سے گھل مل جانا، خلط ہو جانا کہ ان کی جو تاثیرات ہیں وہ اپنے اندر آنے لگیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ انسان ان چیزوں کی پرورش کر کے ان کو سکھاتا، ان کو صحیح راستے پر لگاتا، گھوڑے کو بھی، بیل کو بھی، اونٹ کو بھی، ان کو صحیح طریقے پر چلاتا۔ اب بجائے اس کے آدمی ان کے اثرات کو قبول کرنے لگے۔ یہ غلط طریقہ ہے، اس لئے صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ ایک صحابی ہیں جن کا نام ہے حضرت حنظلہ رضؓ، انھوں نے نماز میں آنا بند کر دیا، مسجد میں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جو لوگ نماز کے لئے نہیں آیا کرتے اس کی تحقیق، تفتیش فرماتے، مکان پر آدمی بھیجتے کہ خیریت

تو ہے، اچھے تو ہیں، کہیں باہر تو نہیں گئے۔ حضرت حنظلہ رضؓ کے متعلق دریافت کیا کہ حنظلہ نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ حضرت حنظلہ رضؓ کے مکان پر گئے۔ معلوم ہوا کہ وہ تنہائی میں بیٹھے ہوئے ہیں مُراقبہ میں سر جھکائے۔ پوچھا کیا بات ہے۔ انھوں نے کہا، نَافَقَ حَنْظَلَةُ۔ حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ کہا سُبحان اللہ کیسی بات آپ کہہ رہے ہیں کیا بات آپنے نفاق کی دیکھی۔ حضرت حنظلہ رضؓ نے کہا ہمارا حال یہ ہے کہ جب تک کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کی مجلس میں رہتے ہیں تو ایسا دھیان رہتا ہے کہ جیسے جنت اور دوزخ دونوں نظروں کے سامنے ہیں، اتنا استحضار رہتا ہے اور جب وہاں سے آکر بیوی بچوں میں لگ گئے۔ تو وہ حالت نہیں رہتی۔ یہ تو نفاق کی صورت ہے، کہ کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے، وہاں کچھ ہے یہاں کچھ ہے۔ اس پر حضرت ابوبکر رضؓ نے کہا کہ یہ بات تو ہمیں بھی ہوتی ہے۔ باقی اس کا حل یہ تو نہیں کہ یوں کونے میں آکر بیٹھ جائیں، مسجد میں بھی نہ جائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی نہ جائیں۔ ہمارے تو ماویٰ و ملجا، ساری بیماریوں کا علاج، ساری پریشانیوں کا حل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ ہے۔ چلو چل کر پوچھیں، آکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کیفیت تم لوگوں کی میری مجلس میں رہتی ہے، اگر یہی کیفیت باہر جاکر بھی برقرار رہے تو فرشتے تم سے راستہ میں مصافحہ کیا کریں، مگر یہ تو کبھی کبھی بات ہوتی ہے دائمی نہیں ہوتی۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھنے والوں کا حال یہ تھا کہ بس جتنی دیر بیٹھے تو بس معلوم ہوتا کہ جنت دوزخ نظروں کے سامنے ہے۔ یہ کیفیت ہوتی تھی، اتنا ایمان قوی ہوتا تھا، اتنا استحضار ہوتا تھا، یہ صحبت کی برکت تھی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ایسی عظیم الشان تھی کہ جو شخص ایک مرتبہ بھی ایمان لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھوڑی دیر کے لیے۔ بیٹھا وہ ولی کامل

ہوگیا۔ قیامت تک پیدا ہونے والے اولیاء اس ولایت کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اللہ کے یہاں اس کو اتنا بڑا مقام حاصل ہوجاتا تھا۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت ہوتی تھی، اس لئے فرماتے ہیں "کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ" تقویٰ کیسے ملے گا صادقین کے ساتھ رہو، ان کے ساتھ رہوگے تو ان کی صحبت کا اثر ہوگا، ان جیسے اعمال کروگے، ان جیسا داعیہ طبیعت میں پیدا ہوگا، ان جیسا تقویٰ پیدا ہوگا۔ تو بھائی صحبت کا اثر ہوتا ہی ہے۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ ایک مرتبہ ایک مقام پر تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ قیام کرنا تھا ان کو وہاں، بہت سے لوگ ان کے شاگرد، ان کے شاگردوں کے شاگرد تھے، ملنے کے لئے آئے۔ ایک صاحب بڑے انگریزی داں، بڑے شاعر، اونچے آدمی اپنی لائن کے ڈاکٹر اقبال صاحب، ان کے دوستوں نے کہا آپ بھی چلئے۔ وہ کسی عالم اور مولوی کے قائل اور معتقد نہیں تھے، مگر بعض دوستوں نے کہا ساری دنیا میں چلتے پھرتے ہو، وہاں بھی چلو، کیا مضائقہ ہے، کہا اچھی بات ہے، آگئے۔ آکر جو مجلس میں بیٹھے حضرت مولانا انور شاہ صاحب کی۔ بیٹھتے ہی ان کا ذہن منتقل ہوا کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس ایسی ہوتی تھی، صحابہؓ اتنے مؤدب اور مہذب بیٹھتے تھے کہ کوئی حرکت نہیں کرتا تھا، کوئی سر نہیں ہلاتا تھا ایسے جیسے کہ گویا ان کے سروں پر چڑیا بیٹھی ہوئی ہیں۔ سر ہلانے سے چڑیا اُڑ جائے گی، اس شان کے ساتھ، اس وقار کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے تو حضرت شاہ صاحب کی مجلس دیکھ کر ان کا ذہن منتقل ہوا کہ واقعی یہ بات ہوتی ہوگی۔ شاہ صاحب کے یہاں لوگ بیٹھے ہوئے مسائل پوچھ رہے ہیں، کوئی کچھ سوال کرتا ہے، کوئی کچھ سوال کرتا ہے، حضرت شاہ صاحب جواب دے رہے ہیں، ان کی شان جواب کی یہ تھی کہ جواب دیتے کہ فلاں شخص نے ایسا لکھا ہے فلاں کتاب میں اور اس کو مغالطہ فلاں جگہ سے ہوا ہے، بہت دور تک انہ پتہ بتلایا کرتے

تھے، گویا کہ چلتی پھرتی لائبریری تھے، کتب خانہ تھے، اتنی کتابوں کے حوالے محفوظ تھے ان کو، مختلف لوگوں نے مختلف سوال کئے۔ یہ بھی بیٹھے سُنتے رہے۔ جس وقت مجلس ختم ہوئی چلے آئے۔ اگلی مرتبہ پھر مجلس میں گئے، پھر سوالات سُنے پھر مجلس سے واپس آئے اس کے بعد پھر گئے۔ انھوں نے خود سوال کیا کہ زمان کسے کہتے ہیں مکان کسے کہتے ہیں؟ شاہ صاحب نے تقریر کی۔ انھوں نے نیوٹن کا حوالہ دیا کہ نیوٹن نے ایسا لکھا ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ نیوٹن نے اس مسئلہ پر جو کچھ لکھا ہے وہ علاّمہ عراقی کے رسالے سے لیا ہے اور یہ خیانت اور بد دیانتی کی ہے نیوٹن نے اس کا حوالہ نہیں دیا ہے اور اس کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ انھوں نے کہا علاّمہ عراقی کا رسالہ کہاں ہے۔ شاہ صاحب نے کہا دیوبند میں ہے میرے پاس ہے قلمی نسخہ، وہ نسخہ بھی بھیجا تھا۔ اس کے بعد جب وہ بار بار آنے لگے۔ ایک دفعہ حدوثِ عالم کا ذکر آگیا تو حضرت شاہ صاحب نے اپنا رسالہ قصیدہ ضربُ الخاتم علیٰ حدوث العالم سُنایا جس سے ڈاکٹر صاحب بہت متأثر ہوئے اور خیال آیا کہ یہ تو کچھ لکھے پڑھے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ تو شاہ صاحب نے دیکھا کہ ان کو کچھ اُنس ہو گیا تو فرمایا کہ میں آپ سے خوش نہیں ہوں، اس واسطے کہ تم مرزائی جماعت، جماعتِ احمدی کے سیکریٹری قادیانی ہو۔ شاہ صاحب کو اس سے بڑا غیظ تھا۔ جب یہ کہا تو یہ گئے، خاموشی کے ساتھ اور جا کر اس سے استعفیٰ دیا اور توبہ کی اور آکر عرض کیا کہ حضرت جو کانٹا کھٹکتا تھا وہ میں نکال آیا، میں تائب ہو گیا۔ اب شاہ صاحب متوجہ ہوئے ان کے قلب کی طرف۔ انھوں نے اپنے قلب کے اندر وہ کیفیت محسوس کی جس سے قلب ہمیشہ سے ناآشنا تھا۔ وہ سرور محسوس کیا جو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ جب دیکھا تو پھڑک اُٹھے اور اشعار کہے ؎

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو ارادت ہو تو دیکھ ان کو

ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی کیا بھرا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں
تمنا درد دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

تو واقعہ یہی ہے کہ اہل اللہ کی صحبت تھوڑی دیر کے لئے بھی میسر آجائے تو بھی بہت غنیمت ہے، بہت کارآمد ہے، گو اس کا اثر اس وقت کسی شخص کو محسوس نہ ہو لیکن اثر کئے بغیر نہیں رہتی، اس کا اثر ضرور ہوتا ہے. کسی نہ کسی وقت پہونچ کر اس کا اثر ضرور ہوتا ہے۔

۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کی بات ہے ادھر جمنا کے کنارے پر سہارن پور کے قریب ایک شخص تھے۔ وہاں کی بستی ساری کی ساری مرتد ہوگئی وہ بھی مرتد ہوگئے مگر وہ گنگوہ میں رہے ہوئے تھے. حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی مسجد میں انھوں نے نماز پڑھی تھی اور اذان بھی کہی تھی. ایک شخص گنگوہ آرہا تھا تو انھوں نے اس شخص کی معرفت کہلوایا کہ جاکر مولانا رشید احمد گنگوہی کے مزار پر یہ کہدینا کہ آپ کا مؤذن مرتد ہوگیا ہے ایمان سے خالی ہوگیا ہے اس کو سنبھالئے. آنے والے نے کہہ دیا جیسے ہی اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس کے قلب پر ایسی وحشت پیدا کی ہے وہاں رہنے سے، فوراً وہاں سے چھوٹا اور نکل کر پاکستان چلا گیا اور اسلام قبول کر لیا۔ وہ رہ چکا تھا گنگوہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی خدمت میں، وہاں کی صحبت کا اثر تھا. لیکن ایک ماحول کی وجہ سے پریشان ہوا. لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو سنبھال لیا، ہدایت مل گئی. اس لئے کہتے ہیں ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیاء بہتر است از صد سالہ طاعت بے ریاء

اگر اولیاء کے ساتھ ایک زمانہ صحبت کا مل جائے، تھوڑا سا وقت مل جائے تو

بڑی عجیب دولت ہے. بشتر برس تک اگر آدمی عبادت کرتا رہے لیکن اس کو علم نہیں کہ یہ عبادت صحیح طریقے پر ہو رہی ہے یا غلط طریقے پر ہو رہی ہے. شیطان راہنمائی کر رہا ہے. لیکن اگر ایک زمانہ اولیاء اللہ کی صحبت میسر آجائے جس سے نور باطن اس کو حاصل ہوجائے، جس کے ذریعے سے شیطان کے مکر اور کید کو پہچاننے لگے تو پھر وہ بڑے کمال کی چیز ہے. اسی لئے روایت میں آتا ہے "اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللهِ" مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھ لیتا ہے. اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے قلب میں ایسا نور پیدا فرماتے ہیں کہ جس کے ذریعہ سے وہ حق اور باطل میں تمیز کرلیتا ہے، کفر و اسلام میں تمیز کرتا ہے، طاعت و معصیت میں تمیز کرتا ہے، سُنّت و بدعت میں تمیز کرتا ہے، اس کو نور نظر آتا ہے اللہ کی اطاعت میں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت میں اس کو نور نظر آتا ہے. وہ نور کے ذریعہ سے بتا دیتا ہے کہ یہ کام سُنّت ہے یہ غیر سُنّت ہے. اس واسطے ضرورت ہے اہل اللہ کی صحبت کی. اسی وجہ سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی رحؒ نے صحبت کے فوائد بے شمار لکھے ہیں. ان کے یہاں یہ طریقہ تھا کہ رمضان میں جگہ جگہ سے ان کے تعلق والے آتے اور ان کے یہاں اعتکاف کیا کرتے تھے، ان کی صحبت میں بیٹھا کرتے تھے. صحبت میں بیٹھنے سے ان کو عجیب قسم کا فیض حاصل ہوتا تھا، قلب کے اندر نورانیت پیدا ہوتی تھی، شیطانیت رُخصت ہوتی تھی، معصیت سے نفرت پیدا ہوتی تھی.

حضرت مولانا گنگوہی رحؒ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے جو حاجی امداد اللہ رحؒ کے نام ہے. حاجی امداد اللہ صاحب رحؒ شیخ ہیں، مولانا رشید احمد صاحب رحؒ ان کے مرید ہیں. پوچھا حضرت حاجی صاحب رحؒ نے کہ اپنا حال لکھو، تو اس حال میں ان کا ایک طویل خط ہے. اس میں ایک جُملہ یہ بھی ہے کہ آپ کے اقدام عالیہ سے جب سے جُدائی ہوئی ہے تو نسبت کا یہ حال ہے کہ معاصی سے طبعی نفرت ہوگئی، گناہوں سے طبعی نفرت ہوگئی.

جیسے گندگی اور غلاظت سے طبعی نفرت ہوتی ہے اسی طرح سے گناہوں سے نفرت ہوگئی کتنا بڑا انعام ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں سے نفرت پیدا فرماتے ہیں اور نفرت بھی طبعی، ایک تو نفرت ہے ایسی کہ اگر گناہ کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہوگا، جہنم میں جائیں گے اور ایک یہ کہ اس سے بھی بالا ہو کر طبعی طور پر نفرت ہو جیسے گندگی سے طبعی طور پر نفرت ہوا کرتی ہے۔ یہ کیفیت ہے۔ اور ایک لفظ فرمایا کہ بندہ کے نزدیک مادح اور ذام برابر ہیں، جو شخص تعریف کرتا ہے اس سے قلب پر کوئی اثر نہیں ہوتا، کوئی شخص بُرائی کرتا ہے اس کا قلب پر کوئی اثر نہیں ہوتا، یعنی ہر چیز کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں کہ تعریف کرنے والا جو کچھ بول رہا ہے یہ بھی خدا کے یہاں کی منظوری سے بول رہا ہے اور جو گالیاں دینے والا گالیاں دے رہا ہے وہ بھی تو خدا کی تقدیر کی منظوری سے ہو رہا ہے۔ لہٰذا ہمیں کیا دخل، کسی چیز سے نہ خوشی ہوتی ہے نہ رنج ہوتا ہے، یہ کیا چیز ہے، یہ وہی صحبت کا اثر ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی خدمت میں تھے۔ کتنے لوگوں کا حال یہ ہے کہ قسم قسم کی پریشانیوں میں مبتلا، سلوک میں اٹک رہے ہیں، آگے کو طبیعت نہیں چل رہی ہے، لیکن اپنے شیخ کی خدمت میں جاتے ہیں، تھوڑا سا وقت وہاں گذارتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی پریشانیوں کو دور فرمادیتے ہیں اور ان کا راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ تو میرے دوستو! صحبت کی بہت ضرورت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کے یہاں یہ دارالعلوم قائم فرمایا، یہاں انتظام ہے تعلیم کا بھی، یہاں انتظام ہے اس بات کا بھی کہ اگر کوئی شخص اپنی قلبی پریشانیاں لے کر آئے، اللہ تبارک و تعالیٰ یہاں کے اکابر حضرات کی صحبت سے، ان کی توجہ سے ان پریشانیوں کو بھی دور فرمائیں گے، اور اللہ تبارک و تعالیٰ اصلاح کی طرف طبیعت کو مائل فرمائیں گے اور بدعات سے نفرت پیدا فرمائیں گے، سنتوں کی رغبت پیدا فرمائیں گے۔ اگر کچھ بھی نہ ہو تو کچھ بھی آدمی علم حاصل کرنے کے لئے نہ آئے محض اللہ کے بندے کی

صحبت میں بیٹھنے کے لئے آئے، بہت بڑی دولت ہے۔

ایک کتاب میں واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص جا رہا تھا اپنے کسی دوست سے ملنے کے لئے۔ ایک بستی سے دوسری بستی میں دور دراز کا سفر تھا۔ جب اس بستی کے کنارے پر پہونچا جہاں جانا تھا وہاں دیکھا ایک شخص کھڑا ہے، اس نے پوچھا بھائی تم کون ہو، کہاں جا رہے ہو، کیا مقصد ہے۔ بتایا فلاں شخص میرا دوست ہے اور اللہ کے راہ کا دوست ہے وہ، کوئی اور رشتہ داری نہیں ہے، صرف اللہ کی خاطر اس کو دوست رکھتا ہوں، دینی محبت کی وجہ سے اس سے ملاقات کے لئے جا رہا ہوں، کہا اچھا تو میں بھی بتا دوں، میں ہوں اللہ کا فرشتہ، مجھے اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہاں تجویز کیا ہے کہ میں تم کو خوشخبری سنادوں کہ تم جنت میں جاؤ گے۔ تو محض ایک دوست کے پاس جانے کی خاطر جو اللہ کے لئے جا رہا ہے اور دوستی بھی اللہ کے لئے ہے، دین کی خاطر دوستی ہے، اسی پر اللہ تبارک و تعالیٰ کو اتنی مسرت ہوئی کہ اس کو جنت کی خوشخبری اسی دنیا میں رہتے رہتے سنادی۔ پیارے دوستو! اللہ تعالیٰ کے کارخانے سے جن کے قلب میں نور ایمان ہے، جن کے قلب میں عشقِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہے، جن کے قلب میں اللہ کا تقویٰ ہے، ان کے پاس بیٹھنے سے، ان کے پاس جانے سے قلب کے اندر جلاء پیدا ہوتی ہے، صلاحیت پیدا ہوتی ہے، شیطان کے کید اور مکر سے حفاظت ہوتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو توفیق عطا فرماتے ہیں اعمالِ صالحہ کی اپنا قُرب عطا فرماتے ہیں، یہ خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت، بہت بڑی دولت ہے، اور اس وقت حضرت شیخ تشریف لائے ہیں، ان کی معذوری کو آپ دیکھ ہی رہے ہیں وہ کوئی بنانے کی چیز نہیں ہے، اس کے باوجود اللہ نے ان کے قلب میں ایک ولولہ پیدا فرمایا کہ اللہ کے بندوں پر شفقت ہے ان کو، اللہ کے بندوں کے ساتھ رافت کا، محبت کا تعلق ہے، وہ ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ کہیں کوئی اللہ کا بندہ ہو جو

اس دولت کو لے، اور آئے ہیں اس واسطے کہ یہاں سے سب لوگ نہیں جا سکتے وہ تشریف لے آئے کہ آنے والے کچھ دیر پاس بیٹھیں، اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام سیکھیں، اللہ کے راستہ پر لگیں، گناہوں سے توبہ کریں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے وعدے کریں، اسی مقصد کے واسطے بس جگہ جگہ پر پھر رہے ہیں، جگہ جگہ پر مرکز قائم کر رہے ہیں، اسی لئے کسی نے کہا ہے ؎

خانقاہ و مدرسہ قائم نمودہ جابجا ۔۔۔ تربیت کردہ فرستند کارواں با کارواں

جماعتیں کی جماعتیں ان کو تعلیم دے کر، ان کو صاحب نسبت بنا کر، پختہ کر کے بھیجتے ہیں، ایک ایک شخص، ایک ایک علاقہ میں پہونچ جائے تو انشاء اللہ سب پر حاوی ہو اور اللہ کے نور کو پھیلائے، اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت کرے، حق تعالیٰ نے ان کے لئے اس کا انتظام فرمایا اور جگہ جگہ پر، صرف یہیں نہیں تمام دنیا میں جہاں جہاں ان کو علم ہے کہ یہاں مسلمان لوگ آباد ہیں، وہاں کوشش کر کے آدمیوں کو بھیج رہے ہیں اور پرورش کر کے بھیج رہے ہیں، سکھا کر، تعلیم دے کر، پختہ کر کے بھیج رہے ہیں اور لوگوں کو ترغیب دیتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے اللہ کے دین کو پھیلاؤ۔ پیارے دوستو! اللہ والوں کے دلوں میں یہ جذبہ ہوتا ہے، یہ رحمت اور شفقت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ مخلوق پر زیادہ سے زیادہ شفیق ہوتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ حضرات کو بھی اس کا موقع دیا ہے کہ آپ یہاں تشریف لائے۔ پیارے دوستو! جو لوگ بیعت ہوئے ہیں ان کو لازم ہے کہ جہاں تک ہو سکے معمولات کی پابندی کریں۔ اس واسطے کہ بیعت ہونا نام کے واسطے نہیں۔ یہ بیعت ہونا ایسا ہی ہے جیسے ایک طالب علم مدرسہ میں آگیا، داخل ہو گیا، اس نے رجسٹر میں اپنا نام لکھا دیا۔ لیکن نہ کتاب پڑھتا ہے نہ سبق یاد کرتا ہے، نہ تکرار نہ مطالعہ کچھ نہیں کرتا۔ بتاؤ خالی نام رجسٹر میں لکھانے سے اس کو علم آئے گا۔ اس کو علم نہیں آئے گا۔ علم تو محنت کرنے سے آئے گا۔ اسی طریقے

پر جو لوگ بیعت ہوئے۔ بیعت ہونے سے ان کا داخلہ تو ہو گیا لیکن جب محنت کریں گے تبھی جا کر کچھ آئے گا۔ یہ دولت بغیر محنت کے نہیں آتی۔ دنیا کی ذرا ذرا سی چیز کے واسطے کتنی محنت کرنی پڑتی ہے اور اس کے لئے کیا کچھ نہیں محنت کرنی پڑے گی، بڑی محنت کرنی پڑتی ہے لیکن حق تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ آدمی تھوڑی سی محنت کرتا ہے۔ محنت کرتا ہے آدمی اپنی حیثیت، اپنی طاقت کے مطابق، لیکن حق تعالیٰ اپنی شانِ عالی کے مطابق عطا فرماتے ہیں، بندہ کی حیثیت کے مطابق نہیں بلکہ اپنی شان کے مطابق عطا فرماتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے ایک کلمہ ایسا ہے کہ زمین سے لیکر آسمان تک جتنا حصہ یہ فضا ساری کی ساری ثواب سے بھر جائے، ایک کلمہ ایسا ہے کہ اس کو ترازو میں رکھ دو تو ترازو وزنی ہو جائے اس سے ترازو کا تمام پلڑہ بھر جائے اس سے، اللہ تبارک و تعالیٰ اتنا عطا فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک راستہ ہے ہی ایسا راستہ، جو شخص اس راستے کو اختیار کرے گا وہ راہِ حبیب کو اختیار کرتا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حبیب، اللہ کے حبیب کا راستہ حبیب، اور جو لوگ اس راستے پر چلنے والے ہیں وہ اللہ کے حبیب بن جاویں گے۔ اس واسطے محض بیعت ہو جانے پر، توبہ کر لینے پر قناعت نہ کریں، بار بار اس کا دھیان بھی کرتے رہیں کہ فلاں فلاں چیز سے ہم نے توبہ کی اور یہ بھی کیا کہ اور کوئی گناہ نہیں کروں گا۔ اور اگر گناہ ہوا ہے تو فوراً توبہ کریں، استغفار کریں، حق تعالیٰ مدد فرماتے ہیں، جو معمولات ہیں ان معمولات کی پابندی کریں، اذکار و اشغال کی پابندی کریں اور کوشش کریں کہ آپ کے یہاں بھی زیادہ سے زیادہ صاحبِ نسبت لوگ، تیار ہوں اور تیار ہو کر دنیا میں پھیلیں۔ یہ درحقیقت بہت بڑا لشکر ہے۔ یہ تمام عالم میں پھیلے گا اور یہاں سے جلے گا اور جا کر جگہ جگہ دین کی اشاعت کرے گا، باطل کو شکست دے گا، اللہ کے دین کو سب جگہ غالب کرے گا۔ نبی کو بھیجنے کا مقصد کیا ہے "لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ"، اللہ تعالیٰ کے دین کو

تمام دینوں پر غالب کردے، یہ مقصد ہے، اس واسطے جو لوگ ایسے ہیں کہ ان تک دین نہیں پہونچا وہاں بھی دین پہنچانے کی ضرورت ہے، جن کے پاس دین پہونچ گیا مگر وہ عمل کی طرف راغب نہیں ان کو عمل کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت ہے۔ غرضیکہ یہ کوشش اور یہ میدان ایسا ہے کہ اس میں ساری عمر خرچ ہو جائے، اور اسی طریقے پر آدمی کام کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت ہی قبولیت ہے، وہاں اس چیز کو رد نہیں کیا جاتا۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ بچوں کو یہاں داخل کرنا اور بچوں کو دینی تعلیم دلانا، جو بڑے لوگ ہیں اگر ان کو پڑھنے کا موقع ہو تو وہ بھی پڑھیں۔ اگر پڑھنے کا موقع نہیں تو کم از کم صحبت میں آکر بیٹھا کریں، بات دین کی پوچھتے رہا کریں، تعلق قائم رکھیں، مسئلے دریافت کرتے رہیں، اپنے گھریلو چیزوں میں بھی مشورے کرتے رہیں، اپنا اور بیوی کا کوئی قصہ پیش آئے، باپ بیٹے کا کوئی قصہ پیش آئے، تجارت اور ملازمت کا کوئی قصہ پیش آئے اس میں بھی مشورہ لیتے رہیں، ان مشورہ لینے میں بھی خیر ہے۔ اس واسطے کہ خیر کا مشورہ ملے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کی روشنی عطا ہوگی، جو فائدہ اور ثواب اس میں ہے وہ دوسری چیز میں نہیں۔ اس لئے آپ حضرات کو مبارکباد دیتا ہوں کہ ایسی حالت میں بھی حضرت شیخ آپ کے یہاں آئے اور اپنے خدام کو لے کر آئے۔ خود تو غور کرو، مدینہ طیبہ کہاں، کتنی بلند جگہ، کتنا مبارک مقام اور وہاں سے یہاں تشریف لائے۔ شیخ کو وہاں سے اپنے وطن جانا تھا، سیدھے پہنچ جاتے مگر یہاں تشریف لائے، کئی روز کا قیام کیا۔ مدینہ طیبہ کی جو نمازیں ہیں مسجد نبوی کی ان کی حیثیت کچھ اور ہے اور دوسرے مقام کی نمازوں کی حیثیت کچھ اور ہے لیکن یہ رافت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی محبت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر شفقت، آپ حضرات پر شفقت، اسی نے مجبور کیا کہ یہاں تشریف لائیں اور تشریف لا کر اتنی بڑی جماعت کو مستفیض فرمائیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے

تشریف لانے کو مبارک فرمائے اور آپ سب حضرات کے لئے بھی اور تمام عالم کے لئے بھی۔ اور جو لوگ یہاں نہیں آسکے لیکن آنے کی خواہش اور تمنا ان کے دل میں ہے، اللہ تعالیٰ ان کو بھی مبارک فرمائے اور قبول فرمائے اور اس مدرسہ کو بھی ترقیات سے نوازے اور جو مسجد کی تعمیر کی بنیاد رکھی گئی اللہ تعالیٰ اس کی تعمیر کو بھی مکمل کرائے اور اس کو آباد کرے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال سے آباد کرے، اس میں اللہ کا ذکر ہو، حدیث کی تعلیم ہو، قرآن پاک کی تعلیم ہو، اللہ کے تقویٰ کی باتیں ہوں، دین کی اشاعت کی چیزیں ہوں، اللہ تبارک و تعالیٰ ان ذریعوں سے آباد کرائے۔ آج کل مسجد بارونق تو بہت ہوتی ہیں، فرش بھی اچھے اچھے بچھے ہوتے ہیں، فرنیچر اس کا شاندار بھی ہوتا ہے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال ان میں کم ہیں۔ اس وجہ سے وہ آبادی آبادی نہیں۔ آبادی تو یہ ہے، حدیث پاک میں موجود ہے لوگ مسجدیں بنائیں گے بڑی اونچی اونچی اور بہت کچھ اس میں ہوگا لیکن وہ اللہ کے ذکر سے غیر آباد ہوں گی۔ مسجد میں آئیں گے تو بیٹھ کر ادھر ادھر بازار کی، تجارت کی باتیں کریں گے، کسی کی غیبت اور برائی کی باتیں کریں گے، آپس کی بے جا بحث کریں گے، سوال و جواب ہوگا اور لڑائی جھگڑوں کے قصے ہوں گے، یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ مسجد کی شان کے خلاف ہیں یہ چیز نہیں ہونی چاہیئے۔ مسجد میں کیا ہو، اللہ کا نام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کچھ لوگ ادھر کو بیٹھے ہیں وہ تو مسئلے مسائل کی باتیں کر رہے ہیں۔ ایک نے سوال کیا دوسرے نے جواب دیا۔ کچھ لوگ ادھر کو بیٹھے ہیں وہ عبادات میں مشغول ہیں، کوئی نفلیں پڑھ رہا ہے، کوئی تسبیح پڑھ رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں جماعتیں خیر ہیں۔ یہ بھی خیر ہے وہ بھی خیر ہیں۔ اور پھر جو لوگ مسئلے مسائل کی باتیں کر رہے تھے ان میں آکر بیٹھ گئے اور فرمایا "اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میں تو انھیں

میں بیٹھوں گا۔ اس واسطے مسجد میں تعلیم کی بات ہو، دین کی بات ہو، اعلیٰ چیز ہے۔ خداوند تعالیٰ توفیق مرحمت فرمائے، اور مسجد کی تعمیر کو مکمل کرائے اور اس کی تمام ضروریات کا خزانۂ غیب سے انتظام فرمائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر قسم کے شرور سے محفوظ رکھے مدرسے کو بھی مسجد کو بھی، اساتذہ کو بھی، طلبہ کو بھی اور جو لوگ مدرسے سے وابستہ ہیں، تعلق رکھنے والے ہیں، جو بیعت ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی ہر طرح کے شر سے محفوظ رکھے۔ اور دنیا کی عزت بھی دے اور آخرت کی عزت بھی دے، یہاں کی راحت بھی دے اور وہاں کی راحت بھی دے، شیطان کے فتنوں سے بھی بچائے اور نفس کے فتنوں سے بچائے، اللہ تعالیٰ سب کی مساعیٔ جمیلہ کو قبول فرما دے، ایمان میں استقامت اور استحکام دے، تقویٰ میں پختگی عطا فرمائے صدق میں پختگی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ
سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ
اَجْمَعِيْنَ۔

تقویٰ اور اس کے حصول کا طریقہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد خطبۂ مسنونہ۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ۔

اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ کا پاک ارشاد ہے کہ اے ایمان والو، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ اس آیت شریفہ میں ایمان والوں کو خطاب ہے اور تقوے کا خطاب ہے اور صادقین کے ساتھ رہنے کا خطاب ہے۔

ایمان کسے کہتے ہیں، تقویٰ کسے کہتے ہیں صدق کسے کہتے ہیں؟ تین چیزیں اس میں ہیں۔ ایمان کے معنی ہیں مان لینا، اللہ جل جلالہٗ کے نازل کئے ہوئے احکام کو، محض آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر اعتماد کرتے ہوئے مان لینا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ نجات کا راستہ بیان فرمایا ہے احکام خداوندی بتادئے ہیں بالکل وہی تسلیم ہے اور اسی کے مطابق زندگی گذارنا ہے۔ ایمان نام جاننے کا نہیں صرف جاننا تو کفار اور مشرکین کو بھی حاصل تھا۔ قرآن پاک میں ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ آپ ان مشرکین اور کافرین سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے اللہ نے پیدا کیا۔ اتنا وہ بھی جانتے تھے بلکہ یہاں تک بات تھی اِذَا اُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ جب کشتی پر سوار ہیں سب طرف سے موجوں نے لہروں نے گھیر لیا تاریکی ہے راستہ نہیں مل رہا ہے، اس وقت اللہ کو پکارتے تھے دعا بھی کرتے تھے اسے اتنا ہی تسلیم کرتے تھے کہ ہاں وہ قادر ہے۔ اب سارے معبودانِ باطلہ وہ بت جن کی پوجا پاٹ کرتے تھے سب بیکار ہیں کسی کی طاقت کام نہیں دیتی۔ ان لہروں، موجوں میں، سمندر کے طوفان میں گھرنے کے بعد طاقت خداوند تعالیٰ ہی کی ہے جو بچا سکتی ہے کسی کی طاقت بچا نہیں سکتی اتنا وہ بھی جانتے تھے

لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے ماتحت زندگی گذارنے کا انھوں نے فیصلہ نہیں کیا تھا۔ تو ایمان درحقیقت نام ہے فیصلہ کر لینے کا طے کر لینے کا کہ ہم اپنی پوری زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے ماتحت گذاریں گے، طے کر لینا فیصلہ کر لینا یہ عہد کر لینا یا ایّھا الّذین اٰمنوا اے وہ لوگو جو فیصلہ کر چکے ہو کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے ماتحت زندگی گذاریں گے۔ جب تم نے یہ فیصلہ کر لیا تو سنو۔ دنیا میں ایک حکومت دوسری حکومت کو جانتی ہے اس کے قوانین سے بھی واقف ہے، اس کی طاقت سے بھی باخبر ہے، ہوائی طاقتوں کو بھی جانتی ہے، بحری طاقتوں کو بھی جانتی ہے لیکن اس کے ماتحت رہ کر زندگی گذارنے کو تیار نہیں۔ لڑائیاں آپس میں ہوتی ہیں۔ بلکہ ایک ہی حکومت میں بعضے آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں جو قانون کو بھی جانتے ہیں، حکومت کے وزراء کو بھی جانتے ہیں، عدالتوں کو بھی جانتے ہیں ان کی سزاؤں کو بھی جانتے ہیں۔ اس کے باوجود اس حکومت کے ماتحت رہ کر زندگی گذارنے کو تیار نہیں۔ ایسے لوگ کیا کہلاتے ہیں، باغی کہلاتے ہیں۔ کیا باغی جانتے نہیں حکومت ہے؟ ضرور جانتے ہیں، حکومت کی سزاؤں کو نہیں جانتے، قتل اور پھانسی کی سزاؤں کو نہیں جانتے!؟ ضرور جانتے ہیں۔ اگر ایمان نام جاننے کا ہوتا تو سب کے سب مومن ہوتے۔ لیکن مومن تو درحقیقت وہ ہے جو فیصلہ کرے کہ ہاں مجھے اس طریقہ پر زندگی گذارنی ہے۔ حکومت کے وفادار وہی کہلائیں گے جو حکومت کے قانون کے تحت رہ کر زندگی گذارنے کو تیار ہوں، فیصلہ کریں۔ ورنہ تو باغی کہلائیں گے۔ جب کسی شخص نے وفاداری کا عہد کر لیا ایک حکومت کے ماتحت رہنے کے لئے وہ وہاں کا شہری بن گیا اب قانونی طور پر حکومت کے زیر اثر ہو گیا۔ پھر اگر بھول چوک سے غلطی سے اس نے کوئی خطا کی بھی تو ہو سکتا ہے کہ حکومت سزا دے، ہو سکتا ہے کہ معاف کر دے۔ دونوں باتیں ممکن ہیں۔ یہی حال خدائے پاک کے یہاں کا ہے کہ خداوند تعالیٰ کے ماتحت اس کے قانون کے ماتحت، اس کے نبی کی ہدایت کے ماتحت زندگی گذارنے کا جو شخص فیصلہ کر چکا، عہد کر چکا، حلف وفاداری کر چکا وہ مومن ہے۔ پھر اس سے خطا قصور سرزد ہو جائے ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ معاف فرما دیں، ہو سکتا ہے کہ سزا دیں۔ لیکن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسے جہنم میں بھیج دیں ایسا نہیں ہوگا، ہمیشہ کے لئے جہنم میں، تو وہی جائیگا جو باغی ہوگا اس کے لئے نجات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اِنَّ اللہَ لَا یَغْفِرُ

اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ قرآن پاک نازل کیا جن لوگوں نے اس کو تسلیم کرلیا اور اپنی زندگی کو اس کے ماتحت رہ کر گذارنے کا فیصلہ کرلیا وہ لوگ مومن ہیں ان سے کہا گیا کہ اے ایمان والو! جب تم ہمارے قانون کے تحت داخل ہوگئے جب تم نے ہم سے عہد کرلیا وفاداری کا جب تم نے فیصلہ کرلیا کہ ہمارے بھیجے ہوئے قانون کے مطابق زندگی گذاروگے تو اِتَّقُوا اللّٰهَ اب اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔ دیکھ بھال کر زندگی گذارو۔ قدم قدم پر بلکہ سانس سانس پر زندگی کو دیکھتے رہو کہ کوئی چیز خلاف قانون تو نہیں۔ یہ ایمان ایک پودا ہے جو قلب کے اندر اُگ آیا ہے۔ دنیا میں اس زمین پر جب کوئی پودا لگاتا ہے، پودے کی حفاظت کی جاتی ہے، چلتے ہوئے کوئی گائے بکری اسے کھا لے، کہیں سخت ترین گرمی کی وجہ سے کھلا جائے، سخت ترین سردی کی وجہ سے کہیں نہ ٹھٹھر جائے۔ غرض ضرورت کے وقت اس کو پانی بھی دیا جاتا ہے ضرورت کے وقت جانوروں سے بھی حفاظت کی جاتی ہے گرمی سردی سے حفاظت کی جاتی ہے جب اس کی پرورش ہوتی ہے تو پھر اس کے اوپر برگ و بار لگتا ہے، پتے، شاخیں، پھل، پھول، مخلوق خدا اس سے نفع اٹھاتی ہے اور اعلیٰ درجہ کا وہ درخت بن جاتا ہے۔ حفاظت نہ کی جائے تو بسا اوقات تباہ اور برباد ہوجاتا ہے۔ تو ایمان کا بھی پودا ہے جو قلب میں لگایا گیا ہے جس کی حقیقت مختصر لفظوں میں میں نے عرض کی کہ یہ فیصلہ کرلینا ہے اس پودے کی حفاظت کی ضرورت ہے پودے کی حفاظت کریں گے تو پودا قوی ہوگا اسی حفاظت کا نام ہے تقویٰ۔ خداوند تعالیٰ کی معصیتوں و نافرمانیوں سے اس پودے کی حفاظت کیجائے۔ پودا جیسے کہ گرمی سے خراب ہوجاتا ہے سردی سے خراب ہوجاتا ہے، پانی نہ پہنچنے سے خراب ہوجاتا ہے کسی جانور کے کھالینے سے تباہ ہوجاتا ہے کوئی کیڑا لگ جاتا ہے اسی طریقہ پر ایمان نہ خراب ہوجائے ایمان کی حفاظت کی بھی ضرورت ہے۔ حدیث پاک میں تو موجود ہی ہے کہ جس طرح ظروف کو زنگ لگتا ہے ایمان پر بھی زنگ لگ جاتا ہے ایمان کو تازہ کرتے رہا کرو۔ جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو، اس کو قلعی کرتے رہا کرو۔ پوچھا گیا کہ حضورؐ! اس کی قلعی

کیا ہے؟ آپنے فرمایا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کثرت سے پڑھو " لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" پڑھنے سے ایمان کا زنگ دور ہوجاتا ہے۔ کپڑے بھی میلے ہوتے ہیں ان کو بھی دھویا جاتا ہے صاف کیا جاتا ہے، مکان بھی میلا ہوتا ہے اس کے اوپر بھی قلعی کی جاتی ہے، برتن بھی میلے ہوتے ہیں ان کے اندر بھی ضرورت پیش آتی ہے صفائی کی۔ اسی طریقے سے ایمان کے اندر بھی میل لگتا ہے غفلت سے، ماحول کے برے اثرات سے، معاصی سے۔ اس لئے ایمان کی صفائی کی، حفاظت کی، تجدید کی، تجلیہ کی ضرورت ہوتی رہتی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے ورنہ اگر ایمان کو تقویٰ کیساتھ مزین نہ کیا جائے تو ایمان سوکھ جائیگا زنگ لگ جائیگا خراب ہوجائے گا۔ اس لئے کہ انسان کے ساتھ ایک نفس لگا ہوا ہے جو اس کے اندر موجود ہے " اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْكَ" تمھارا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو تمھارے پہلو میں موجود ہے "نفس"۔ اور دوسرا دشمن انسان کے ساتھ شیطان لگا ہوا ہے" اِنَّ الشَّیْطَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ" انسان کے لئے شیطان کھلا ہوا دشمن ہے۔ اس کی عداوت مخفی نہیں کھلی ہوئی عداوت ہے لیکن عداوت کے جو طریقے ہیں وہ بہت مخفی ہیں ان کا ہر ایک کو پتہ نہیں چلتا۔ ان سے زیادہ تحفظ کی ضرورت ہے نفس کی شرارتوں کی بھی ہر ایک کو خبر نہیں ہوتی۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح فرماتے تھے کہ میری طالب علمی میرے بچپن کے زمانہ میں میرے والد صاحب خط وکتابت مجھ سے کرایا کرتے تھے یعنی خطوط کا جواب میرے ذریعے لکھواتے تھے، ایک لفظ بولا انھوں نے "استمزاج" استمزاج کے معنی استصواب رائے، یہ لفظ فارسی میں مستعمل ہے عربی میں اس معنیٰ میں مستعمل نہیں اور چونکہ عام دستور فارسی میں خط وکتابت کا تھا اسلئے انھوں نے یہ لفظ بھی لکھوادیا۔ مجھے اسکے معنی معلوم نہیں تھے، میں نے والد صاحب سے کہا ممکن ہے مکتوب الیہ اس لفظ کے معنیٰ صحیح نہ سمجھ سکے لہٰذا کوئی دوسرا لفظ اس کے ہم معنیٰ لکھوادیجئے۔ انھوں نے دوسرا لفظ بولدیا لیکن شرارت میرے نفس کی تھی کہ اپنے جہل کو باپ تک سے چھپایا۔ اسی بات پر فرمار ہے تھے کہ نفس کی شرارت کا یہ عالم ہے اپنے جہل کو باپ تک سے چھپایا۔ یہ نہیں کہا کہ میں جاہل ہوں میں نہیں جانتا اس کے معنیٰ بلکہ یہ کہا شاید مکتوب الیہ جاہل ہو اس کے معنیٰ نہ سمجھے۔ تو جہل

ایک ایسی بری چیز ہے اور ایسا برا دھبہ ہے کہ آدمی اپنے اوپر لینے کو تیار نہیں - - - - - -
اور نفس کا جال اتنا مخفی ہے کہ اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ تو ہمارا ایمان ہے کہ نفس ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے کیونکہ قرآن پاک میں آچکا اور ہم یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ قرآن پاک میں جو کچھ آیا ہے وہ صحیح ہے لیکن وہ کس کس راہ سے کس کس طریقہ پر شرارتیں کرتا ہے اس کا علم ہر ایک کو نہیں۔ اسی طرح سے شیطان یہ تو معلوم ہے کہ بڑا پکا گہرا دشمن ہے لیکن یہ کہ کس کس راہ سے دشمنی کرتا ہے کیا کیا طریقے، کیسے کیسے جال ہیں، اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ تو دنیا میں بھی دیکھتے ہیں کہ ایک دشمن دوسرے دشمن کے لئے اس کو تباہ و برباد کرنے کے واسطے جنگ کے موقعہ پر کیا کیا تدبیریں کرتا ہے۔ کبھی نیچے تار بچھا دیتا ہے کبھی پانی گرم کرکے اس پر چھوڑتا ہے، کبھی خندقیں کھود دیتا ہے۔ کبھی کچھ ترکیب کرتا ہے کبھی کچھ ترکیب کرتا ہے کہ اسکو پتہ نہیں چلتا وہ خالی الذہن ہوتا ہے، تباہ و برباد ہوجاتا ہے۔ تو ایک دشمن دوسرے دشمن کے لیے تدبیر کیا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی تدبیر اختیار فرماتے ہیں۔ ابرہہ نے جس وقت بیت اللہ کو گرانے کا ارادہ کیا اور جنگی ہاتھیوں کا لشکر لیکر چلا، جو سب سے بڑا ہاتھی تھا اس کو سب سے آگے بڑھایا تاکہ بیت اللہ کو گرائے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کی کیا تدبیر تھی۔ ابابیل کو بھیجدیا ان کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسے پرندے آسکتے ہیں۔ اُن کی چونچ یا پنجوں میں کنکریاں ہو سکتی ہیں، کہ وہ ایٹم بم کا کام دیں کہ دماغ پر گریں اور دوسرے راستے سے نکلیں اور تباہ و برباد کردیں "کَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ" بنادیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی تدبیر کی ان کو پتہ نہیں تھا اسی طریقہ سے ہمیں بھی پتہ نہیں ہے کہ ہمارا نفس ہمارے لئے کیا کر رہا ہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ اس کو حدیث پاک میں فرمایا گیا "بین جنبیک" ہمارے دونوں پہلوؤں کے اندر ہے۔ دشمن باہر کا ہو اس کی طاقت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے خفیہ پولیس کے ذریعہ سے بھی معلوم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اپنے اندر موجود ہو نظر نہ آتا ہو اس کی طاقت کا اس کی تدبیر کا کیا اندازہ کیا جائے، کیسے اندازہ کیا جائے، دشوار ہے اس کا اندازہ کرنا؛
اسی طریقہ سے شیطان کا یہ حال ہے کہ انسان کے جسم میں رگوں میں گھومتا پھرتا ہے جیسے کہ خون۔
اِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِىْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ "شیطان خون کی طرح انسان کی رگ،

انسان کے جسم میں سرایت کئے ہوئے ہے تو جو دشمن اتنا مسلط اتنا حاوی ہو آخر اس سے بچاؤ کی کیا صورت ہے اور یہ دشمن بھی حاوی ہے یہ کس طرح سے حاوی ہے کیوں حاوی ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کو جنت سے دنیا میں بھیجنے کی تجویز کی گئی اور شیطان کو نکالا گیا، لعنت کا طوق اس کے گلے میں ڈالا گیا تو شیطان نے دعائیں کیں ایک دعا یہ کی کہ اللہ اس آدم کی وجہ سے مجھے جنت سے نکالا جا رہا ہے مجھے مہلت دے قیامت تک زندہ رہنے کی، میری موت نہ آئے کیونکہ ایک دشمن خواہ کتنا ہی گہرا دشمن ہو جب مر جاتا ہے تو اطمینان ہو جاتا ہے کہ دشمن ختم ہو گیا، امید رہتی ہے کہ مرے گا تو سہی اس کے بعد امن ہو جائے گا لیکن شیطان نے مہلت مانگ لی " اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ " جس روز مردے قبر سے اٹھائے جائیں گے تو مجھے اس روز تک کیلئے مہلت دیدے۔ اور اس کی ہوشیاری یہ تھی کہ موت کے پھندے سے بچ جائے کیونکہ پہلا صور پھونکا جائیگا جس میں سب مر جائیں گے، دوسرا صور پھونکا جائے گا جس میں سب زندہ کر کے اٹھا دیئے جائیں گے تو اس نے مہلت مانگی کب تک کی جب زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اس وقت تک کی تاکہ موت سے چھٹکارا مل جائے۔ وہاں سے کہا گیا " اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ " وقت معلوم تک مہلت دیدی گئی یعنی جب پہلا صور پھونکا جائے گا جس میں سب مرینگے اس وقت تجھے بھی مرنا ہے۔ مرنے سے تو بچاؤ ہے نہیں۔ ایک یہ مہلت مانگ لی۔

نیز اس نے دعا کی کہ آدم کی وجہ سے مجھے نکالا جا رہا ہے مجھے اس پر قابو دیدے۔ اس سے کہا گیا، اچھا تجھ کو انسان پر آدم پر قابو دیدیا گیا کہ رگوں میں گھس سکتا ہے خون کی طرح سرایت کر جاتا ہے۔ کہا اس میں ترقی دے، کہا اچھی بات جس وقت میں انسان اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے شیطان بھی جاتا ہے، انسان کا نطفہ قرار پاتا ہے شیطان کا بھی قرار پاتا ہے، انسان کے نطفے میں جان پڑتی ہے شیطان کے نطفے میں بھی جان پڑتی ہے۔ شیطان کے بچے کو وہیں قابو دیدیا گیا انسان کے بچے پر یہاں تک کہ جب پیدا ہوتا ہے اسی کو ہمزاد کہتے ہیں تو وہ شیطان

کا بچہ انسان کے بچہ پر حاوی مسلط رہتا ہے وہیں سے ساتھ لگا دیا گیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے:۔
"صِیَاحُ الْمَوْلُوْدِ حِیْنَ یَقَعُ نَزْغَۃٌ مِّنَ الشَّیْطَانِ" بچہ بعض دفعہ سوتا ہوا بالکل چیخ اٹھتا ہے
چلا دیتا ہے، کیا ہے وہ شیطان چوکا مارتا ہے اسکو،

ادھر شیطان نے وعدہ کیا " قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ
الْمُسْتَقِيمَ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن
شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ" اے پاک پروردگار تو نے مجھے گمراہ تو کر ہی
دیا، بے راہ تو کر ہی دیا لیکن میں بھی تیرے سیدھے راستے پر جا بیٹھوں گا۔ آگے پیچھے دائیں بائیں
ہر طرف سے انسان کو بہکاؤں گا اور اکثر لوگ ان میں سے ایسے ہوں گے جو شکر گذار نہ ہوں گے یعنی
میرے قابو میں آجاویں گے۔ غرض یہ کہ شیطان کو قابو ہوا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے
اللہ! شیطان کو تو میرے اوپر مسلط کر دیا میرے بھی تو بچاؤ کی کوئی صورت بتا۔ خُلِقَ الْإِنسَانُ ضَعِيفًا
انسان تو بہت ضعیف اور کمزور ہے۔ میرے لئے بھی بچاؤ کی کوئی صورت بتا۔ اچھی بات ہے۔ بچاؤ
کی صورت بتلائی گئی کہ جب شیطان کا بچہ آدمی کے بچہ پر مسلط ہوگا تو ہم فرشتے مقرر کر دیں گے
حفاظت کے لئے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جس طرح شہد کا پیالہ رکھا ہو اور کوئی آدمی بیٹھا
ہوا ہاتھ ہلاتا رہتا ہو مکھیوں اور مچھروں کو بھگاتا رہتا ہو، ذرا اپنا ہاتھ روکے تو مکھیوں اور مچھروں کا
چھتہ کا چھتہ اس پر آکر بیٹھ جاتا ہے۔ اسی طریقہ پر شیاطین اور جنات کو ملائکہ ڈھکیلتے رہتے ہیں
انسان سے اگر ذرا دیر... کو... بھی حفاظت روک لیں تو بس چھتہ کا چھتہ ان کا آبیٹھے اور تکہ
بوٹی کر کے انسان کو بانٹ کھائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ حفاظت کرتا ہے انسان کی۔

آدم علیہ السلام نے درخواست کی کہ اے پاک پروردگار، مجھے بھی کچھ ترقی دیجئے! فرمایا
اچھا، ایک نیکی کروگے تو دس گنا ثواب، اگر خطا ہوئی یا تو معاف کر دیں گے یا اتنی ہی سزا جتنی خطا
ہوئی۔ آدم علیہ السلام نے درخواست کی کہ اور ترقی دیجئے، شیطان نے تین دعا کی تھی آدم ع
نے بھی تین دعائیں کیں، ترقی دی اور فرمایا مرنے سے پہلے پہلے جب بھی توبہ کرلوگے معاف
کر دینگے۔ اب شیطان پریشان ہوا کہ لیجئے ساری عمر محنت کروں گا، آدمی سے گناہ کراؤں گا، خطا

کراؤں گا اور وہ مرنے سے پہلے توبہ کرلیگا اس کے تو سارے گناہ معاف ہوجائینگے، میری تو ساری محنت بیکار ہوجائے گی۔ تو توبہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے رکھی ہے۔

غرض یہ ہے کہ اس دار الامتحان میں اللہ نے بھیجا ہے۔ اس قید خانہ میں بھیجا ہے کہ ہر طرف اس کے لئے پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں۔ اور اس کی حفاظت کے واسطے بھی حق تعالیٰ نے انتظام فرمادیا۔ اتنے دشمن خارج میں لگے ہوئے ہیں آدمی کے ساتھ، سانپ آدمی کا دشمن، بچھو آدمی کا دشمن بھیڑیا آدمی کا دشمن، شیر آدمی کا دشمن، امراض قسم قسم کے لگے ہوئے ہیں۔ ہیضہ ہوجائے وہ آدمی کا دشمن ہے، طاعون ہوجائے وہ آدمی کا دشمن ہے غرض کتاب الطب کو اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے دشمنوں سے بھری ہوئی ہے۔ جغرافیہ کو اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہوگا انسان کے دشمنوں سے بھرا ہوا ہے۔ خود انسان کے بدن کا یہ حال ہے کہ ذرا سا ڈاڑھ میں دانت میں درد ہوجائے تو بے چین ہوجاتا ہے۔ قلب کی تکلیف ہوجائے تو بے چین ہوجاتا ہے، درد گردہ ہوجائے تو بے چین ہوجاتا ہے، پیشاب رک جائے تو تکلیف، غرض یہ کہ یہ دار الامتحان۔ ایسا ہے کہ اندر باہر ہر طرف امتحان ہی امتحان ہے۔ لیکن حق تعالیٰ نے انسان کو اس طرح بے کس نہیں چھوڑ دیا کس مپرسی کی حالت میں نہیں چھوڑ دیا، اپنی نصرت کا وعدہ کیا ہے، اُس سے یہ ذرا سا صحیح طریقے پر چلنے کا عہد کرلے۔ کیا وہ کسی کا شعر ہے

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

تو انسان اگر تیار ہوجائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار بنکر زندگی گذارنے کیلئے فیصلہ کرلے تو حق تعالےٰ کی طرف سے جگہ جگہ سے نصرت بھی ہوتی ہے۔ اب آدمی رات میں سوتا ہے کون اس کی حفاظت کرتا ہے، سارے دشمنوں سے وہی حفاظت کرنے والا ہے۔ قسم قسم کی چیزیں کھاتا ہے۔ ہر چیز کی تاثیر کو اس کے حق میں موافق بنادیتا ہے۔ یہ کون کرتا ہے؟ وہی تو کرتا ہے!

انسان کے بدن میں ایسی مشینیں لگا دی ہیں کہ غذائیں مختلف قسم کی کھاتا ہے اور اس کا زلال نکل نکل کر کے اس کے لئے قوتِ جسم کا باعث بنتا ہے۔ یہ سب کچھ کون کرتا ہے؟ حق تعالیٰ ہی

کرتے ہیں۔ یہاں پر بیٹھے ہوئے ہیں چھت ٹھہری ہوئی ہے ابھی نہیں گر رہی ہے حق تعالیٰ نے ٹھہرا رکھی ہے اور جس وقت حکم ہوگا حق تعالیٰ کی طرف سے گرنے کا فوراً گر جائے گی سارے انتظامات رکھے رہ جائیں گے۔ آرام سے زمین پر بیٹھے ہیں چلتے پھرتے ہیں اپنا کاروبار کرتے ہیں زمین دھنس نہیں جاتی۔ یہ کس نے زمین کو ٹھہرا رکھا ہے؟ حق تعالیٰ نے ٹھہرا رکھا ہے زلزلہ آکر تباہ و برباد نہیں ہو جاتے، یہ حفاظت کے انتظام حق تعالیٰ نے کر رکھے ہیں۔ جہاں اتنے دشمنوں میں رکھا ہے اپنے بندہ کو اور یہ بندہ ایسا جو اللہ کا خلیفہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنا کر انسان کو بھیجا ہے۔ اللہ کا خلیفہ اور اللہ کی اتنی بڑی مخلوق کے درمیان گھرا ہوا، اتنے دشمنوں کے درمیان گھرا ہوا حق تعالیٰ ویسے ہی چھوڑ دینگے اس کو! ایسا نہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی ہے عورت ایسی جو اپنے بچہ کو جلتی آگ میں ڈال دے"۔ (صحابہؓ نے عرض کیا) ایسی کونسی عورت ہوگی جو اپنے بچے کو جلتی آگ میں ڈالدے ہرگز نہیں۔ فرمایا جتنی محبت عورت کو اپنے بچے سے ہے حق تعالیٰ کو اس سے زیادہ محبت اپنی مخلوق سے ہے، حق تعالیٰ اس کی حفاظت کرتے ہیں، ہاں تھوڑے دنوں کا یہ امتحان ہے۔ جو فیصلہ کرے حلف وفاداری کرے اس کے مطابق زندگی گذارے اور تھوڑی بہت بھول چوک ہوتی ہے معاف بھی کرتے رہتے ہیں۔ وہاں بھی معافی کا بہت بڑا دروازہ ہوگا۔ لیکن اپنی طرف سے یہ طے ہونا چاہیئے کہ مجھے اس راہ پر زندگی گذارنی ہے اس میں تردد نہ ہو۔

تو ایمان کی حفاظت کے واسطے تقویٰ ہے فرمایا۔ "یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ" اے ایمان والو، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تو یہ ایمان سلامت رہیگا ایمان میں ترقی ہوگی جس قدر زیادہ سے زیادہ آدمی تقویٰ اختیار کرتا ہے قانون خداوندی پر عمل کرتا ہے حق تعالیٰ کے معاصی سے اپنی حفاظت کرتا ہے اسی قدر ایمان قوی اور مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک دفعہ ایک جنگل میں، دوپہر کا وقت سخت ترین گرمی، وہاں تھے۔ ارادہ کیا وہاں کھانا کھانے کا۔ دیکھا کہ ایک شخص بکریاں چرا رہا ہے اس کو فرمایا آؤ بھائی تم بھی میرے ساتھ کھا لو۔ اس نے

کہا صاحب میرا تو روزہ ہے۔ فرمایا تیرا روزہ کیسا؟ رمضان نہیں اور کوئی دن ایسا نہیں کہ اس دن کے روزہ کی خاص طور سے فضیلت آئی ہو مثلاً محرم کی دس تاریخ ہے یا ذی الحجہ کی نو تاریخ ہے یا شعبان کی پندرہ تاریخ ہے۔ ایسی کوئی تاریخ نہیں کیا بات ہے۔ کیوں روزہ رکھا ہے؟ اس سخت گرمی میں۔ اس نے کہا میں تو اپنے ایام خالیہ کو کام میں لا رہا ہوں۔ ایام خالیہ کیا ہے؟ وہ قرآن کریم میں آیا ہے " كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ " کہ اللہ کے فرماں بردار بندوں سے جنھوں نے اللہ کے خاطر بھوک اور پیاس کی مشقت کو برداشت کیا اور جدوجہد کی اللہ کو راضی کرنے کے لئے ان سے کہا جائیگا کھاؤ پیو ان اعمال کی وجہ سے جو ایام خالیہ میں تم نے کئے تھے، ایام ماضیہ میں کئے تھے۔ تو اس نے تشریح کی اس کی کہ آج میرے ذمہ کوئی سخت کام مشقت کا نہیں تھا میرے آقا مولیٰ کی طرف سے، میں نے سوچا خالی دن کو کیوں بیکار ضائع کروں لہذا روزہ رکھ لیا میں نے۔ ان کو اس کا یہ تصور بہت پسند آیا اور وہ قدر دان تھے ہر نیکی کے قدر دان تھے۔ اس سے یوں فرمایا حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ نے، اچھا ایک بکری ہمیں دیدو ہم اس کو ذبح کریں گے تمھیں بھی گوشت دیں گے۔ اس نے کہا صاحب یہ بکریاں میری ملک نہیں میں تو چرواہا ہوں، محافظ ہوں، محافظ کو تو حق نہیں ہے بکریاں دینے کا، مالک کی بکریاں ہیں۔ تو انھوں نے اس کے دل کا اندازہ کرنے کے لئے فرمایا ہر روز بکریاں گنی تھوڑی ہی جاتی ہیں۔ کیا مالک روزانہ بکریوں کو گنتا ہے شناخت کر کر کے، ایک بکری کو تو بھیڑیا بھی لے جاتا ہے، ایک بکری تو کھوئی بھی جاتی ہے اور جب بکریوں کی تعداد زیادہ ہو اس میں ایک بکری کا اس طرح چھپ جانا یا ضائع ہو جانا کچھ بعید نہیں۔ اس نے بڑی حیرت سے سنا انکی بات کو اور کہا " فَأَيْنَ اللهُ " اور اللہ کہاں؟ یعنی اگر میں اپنے مالک کو دھوکہ دیدوں کہ ایک بکری کھوئی گئی، ایک بکری کو بھیڑیا لے گیا، اللہ تو دیکھ رہا ہے وہ تو کہیں نہیں چلا گیا۔ مولیٰ تو یہاں موجود نہیں، اللہ تو موجود ہے۔ جو بکریوں کا مالک ہے وہ تو نہیں دیکھ رہا ہے اللہ تو دیکھ رہا ہے۔ یہ اس کا استحضار تھا۔ حضرت ابن عمرؓ کو بہت پسند آیا اس کے مالک کی تحقیق کر کے اس سے ساری بکریاں خریدلیں اور

اس غلام کو بھی خرید لیا خریدنے کے بعد اس کو اطلاع دی کہ میں نے تمہارے مالک سے تمہاری ساری بکریاں خرید لیں (اس نے کہا) اللہ برکت دے۔ فرمایا میں نے تم کو بھی خرید لیا (اس نے کہا) اللہ اس میں بھی برکت دے۔ پھر فرمایا کہ میں نے تم کو آزاد کر دیا اور یہ بکریاں سب تم کو دیدیں۔ پہلے چرواہا تھا اتنی رعایت تھی کہ ایک بکری بھی نہیں دے سکتا تھا اب وہ مالک ہو گیا مالک ہو کر زندگی گذار رہا ہے۔ اس واسطے ضرورت ہے اسی استحضار کی، اللہ کہاں ہے اللہ تو دیکھ رہا ہے۔

حضرت عمر رضؓ کے دور میں ایک بڑھیا تھی اس کو جذام کا مرض تھا بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کے لئے آتی تو اس سے لوگوں کو اذیت ہوتی پریشانی ہوتی تھی۔ حضرت عمر رضؓ نے اسکو منع فرما دیا تھا کہ تو طواف کرنے کے لئے بیت اللہ میں مت آیا کر، اپنے گھر بیٹھ۔ بیٹھ گئی تعمیل ارشاد کرلی۔ جس وقت میں حضرت عمر رضؓ کا وصال ہوا، بڑھیا کو کسی نے اطلاع کی جس نے تم کو منع کیا تھا ان کا انتقال ہو گیا، اب کوئی حرج نہیں مسجد میں آجایا کر۔ بڑھیا نے جواب دیا، عمر ایسا شخص نہیں تھا کہ اس کی زندگی میں اس کی بات مانی جائے انتقال کے بعد نہ مانی جائے۔ اس واسطے وہ نہیں مانی۔ نہیں آئی بیٹھ گئی۔ یہ فیصلہ کی شان ہوا کرتی ہے۔ بیت اللہ کی فضیلت حاصل کرنے کا اسے بہت شوق تھا لیکن نہیں آئی کیونکہ امیر المومنین نے منع کر دیا تھا۔ فیصلہ کی یہ شان ہوتی ہے۔ جب مومن نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے ماتحت زندگی گذارنی ہے تو اس فیصلہ پر پختگی کے ساتھ قائم رہنے کی ضرورت ہے۔ اور قائم رہنے کی کیا صورت ہے؟ "اِتَّقُوا اللّٰہ" اللہ سے ڈرتے رہو۔

ایک بزرگ سے پوچھا کہ تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ وہ جنگل، کھیت اور باغات، کے حالات سے واقف تھے، انھوں نے بتلایا کہ جس طرح سے جھاڑیاں کھڑی ہوں، خاردار درخت کھڑے ہوں، اتنے اتنے یہاں سے وہاں تک اور آدمی ان کے درمیان میں کو چلتا ہے کپڑوں کو بچا کر چلتا ہے، جسم کو بچا کر چلتا ہے کہ کسی جھاڑی میں اٹک نہ جائے کہیں گر نہ جائے جیسا کہ وہ آدمی چوکنا ہوشیار رہتا ہے کہ پیر رکھتا ہے، ادھر رکھتا ہے کپڑے کو ادھر سے بچاتا ہے ادھر

سے بچاتا ہے۔ یہ تقوے کی ایک حسی صورت ہے اس دنیا میں، اسی طریقہ پر حق تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لئے تقویٰ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ رمضان میں روزہ ہر شخص جانتا ہے وضو کرتے ہوئے غرارہ نہیں کرتا منہ میں پانی لیکر غرغر نہیں کرتا، کوئی شخص کہے کہ ذرا سالن کا نمک چکھ لو تو نمک نہیں چکھتا ڈرتا ہے کہ کہیں روزہ نہ ٹوٹ جائے۔ احکام کی یوں رعایت کی جائے کوئی حکم اسکی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہ" اے ایمان والو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، تقویٰ اختیار کرو گے تو ایمان کا درخت مضبوط ہوگا قوی ہوگا اس کے اوپر برگ و بار آئینگے اس کی شاخیں بہت دور تک پھیلیں گی تمام اعمال صالحہ کی توفیق ہوگی، شعب ایمانیہ سب زندہ ہونگے حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے: "لِکُلِّ شَیْءٍ مَعْدَنٌ وَمَعْدَنُ التَّقْوٰی قُلُوْبُ الْعَارِفِیْنَ" ہر شے کے لئے ایک معدن ہے اور تقویٰ کا معدن کیا ہے، عارفین کے قلوب، عارفین کے قلوب میں تقویٰ ہے وہاں سے ملتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو خزانہ عطا فرمایا ہے تقوے کا، جو شخص ان کے پاس بیٹھتا ہے ان کی بات سنتا ہے اس پر عمل کرتا ہے ان کا اتباع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو تقویٰ عطا فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں صحابہ کرامؓ بیٹھتے تھے ان کی جو کیفیت اس وقت ہوتی تھی اس کو وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ حضورؐ کی مجلس میں بیٹھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا گویا دوزخ اور جنت ہماری نظروں کے سامنے ہے۔ یہ کیا بات تھی بات یہی تھی جیسے کے پاس آدمی بیٹھتا ہے ویسے اثرات ہوتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یقین کتنا قوی تھا کہ کسی وقت یہ چیزیں حضورؐ سے غائب نہیں ہوتی تھیں پاس بیٹھنے والوں پر بھی اس کا اثر پڑتا تھا سیدھی سیدھی بات ہے۔ ایک عورت کا بچہ مرگیا اس کا دل سینہ، غم سے بھرا ہوا اگر وہ پاس آئے پاس بیٹھے تو پاس بیٹھنے والوں کو بتانے کی ضرورت نہیں ہوگی کہ میرے سینہ میں غم ہے بلکہ پاس بیٹھنے والا بھی غمگین ہوتا ہے متاثر ہوتا ہے اس سے بغیر اس کے بتائے، طبیعت کے اندر انسان کے مادہ رکھا ہوا ہے کہ دوسرے کی طبیعت سے مضمون لیتی ہے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم لوگ عادی ہوگئے زبان سے لینے کے، الفاظ سے لینے کر

جو بات الفاظ سے کہی جائے اس سے مضمون کو لیتے ہیں الفاظ تو بہت ضعیف واسطہ ہیں اس میں غلطی کا احتمال قوی ہے، اصل مضمون تو طبیعت سے لینا چاہیئے۔ ایک کی طبیعت کے اندر جو مضمون ہو اس کی طبیعت سے مضمون لینا چاہیئے اسی واسطے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ میں نے خط لکھا سہارنپور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں حضرت کی خدمت میں رہوں کچھ روز آکر دلّی سے، تو انھوں نے جواب میں لکھا کہ تم کو یہاں آنے کی ضرورت نہیں تم کو مجھ سے کچھ حاصل کرنے کے لئے یہاں، وہاں دور، نزدیک سب برابر ہیں جب طبیعت میں رنگ اتنا غالب ہوجائے جسے کہتے ہیں اپنے رنگ میں رنگ لینا، فلاں، فلاں کے رنگ میں رنگا گیا۔ یہی رنگ میں رنگا جانا اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اگر عارفین کے قلوب کے ساتھ یہ تعلق قوی ہوجائے کہ آدمی ان کے رنگ میں رنگا جائے تو یقیناً اس کے قلب میں تقویٰ آئیگا اور اگر تقویٰ اختیار نہ کیا معاصی کا صدور ہوگا جس طرح اعمالِ صالحہ کے ذریعہ سے ایمان میں قوت پیدا ہوتی ہے جیسے پودے میں پانی دیا جاتا ہے اس کی ترقی ہوتی ہے، اعمالِ صالحہ کے ذریعہ سے ایمان میں ترقی ہوتی ہے، اسی طرح اعمالِ سیئہ اور فواحش کی وجہ سے ایمان میں کمزوری پیدا ہوتی ہے ضعف پیدا ہوتا ہے اور ضعف پیدا ہوتے ہوتے یہاں تک کہ برائے نام رہ جاتا ہے اس کے اندر ایمان، اور ایمان کی کوئی علامت رہتی نہیں۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو، اپنے ایمان کو مضبوط رکھو اور مضبوط رکھنے کی صورت یہ ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو " وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ " اور سچوں کے ساتھ ہوجاؤ۔

ایک قافلہ چلا جارہا ہے آدمی اس قافلہ کے ساتھ ہوجائے قافلہ کو جانتا ہے کہ یہ لوگ راستہ سے واقف ہیں ان کا امیر راستہ سے واقف ہے، نشیب و فراز کو بھی جانتے ہیں اور جو خطرات ہیں ان کو بھی جانتے ہیں۔ راستہ میں جہاں کہیں ضرورتوں کی سہولتیں ہیں ان کو بھی جانتے ہیں، ایسے قافلہ کے ساتھ آدمی ہوجائے تو منزلِ مقصود تک اس کے لئے پہنچنا آسان ہے۔ ایک آدمی تنہا یہاں سے چلے حج کرنے کو جائے اس کو کتنی

دشواری پیش آئے گی اور ایک یہ کہ قافلہ کا قافلہ اور اس قافلہ میں بھی ایسے لوگ ہیں جو کئی مرتبہ حج کر چکے ہیں، جانتے ہیں ساری چیزیں، ان کے ساتھ جائے کس قدر سہولت ہوگی۔ ایک شخص غیر مسلم ہے آج کلمہ پڑھتا ہے، اس کو آپ تنہائی میں بیٹھ کر وضو کرنا سکھائیں نماز پڑھنا سکھائیں، مسائل سکھائیں، کتنی دشواری پیش آئے گی اور اگر مسجد میں لے آئیں سب کو وضو کرتے دیکھا سب کو نماز پڑھتے دیکھا بہت جلدی سیکھ جائے گا۔ اس لئے فرماتے ہیں "کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ" صادقین کے ساتھی بن جاؤ۔ صادقین کون لوگ وہ لوگ جن کے قلب میں بھی اللہ نے صدق عطا فرمایا ہے، عقائد حقہ ان کو نصیب، جن پر ایمان کا مدار، جن پر نجات کا مدار، جو اللہ نے آسمان سے نازل فرمائے، جنکو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ایسے عقائد حقہ اللہ کو اس کی ذات وصفات کے لحاظ سے ایسا ہی مانتے ہیں جیساکہ اس کا حق ہے کَمَا هُوَ اَهْلُهٗ۔ اور ان کے اعمال میں بھی صدق ہے، ان کے اخلاق میں بھی صدق ہے، ان کی زندگی میں بھی صدق ہے، ان کی زبانوں پر بھی صدق ہے، ایسے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ تو عقائد حقہ، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ، اقوال صحیحہ ان چیزوں کو اختیار کرو۔ جن لوگوں کے پاس یہ چیزیں موجود ہیں ان کے ساتھ ہو جاؤ انشاء اللہ تقویٰ بھی آجائے گا، انشاء اللہ ایمان بھی قوی ہوگا۔ ایمان کو اختیار کرو اور ایمان کو اختیار کرنے پر تقوے کی کوشش کرو۔ تقوے کے حاصل کرنے کی صورت یہ کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔ صادقین کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تقویٰ اعلیٰ درجہ کا عطا فرمائے گا جس سے ایمان کو قوت ہوگی۔

ایک شخص مثلاً تبلیغی جماعت میں جاتا ہے اس شخص کی عادت یہ کہ بات بات میں گالی دیا کرتا ہے، نماز بھی نہیں پڑھتا، شراب بھی پیتا ہے۔ لوگوں سے لڑتا بھی ہے اُسے اَلحمدُ نہیں آتی ہے، التحیات نہیں آتی، سورتیں نہیں جانتا، تبلیغی جماعت میں گیا اور تبلیغی جماعت میں چالیس روز تک وہ رہا تو دیکھو کتنا بڑا تغیر ہوا اس میں

چالیس روز تک وہ خراب سے بچا رہا، وہ لعنت کا کام جس پر آسمان سے لعنت نازل ہوئی اور جس پر شریعت نے کوڑے کی سزا مقرر کی اس لعنت کے کام سے گھر بیٹھے نہیں بچ سکتا تھا جب صادقین کے ساتھ میں گیا تو چالیس روز تک لعنت کے کاموں سے بچا رہا، گالی دینے سے بچا رہا، جھوٹ بولنے سے بچا رہا، حدیث میں آتا ہے کہ جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے میلوں دور چلا جاتا ہے۔ تو رحمت کے فرشتے دور ہو جائیں ایسی چیز میں رات دن مبتلا تھا جب چالیس روز تک سفر میں رہا تبلیغی جماعت کے ساتھ رہا تو اللہ تبارک و تعالےٰ نے اس کو محفوظ رکھا چالیس روز تک گالی نہیں دی۔ چالیس روز تک اس نے وضو کیا، نمازیں پڑھیں، کسی نماز کو قضا نہیں کیا۔ اگرچہ ساتھ والوں کو اس کی وجہ سے کچھ پریشانی بھی لاحق ہوئی لیکن بھائی ساتھ والے تو لے ہی جاتے ہیں اس لئے کہ اس کی ساری ناز برداری کرینگے ساری پریشانی برداشت کریں گے اس کی۔ یہ برکت کاہے کی ہے، یہ چالیس روز تک صادقین کے ساتھ رہنے کی برکت ہے۔

میرے محترم بزرگو اور دوستو! اللہ تبارک و تعالےٰ نے بہت بڑی جماعت کو یہاں پر بھیجدیا، ہم نہیں جانتے اس جماعت میں کون اللہ کے نزدیک کس مرتبہ کا ہے۔ ہمارے اندر آنکھیں نہیں ہیں دیکھنے کو کہ ہم اللہ تبارک و تعالیٰ کے مقرب بندوں کو پہچان سکیں۔ کس کا درجہ اللہ کے یہاں کیا ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے بھیجدیا۔ اور ہمارا گمان ہے کہ انشاء اللہ یہ "صالحین" کی جماعت ہے ایک مہینہ "صالحین" صادقین" کے ساتھ رہ کر انشاء اللہ تعالیٰ قلوب کی بھی اصلاح ہوگی، اخلاق کی بھی اصلاح ہوگی، اعمال کی بھی اصلاح ہوگی۔ جو خراب عادتیں ہیں اللہ تعالےٰ اس سے بھی حفاظت فرمائیں گے۔ اس واسطے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کا ایک نمونہ یہ ہے۔ پہلے بزرگوں کے یہاں ہوتا تھا کہ چلّے کرایا کرتے تھے اور بڑے بڑے مجاہدے کرایا کرتے تھے۔ کسی کسی عمل کے متعلق چالیس روز تک تاکید تھی کہ ایسا کرو، مثلاً ایک شخص کے مزاج میں تکبر بہت ہے اپنی بڑائی ہر وقت کرتا ہے حالانکہ تکبر کے متعلق حدیث پاک

میں آتا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا اس کو دوزخ کی آگ میں جلا جلا کر تکبر نکالا جائیگا تب وہ جنت میں جانے کے قابل ہوگا، اس سے پہلے وہ جنت میں جانے کے قابل نہیں حدیث میں موجود ہے حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ "بڑائی میری چادر ہے جو شخص بڑائی کا دعویٰ کرتا ہے میری چادر چھین رہا ہے۔ اللہ کی چادر کوئی چھیننا چاہے تو اس کا کوئی ٹھکانا ہے۔ اس واسطے کسی شخص سے تکبر کے سلسلہ میں کسی بزرگ نے تجویز فرمائی کہ خانقاہ کے لوگوں کے جوتے سیدھے کرو۔ اب وہ بڑائی ساری کی ساری رکھی رہ گئی۔ لوگوں کے جوتے سیدھے کر رہے ہیں کسی سے فرمایا کھڑے ہو کر ہر نماز کے بعد اعلان کیا کرو کہ "حضرات" میرے اندر تکبر کی بیماری ہے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے نجات عطا فرمائے۔ غرض یہ چیزیں تجویز کرنے والوں کے اختیار کی ہیں وہ جس کے لئے جو علاج مناسب سمجھیں تجویز فرمایا کرتے ہیں ہم کو اپنی رائے سے تو کوئی دخل دینا نہیں ہے ہمارا کام تو یہ ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو سپرد کر دیا ہے کہ جو کچھ ہمارے لئے تجویز ہوگا ہم اس کو اختیار کریں گے جیسے آدمی ہسپتال میں داخل ہو جاتا ہے تو پرہیز، علاج، دوا، جو کچھ ہے ڈاکٹر کی رائے سے ڈاکٹر کے مشورہ سے، نہ بغیر ڈاکٹر کی رائے کے کوئی چیز کھا سکتا ہے نہ پی سکتا ہے نہ چل پھر سکتا ہے، نہ کہیں جا سکتا ہے اس لئے جس طرح ڈاکٹر کی نگرانی پورے طور پر ضروری ہے اور آدمی یوں سمجھتا ہے کہ میری صحت اسی میں ہے۔ آدمی بڑے بڑے آپریشن کے لئے تیار ہو جاتا ہے اپنے آپ کو پیش کر دیتا ہے ڈاکٹر کو، کیونکہ ڈاکٹر پر اعتماد کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میرا خیر خواہ ہے میری بیماری کو دور کرنے کے لئے کوشش کر رہا ہے اگرچہ مجھے تکلیف ہوگی مگر میری خیر خواہی کے لئے پس اگر عادت کے خلاف کچھ چیزیں ایسی ہیں جنکو برداشت کرنے میں تکلیف اور پریشانی لاحق ہو تو خندہ پیشانی سے اس کو برداشت کرنے کی ضرورت ہے کہ ہمارے مصلح نے ہمارے واسطے تجویز کیا۔ حق تعالیٰ نے ہمارے اوپر بہت کرم فرمایا کہ ہم کو یہاں تک پہنچا دیا اور ایسے شفیق معالج کو ہمارے واسطے تجویز فرمایا ان کی ہر تجویز کو خوشی خوشی کے ساتھ اختیار کرنا چاہئے اور سمجھنا چاہئے کہ ہمارا نفع اسی میں ہے ایک بزرگ تھے ان کے یہاں خانقاہ تھی

ایک صاحب اس خانقاہ میں "قربِ نوافل" کے مقام پر تھے "قربِ نوافل" کے مقام میں اللہ تعالیٰ بندے کو ایک چیز عطا فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جو کچھ وہ بولتا ہے میرے ذریعہ سے بولتا ہے، یعنی آدمی نوافل پڑھتے پڑھتے نفلی اعمال کرتے کرتے اللہ کا اس قدر مقرب بن جاتا ہے کہ اس کی زبان پر وہی چیز جاری ہوتی ہے جو حق تعالیٰ کو پسند ہو جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہو اس کی زبان بولتی ہی نہیں۔ فرماتے ہیں میں بندے کا پیر بن جاتا ہوں میرے ذریعے سے چلتا ہے یعنی بندہ اس راستہ پر چلتا ہے جس راستہ پر چلنا حق تعالیٰ کو پسندیدہ ہو اور جس راستہ پر چلنا حق تعالےٰ کو پسندیدہ نہیں بندہ اس راستہ پر نہیں چلتا اور پھر اس میں یہ بھی ہوتا ہے کہ بسا اوقات آدمی جو کچھ کہتا ہے وہی ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ وہ صاحب لیٹے ہوئے سو رہے تھے کوئی شخص آیا اور جا رہا تھا سامنے۔ اس کو ٹھوکر لگ گئی ان کے، چونکہ سوتا ہوا آدمی غافل ہوتا ہے اس کی ٹھوکر سے نیند کھلی اور فوراً غصہ میں آ کر وہ کہتا ہے تو اندھا ہے! بس یہ کہنا تھا کہ وہ نابینا ہو گیا۔ نابینا ہو گیا بڑی پریشانی۔ ان کے شیخ کو اطلاع کی گئی کہ صاحب یہ ہوا شیخ نے فرمایا اچھا۔ ان سے مطالبہ کیا کہ ایسا تم نے کیوں کہا؟ جواب دیا کہ صاحب غصہ آ گیا تھا۔ کہا۔ اچھا تو علاج ہے۔ جو حضرت تجویز فرمادیں۔ بہت اچھا۔ ان کا وضوء، نماز، استنجاء، قضاءِ حاجت سب تمہارے ذمہ ہے۔ قضائے حاجت کے واسطے ان کو لیکر جایا کرو، وضوء کے واسطے لیکر جایا کرو، نماز کے واسطے لیکر جایا کرو۔ اور ان کو بھی بتا دیا کچھ۔

چنانچہ ان صاحب نے تو جو قربِ نوافل کے مقام میں تھے نماز تہجد کی نیت باندھی اور وہ جناب لیٹے لیٹے نابینا صاحب کہہ رہے ہیں مجھے استنجے کے لئے جانا ہے۔ اب جلدی جلدی اپنی نماز پوری کرتے ہیں اور اس کو لے کر جاتے ہیں۔ ذکر کے لئے بیٹھتے ہیں تو وہ کہتا ہے مجھے وضو کرائیے۔ غرض جو اُن کے معمولات تھے جن سے ان کو قلبی انس ہو چکا تھا جن کا چھوٹنا ان کے لئے بہت زیادہ گرانی کا باعث تھا، ان کا پورا کرنا دشوار ہو گیا۔ جب دیکھ لیا کہ پوری اصلاح ہو گئی تو فرمایا ان بزرگ نے کہ اچھا معلوم کر کے جہاں وہ لیٹے ہوئے ہیں زور سے ٹھوکر

مار کر گر پڑنا، چنانچہ اس نے جا کر ٹھوکر ماری اور گر پڑا۔ اب یہ اٹھے سونے سے، ارے بھائی آنکھ کھول کے چل، آنکھ کھول کے چل۔ بجائے یہ کہنے کے کہ "اندھا ہوگیا ہے" یہ کہا کہ "آنکھیں کھول کے چل، آنکھیں کھول کے چل"۔ اللہ نے آنکھیں کھول دیں اس کی۔

اسواسطے یہاں اجتماعی حیثیت میں بہت بڑا فائدہ، اصلاحِ اخلاق کا ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے سامنے کسی شخص کا تذکرہ آیا۔ پوچھا کیسا آدمی ہے وہ، تو ایک آدمی نے کہا "صاحب بڑا اچھا ہے۔ وہ بہت اچھا آدمی ہے۔" آپ نے پوچھا تم نے کبھی اس کے ساتھ سفر کیا ہے؟ نہیں اس کے پڑوس میں رہتے ہو؟ نہیں۔ لین دین کا معاملہ کیا ہے؟ نہیں۔ کہا تم نہیں جانتے "لَعَلَّكَ رَأَيْتَهُ يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ" شاید تم نے اسے نفلیں پڑھتے دیکھا ہو، اسوجہ سے کہدیا کہ بہت اچھا ہے۔ تو آدمی کی شناخت کے تین موقعے ہیں۔ (۱) یا تو سفر ساتھ ہو، جہاں ساری چیزیں طبیعت کے خلاف ہوتی ہیں وہاں برداشت کرے آدمی۔ (۲) یا پھر پڑوس میں رہتا ہو کہ رات دن کے حالات سامنے ہوں پڑوسیوں کو معلوم ہوتا ہی ہے کیا حال ہے۔ (۳) یا پھر لین دین کا معاملہ ہو جس سے دیانت اور ایمانداری کا پتہ چلتا ہے۔ اس واسطے یہ جو اجتماع ہے، اس اجتماع میں ایک جگہ پر رہنا اس میں اخلاق کی بڑی اصلاح کا موقعہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

بس آیت کا حاصل اتنا ہی ہے کہ اے وہ لوگو جو فیصلہ کر چکے ہو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے ماتحت ہم اپنی زندگی گذاریں گے۔ اس کی کیا صورت ہے؟ اسکی صورت یہ ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ کیسے آئیگا، صادقین کے ساتھ میں ہو جاؤ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہاں یہ سب چیزیں عطا فرمائی ہیں، اس کا کرم ہے فضل ہے، اس کی قدر کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ قدر کی توفیق عطا فرمائیں۔

مُحبّتِ حق تعالیٰ کی علامت

بمقام خانقاہ محمودیہ

ریٹ فنیٹن، یامریج، نٹال نسوال، ساؤتھ افریقہ

بتاریخ ۵ ذوالقعدہ ۱۴۱۲ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمدللہ، الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہٗ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ ارسلہٗ بالحق بین یدی الساعۃ بشیراً ونذیراً من یطع اللہ وَرَسُولَہٗ فقد رشد ومن یعص اللہ ورسولہٗ فانہ لا یضر الا نفسہٗ ولا یضر اللہ شیئاً۔ امّا بعد! اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ.

اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے ارشاد فرمایا اپنے پاک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ کہہ دیجیے، اعلان فرما دیجیے، سب لوگوں کو سمجھا دیجیے، اگر تم اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم کو محبوب بنالیں گے، تمہاری خطاؤں کو معاف کر دیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا مخلوق کو اپنے خالق سے محبت ہوتی ہی ہے، جو خالقِ حقیقی جل شانہٗ ہے وہ تو بہت بالاتر ہے۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو اپنی ماں سے محبت ہوتی ہے۔

یہ محبت فطری اور طبعی ہوتی ہے۔ بسا اوقات ماں بچہ کو مارتی بھی ہے لیکن پھر بچہ ماں کو لپٹتا ہے جاکر، وہ دھکا دیتی ہے پٹائی کرتی ہے۔ بچہ روتا ہے پھر جاکر ماں ہی کو لپٹتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ماوی و ملجا میرا جو کچھ ہے وہ ماں ہی ہے۔ انسان تو انسان جانوروں میں بھی یہ بات ہے۔ ہر بچہ اپنی ماں کے پاس جاتا ہے یہ اس کی ابتدائی فطرت ہے طبیعت ہے۔ آہستہ آہستہ بڑا ہوتا جاتا ہے دوسرا ماحول اس کے سامنے آتا جاتا ہے اور دوسروں کے اثرات اس پر پڑتے ہیں۔ اور جو احتیاج اپنی ماں کی طرف سمجھتا تھا وہ احتیاج کم ہوتی جاتی ہے۔ پہلے تو یہ تھا کہ ماں دودھ پلاتی تھی اب تو خود بھی کھانے کے قابل ہوگیا ماں کی کچھ حاجت نہیں رہی، اس قسم کی چیزیں آتی جاتی رہتی ہیں اور حقیقی علم کی کمی کی وجہ سے ماں کی محبت کم ہوتی جاتی ہے لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت عطا فرمائی ہے یقین سے نوازا ہے، اپنے حقیقی علم سے نوازا ہے اس کی طبیعت سے ماں کی محبت کم نہیں ہوتی، باوجودیکہ ماں اب اس کو دودھ نہیں پلاتی ماں اس کو اب کپڑے نہیں پہناتی، ماں اس کو نہلاتی نہیں، ماں اس کو کھانا پکاکر نہیں دیتی، وہ خود اپنا انتظام کرتا ہے۔ لیکن اللہ نے اپنا ایک حقیقی علم اس کو عطا فرمایا ہے اس علم کی وجہ سے ماں کے حق کو پہچانتا ہے۔ جوں جوں علم زیادہ ہوتا جاتا ہے، عمر زیادہ بڑھتی جاتی ہے ماں کی قدر و منزلت بڑھتی جاتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ اس لئے ماں کا احترام کرو۔ باپ کی رضامندی میں حق تعالیٰ کی رضامندی ہے۔ باپ کی ناراضگی میں حق تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔ یہ چیزیں شواہد اس کو ملتی جاتی ہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا ذریعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس جس کے جو جو حقوق متعین کئے ان کو ادا کئے جائیں، اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں۔

اس تصور کے تحت حق تعالیٰ کو راضی کرنا کہ یہ حق تعالیٰ ہی کو راضی کرنے کے لئے ہے۔
ماں باپ سے فطری محبت طبعی تعلق ہوتا ہے۔ اور آگے بڑے ہو کر خراب ماحول میں پڑ کر علم حقیقی سے ناواقفیت کی بنا پر بسا اوقات وہ تعلق کم ہوتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ آدمی ماں باپ کا دشمن ہو جاتا ہے بعض دفعہ۔ اور دشمن ہو کر ماں باپ کو پریشان کرتا ہے، ستاتا ہے، خاص کر جبکہ ماں باپ کے پاس دولت موجود ہوتی ہے، تو کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح سے ماں باپ سے یہ دولت حاصل کرلے۔ بعض دفعہ زہر دینے تک بھی آمادہ ہو جاتا ہے۔ لیکن جو شخص اپنے باپ کو قتل کر دیتا ہے اس واسطے تاکہ اس کی میراث اس کو مل جائے۔ شریعت نے اس کو محروم کر دیا۔ اس کو میراث نہیں ملتی وہ محروم ہوگا۔ باپ کے مرنے کے بعد اس کو میراث مل جاتی لیکن جس نے اپنے باپ کو قتل کر دیا۔ قتل کرنے کی وجہ سے باپ کی میراث سے محروم ہو گیا۔
تو ماں باپ سے گہرا تعلق ہوتا ہے، حالانکہ وہ اس کا خالق نہیں اصل خالق اللہ تعالیٰ ہیں۔ جب ماں باپ سے اتنا تعلق ہوتا ہے تو حق تعالیٰ سے کتنا تعلق ہوگا۔ حق تعالیٰ سے اس سے زیادہ تعلق ہوگا۔ ہر مخلوق کو اپنے خالق سے تعلق اور محبت ہے۔ اور یہ محبت فطری اور طبعی ہوتی ہے۔ اور جتنا جتنا خالق کے احسانات کو دیکھتا جاتا ہے، مشاہدہ کرتا جاتا ہے، خالق کے انعامات کو اپنے اوپر دیکھتا جاتا ہے، مشاہدہ کرتا ہے اُسی قدر وہ محبت زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس محبت کا شکریہ ادا کرنے کے لئے، اس محبت کے اظہار کے واسطے طور طریقے مختلف ہیں۔ کسی نے کوئی طریقہ اختیار کیا، کسی نے کوئی طریقہ اختیار کیا۔ اب ان میں حق اور ناحق کی شناخت کے واسطے یہ آیت نازل فرمائی۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ
اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو، اللہ کے احسانات تمہارے اوپر ہیں، تم کو اس کا اعتراف ہے کہ تم اس کے انعامات میں گھرے ہوئے ہو تو اس کی محبت و شکریہ کے

ظہار کا طریقہ کیا ہے فَاتَّبِعُوْنِیْ میرا اتباع کرو یعنی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے، یہ علامت ہے اس کی کہ ہاں تمہارا راستہ صحیح ہے۔ اور اگر حق تعالیٰ کی محبت کے اظہار کے واسطے تم نے کوئی دوسری صورت اختیار کی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے خلاف ہے تو وہ اللہ کو پسند نہیں۔ مثلاً یہود نے کہنا شروع کیا تھا عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰہِ۔ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔ ان کی اتنی بڑائی بیان کی، اتنی بڑائی بیان کی کہ اُن کو ان کی حد سے بہت اونچا کر دیا۔ ان کی پرستش کرنے لگے۔ حالانکہ پرستش صرف خدا تعالیٰ کا حق ہے اور کسی کا حق نہیں۔ تو کسی مخلوق کو خالق کے درجہ پر پہونچا دینا یہ اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ نہیں۔ یہ تو اللہ کے غصہ اور ناراضگی کا ذریعہ ہے، مگر انھوں نے بھی یہی کہا تھا کہ ہم حضرت عزیر علیہ السلام کی اتنی بڑائی بیان کرتے ہیں۔ اس واسطے کہ یہ اللہ کے محبوب بندے ہیں اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری سفارش کریں گے۔ تو حقیقت میں حق تعالیٰ کی محبت اور تعلق کا ثمرہ ہے جو ہم نے اختیار کیا۔ اسی طرح سے نصاریٰ نے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنا شروع کیا بلکہ اُن کو الٰہ کہنا شروع کیا، ان کی پرستش کرنے لگے، ان سے پوچھا گیا ایسا کیوں کرتے ہیں تو انھوں نے بھی یہی جواب دیا کہ حق تعالیٰ ہمارے خالق ہیں۔ مخلوق کو اپنے خالق سے محبت ہوتی ہے۔ اس خالق کی محبت کی خاطر ہم حضرت مسیح علیہ السلام کو اس نگاہ سے دیکھتے ہیں، ان کی پرستش کرتے ہیں تاکہ بارگاہِ الٰہی میں ہماری سفارش کردیں۔ ادھر عرب کے مشرکین تھے جو اپنے ہاتھوں سے بُت بناتے تھے، ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے، ان سے پوچھا گیا تم ایسا کیوں کرتے ہو تو انھوں نے بھی یہی کہا تھا کہ درحقیقت ہمارا خالق اللہ ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ ان سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ کہتے تھے اللہ نے پیدا کیا۔ تو خالق اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے اور کہتے تھے

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللهِ زُلْفٰى. ہم ان کی پرستش اس لئے کرتے ہیں تاکہ اللہ کی بارگاہ میں ہم کو قریب تر کر دیں، اللہ کی بارگاہ میں سفارش کر دیں. غرض ہر ایک کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم کو حق تعالیٰ کی محبت ہے اور اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے جو طریقے اختیار کر رکھے تھے وہ طریقے غلط تھے. حق تعالیٰ نے فرمایا یہ طریقے ان کے اپنی طرف سے تجویز کئے ہوئے ہیں ہمارے بتائے ہوئے نہیں. بھئی جس سے محبت ہوتی ہے محبوب سے پوچھو تو کس بات پر خوش ہیں کس بات پر خوش نہیں. محبوب کو آرام اور راحت پہونچانے کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا جو در حقیقت ناخوشی کا باعث ہے. یہ تو غلط طریقہ ہے. پہلے معلوم کرو کہ محبوب کس بات سے خوش ہوتا ہے. جس بات سے محبوب خوش ہوتا ہے اس کو اختیار کرو. جس بات سے اللہ خوش نہ ہو وہ بات اختیار کرنا غلط ہے. وہ ان کی خوشی کا ذریعہ تھوڑے ہی ہے بلکہ تمہارے لئے غصہ کا ذریعہ ہے یہ. لہٰذا حق تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے جو طریقہ اللہ کو پسندیدہ ہو یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو. بظاہر اس دنیا میں رہتے ہوئے اگر کسی شخص نے اپنے محبوب کے خلاف کوئی طریقہ اختیار کیا جو اس محبوب کو ناپسند ہے تو وہ محبوب کا محب نہیں کہلائے گا، وہ تو مخالف کہلائے گا جو بات نہ مانیں اس کی مرضی کے خلاف کرے وہ محب کہاں ہے وہ تو مخالف ہے. حدیث پاک میں ایک واقعہ آیا ہے. حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ، کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنایا، حاکم بنایا، ان کو رخصت کیا اس طریقہ پر کہ ان کو اونٹ پر سوار کرا دیا خود پیدل چلے ساتھ ساتھ. ظاہر ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم تو پیدل چلیں اور اُن کا ادنیٰ خادم اونٹ پر سوار ہو کس قدر بوجھ ہوا ہوگا ان کی طبیعت میں. لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہی تھا، آپکی خوشی یہی تھی. انھوں نے اپنی خوشی کو ماتحت کر دیا حضورؐ کی خوشی کو اختیار کیا. لہٰذا یہ سوار

،ی ہو گئے ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نصیحتیں کرتے ہوئے گئے۔ تو دیکھنا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس سے خوش ہوتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھنا ہے کہ ہمارے نزدیک کیا چیز بڑھیا ہے کیا چیز ہلکی ہے۔ ہمارے نزدیک تو بظاہر یہی چیز بڑھیا ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سوار ہوں اور خادم پیدل چلے ساتھ۔ لیکن جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی منظور ہے، ان کی خوشی یہی ہے کہ خود پیدل چلیں دوسرے کو سوار کریں تو اسی صورت کو اختیار کرنا چاہیے۔ جیسے کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ، نے اختیار کیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جس وقت میں مسیلمۃ الکذّاب سے جہاد ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے زمانہ خلافت میں، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، کو سپہ سالار بنایا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، نے بھی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، کو سوار کرایا۔ اور خود پیدل چلے دور تک نصیحتیں کرتے ہوئے، ایسا کرنا، ایسا کرنا، ایسا کرنا۔ ظاہر ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، بہت چھوٹا سمجھتے تھے اپنے کو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ، سے۔ اس لئے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کا تو وہ مقام ہے جو کسی کو بھی نبیوں کے بعد حاصل نہیں۔ خیر البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ابو بکر ن الصدیق رضی اللہ عنہ جمعہ کے خطبہ میں سُنتے ہوں گے۔ تمام امت کا ایمان اگر ترازو کے ایک جانب میں رکھا جائے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، کا دوسری جانب میں رکھا جائے تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کا ایمان زیادہ ہوگا۔ یہ حدیثِ پاک کا مفہوم ہے۔ اس کے باوجود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، کو سوار کرایا اور خود پیدل چلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اسی میں تھا انھوں نے اِسی کو پسند کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔ لہٰذا خود بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، نے بھی کوئی تکلف نہیں کیا۔ بہت اچھا جس طرح

سے آپ فرماتے ہیں اس طرح سہی ؎

چوں تماں خواہد زمن سلطانِ دیں   خواہد بر فرق قناعت بعد ازیں

جب سلطانِ دین ہم سے طلب فرمائے کہ ایسا کرو تو ہمیں ایسے ہی کرنا چاہیے۔ اسکے خلاف ہمارے پاس سو دلیلیں ہیں سو خواہش ہوں سب کو قربان کر دینا چاہیے۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد بڑے ہی ہے درحقیقت گر کی بات، اور پھر اسی طریقہ پر جس وقت جنگِ قادسیہ ہوئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، کے دَورِ خلافت میں اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، کو سپہ سالار بنایا اور ان کو سوار کرایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، دور تک ان کو ہدایتیں دیتے گئے، نصیحتیں کرتے گئے اس طرح سے کرنا، اس طرح سے کرنا، اس طرح سے کرنا، اس لئے کہ ان سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے ایسا کیا تھا۔ اور اُن سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا تھا۔ حدیثِ پاک میں یہ بھی موجود ہے عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ۔ تم میری سُنّت کا اتباع کرو اور میرے خلفاءِ راشدین کی سنت کا اتباع کرو۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ مبارک کو جس طرح سے خلفاءِ راشدین نے دیکھا اور سمجھا اور عمل کیا ہمارے لئے ایک مستقل حیثیت کی چیز ہے۔ اتباع کرنے کا اس میں ہمیں حکم ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، کے درمیان بھی کتنا بڑا فرق تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، امیر المومنین بھی تھے اور ان کے لئے خاص طور پر تمغہ بھی ہے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا کہ جس راستے پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، چلتے ہیں شیطان اس راستہ سے نہیں چلتا۔ اتنی بڑی شان تھی ان کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ حَيْثُ دَارَ عُمَرُ۔ اے اللہ جس طرف کو عمر چلتے ہیں حق کو اسی طرف چلا اَلْحَقُّ يَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ رض حق ناطق ہے عمر کی زبان۔ کتنی آیتیں قرآن پاک

میں ایسی ہیں اوّلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مشورہ دیا، ایک رائے پیش کی اسی کے موافق قرآن پاک کی آیت نازل ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی حضور کیا اچھا ہوتا کہ مقام ابراہیم پر آپ مصلیٰ بنا کر نماز پڑھتے۔ آیت نازل ہوئی وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى۔ اسی طرح سے اور بھی متعدد آیتیں ہیں۔ غرض حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی یہ نہیں دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پیدل چل رہے ہیں میں سوار۔ ٹھیک ہے ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا منشاء یہی ہے۔ لہٰذا اپنی پوری زندگی کو تلاش کرکے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کس بات میں ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ارشاد ہے؟ کیا عمل ہے؟ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو عمل ہو وہی ہمارے لیئے کار آمد ہے وہی ہمارے لیئے خوشنودی کا ذریعہ ہے۔ اس لیئے فرماتے ہیں قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي تم کو اللہ کی محبّت کا دعویٰ ہے تو میرا اتباع کرو۔ میرا اتباع نہیں تو دعویٰ صادق نہیں۔ کیونکہ اللہ سے محبت تو ہر ایک کو ہے مگر کیفیت ایسی ہے جیسے کہ آگ کی چنگاری ہے اس کے اوپر راکھ پڑی ہوئی ہے جس کی وجہ سے آگ کا خاص اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ نہ وہ کسی چیز کو جلانے کا کام کر رہی ہے نہ پکانے کا کام کر رہی ہے نہ اس سے کوئی فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اس واسطے کہ راکھ کے اندر دبی ہوئی ہے، اگر ہوا چلے یا کوئی اللہ کا بندہ پہونچکر اس راکھ کو ہٹا دے تو پھر آگ کی چنگاری اسی طریقہ سے روشن ہوگی، اس سے سب کام لیا جا سکتا ہے۔ یہی حال ہے کہ محبّت کی چنگاری ہر ایک کے قلب میں ہے اپنے خالق کی طرف سے لیکن ماحول کے تعلقات اور ماحول کے اثرات کی راکھ اس کے اوپر پڑی ہوئی ہے۔ اہل اللہ کی صحبت میں آدمی پہونچتا ہے وہاں کی ٹھنڈی ہوا چلتی ہے پھر وہاں سے وہ راکھ ہٹتی ہے، توجہ سے ہٹتی ہے، محنت سے ہٹتی ہے پھر وہ چنگاری بڑھتی ہے بہت کچھ کار آمد ہوتی ہے قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي میرا اتباع کرو۔

یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ. نتیجہ کیا ہوگا اس کا؟ تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ جس سے محبت کرانا مقصود ہو اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی خود اس سے محبت کرنے لگے۔ آدمی یہ چاہتا ہے کہ میرے شیخ مجھ سے محبت کریں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ شیخ سے محبت کرے اور محبت کرنے کی علامت یہ ہے کہ جو کچھ شیخ کی منشاء کے مطابق ہو اس طریقہ پر زندگی گذارے۔ شیخ کا منشاء یہ ہو کہ اتباع سنت کے ساتھ ہی زندگی گذارے تو آدمی سارے اثرات اور سارے ماحول کے تعلقات پر غالب کردے اس بات کو کہ میں تو شیخ کی ہر منشاء کے مطابق کروں گا۔ شیخ نے فرمایا کہ فلاں ذکر کیا کرو فلاں وظیفہ پڑھا کرو، فلاں شخص سے نہ ملو، فلاں جگہ پر مت جاؤ، تنہائی میں بیٹھو، زبان سے زیادہ مت بولو، ادھر اُدھر مت دیکھو۔ یہ چیزیں شیخ نے کہی ان چیزوں پر وہ شخص عمل کرے گا تو شیخ خوش ہوں گے شیخ مسرور ہوں گے۔ جب مسرور ہوں گے شیخ تو محبت کریں گے۔ تو جو شخص کسی سے محبت کرنا چاہتا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے محبت کرنا چاہیے۔ آدمی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کریں اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ سے محبت کرنے لگے۔ اور اس کے نتیجہ میں کیا ہوگا اللہ تعالیٰ بھی محبت فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی اپنی مخلوق سے محبت ہے، زبردست محبت ہے اس محبت کو کوئی برداشت کر ہی نہیں سکتا۔ جتنی اللہ تعالیٰ کو محبت ہے۔ لیکن اس محبت کا ظہور اس دنیا میں مختلف طریقوں سے ہوتا ہے اور آخرت میں مختلف طریقوں سے ہوتا ہے۔ لہٰذا جب اللہ سے محبت کرے گا آدمی تو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کریں گے۔ دوسرے یہ کہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوا کرتا ہے۔ حق تعالیٰ کے محبوب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے گا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے محبت ہوگی۔ اس طریقہ پر وہ اللہ کا بھی محبوب بن جائیگا۔ فرماتے ہیں یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے تم کو محبوب بنالیں گے۔

وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ اللہ تعالیٰ کی شان تو یہی ہے کہ وہ غفور ہیں رحیم ہیں۔ آدمی ذرا بڑھے تو صحیح اُدھر کو۔ مغفرت طلب کرے درخواست کرے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ، رَبِّ اغْفِرْلِیْ، رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا۔ جگہ جگہ قرآن پاک میں یہ صیغے موجود ہیں۔ مغفرت کی درخواست ہے، دعا کرے، اللہ تعالیٰ دعا کو قبول کرتے ہیں۔ چونکہ یہ دعا ہے اور قرآن پاک میں ہے اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول کرونگا جب بندہ دعا کرتا ہے کہ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا تو حق تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کرتے ہیں۔ جب بندہ حق تعالیٰ کی طرف کو چلتا ہے تو حق تعالیٰ اس کو اُٹھا لیتے ہیں اپنی طرف۔ جیسے ایک چھوٹا بچہ ایک صاحب کی گود میں ہے۔ اِدھر سے میں کہتا ہوں آجا میرے پاس اُدھر سے آپ کہتے ہیں آجا میرے پاس۔ بچہ کے اندر طاقت نہ میرے پاس آنے کی نہ آپ کے پاس آنے کی۔ اتنا کمزور ضعیف ہے چھوٹا بچہ ہے لیکن میری طرف دیکھ کر ذرا وہ مسکرایا لب کھولے اس نے اور ذرا اشارہ کیا۔ میں فوراً اُٹھا، گود میں لے لیتا ہوں کہ میرے پاس آئے۔ اسی طریقہ پر جب بندہ حق تعالیٰ کی طرف چلتا ہے تو حق تعالیٰ کی رحمت اسی طرح اس کو اٹھا لیتی ہے۔ جس جگہ پر بندہ چل نہیں پاتا طاقت نہیں لیکن چلنے کا ارادہ کرتا ہے، چلنے کا اشارہ کرتا ہے، رحمتِ حق بہت بڑی مدد کرتی ہے اس کو آسان کر دیتی ہے، اس کے لئے چلنے لگتا ہے وہ۔ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ بندہ جب مغفرت کی دُعا کرتا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں گے۔ لیکن دعا تو کرے۔ دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ قلب کو حاضر کر کے دعا کرے۔ چونکہ حدیث پاک میں ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبَلُ الدُّعَاءَ عَنْ قَلْبٍ لَاہٍ اَوْکَمَا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

قلب کی دعا اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے اور یہ ظاہر بات ہے کہ ایک شخص اگر دیوانہ ہے وہ آواز دے رہا ہے کسی کو، مگر وہ تو دیوانہ ہے کسی خاص ارادہ اور کسی نیت سے نہیں۔ کوئی بھی اس کی آواز کی طرف توجہ نہیں کرتا، جانتے ہیں کہ یہ تو پاگل

ہے، کرتا ہی ایسا ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص دل میں نیت رکھتے ہوئے بلاتا ہے، تو آپ اس کی طرف ضرور متوجہ ہوں گے۔ دیوانہ پکارے گا تو کوئی جواب نہیں دیگا۔ کیونکہ اب اس کی نیت کا کوئی اعتبار ہی نہیں رہا۔ ہر جانے والے کو پکار رہا ہے، ہر مخلوق کو پکار رہا ہے۔ اس کی زبان پہ جو لفظ آجاتا وہ بول لیتا ہے۔ تو جو شخص قلبِ حاضر کے ساتھ دعا نہیں کرتا خالی زبان سے کرتا ہے اس کی دعا اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتے۔ اسی طرح سے حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ بسا اوقات بندہ سفر میں ہے بال اس کے بکھرے ہوئے ہیں یعنی اس کے پاس سر کو ٹھیک کرنے کے لئے نہ تیل ہے نہ کنگھا ہے گرد و غبار اس کے اوپر پڑا ہوا ہے، پریشان حال ہے اور جناب وہاں کھڑے ہو کر دعا کرتا ہے۔ یارب یارب پکارتا ہے، حق تعالیٰ کو، اپنے رب کو پکارتا ہے لیکن مَأْكَلُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ۔ تو دعا کے قبول ہونے کے واسطے یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی حلال روزی کھائے، حلال روزی پہنے حلال لباس استعمال کرے حرام چیز سے بچے۔ اور اگر سر سے پیر تک حرام میں ملوّث ہے باہر بھی حرام اندر بھی حرام، خداوند تعالیٰ کی تو نافرمانی اتنی کر رکھی ہے۔ اس سے تو قلب ویسے ہی تاریک ہو جاتا ہے، قلب متوجہ ہی نہیں ہوتا، حاضر ہی نہیں ہوتا۔ زبان سے چاہے کہتا ہے لیکن قلب متوجہ نہیں، قلب کی توجہ تو حلال روزی سے حاصل ہوتی ہے۔ حلال روزی آدمی حاصل کرے گا تو قلب کے اندر توجہ پیدا ہو گی۔ اور پھر دعا کے واسطے یہ ضروری نہیں کہ جو کچھ مانگا ہے فوراً اسی وقت مل جائے بلکہ مشائخ نے لکھا ہے دعا کے قبول ہونے کی چند صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ جو چیز اللہ سے مانگی، جب مانگی جبھی جلدی ہی وہی چیز مل گئی۔ بندہ سمجھتا ہے کہ میری دعا قبول ہو گئی بہت جلدی قبول ہو گئی۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو مانگا ملا تو وہی مگر ابھی نہیں دیر میں، بعض دفعہ اتنی دیر ہو جاتی ہے کہ بندہ کو یاد نہیں رہتا کہ میں نے فلاں کام کیلئے

دعا کی تھی۔ دیر بعد وہی چیز مل گئی۔ اب بندہ کو یاد بھی نہیں کہ میں نے دعا کی تھی حالانکہ اسی دعا کا یہ نتیجہ ہے۔ جیسے مثلاً ایک بچہ ہے آپ کا۔ بچہ کہتا ہے مجھے بندوق لے دیجئے۔ ابھی اس میں صلاحیت نہیں بندوق چلانے کی، نقصان پہونچائے گا وہ اپنے لئے بھی دوسروں کے لئے بھی بندوق نقصان کا باعث بن جائے گی۔ اس لئے آپ اس کی بات نہیں مانتے یہاں تک کہ اس کا دل دوسری طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ پھر جب وہ بڑا ہو جاتا ہے بندوق سنبھالنے کے قابل ہو جاتا ہے اُس وقت آپ بندوق لیکر اسے دیدیتے ہیں۔ تو جو درخواست بچے نے بچپن کے زمانہ میں کی تھی اس کو آپ نے پورا کیا لیکن اتنی مدت بعد کہ اسے وہ یاد بھی نہیں رہی۔ حالانکہ اُسی کی درخواست کا نتیجہ ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو چیز مانگی تھی وہ تو نہیں ملی اس سے بہتر کوئی اور چیز مل گئی جس کی طرف دھیان بھی نہیں گیا تھا۔ بسا اوقات بچہ ایک چیز مانگتا ہے وہ ناسمجھ ہے وہ نہیں جانتا ہے کہ اس کے نفع کی چیز ہے یا نقصان کی چیز ہے۔ آپ اس سے بہتر چیز اسے دیدیتے ہیں، تم نے فلاں چیز مانگی تھی جو تمہارے لئے ٹھیک نہیں تھی لہٰذا یہ لے لو۔ یہ بھی اسی کی درخواست کا نتیجہ ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو کچھ مانگا تھا نہ ملا نہ دوسری چیز ملی البتہ کوئی مصیبت اور بلا اس کے اوپر آنے والی تھی اس کی دعا کی برکت سے وہ بلا ٹل گئی۔ بچے نے شرارت کی تھی شرارت کی وجہ سے سزا کا مستحق تھا اس نے کسی چیز کی آکر درخواست کی کہ فلاں چیز مجھے لادیجئے وہ چیز تو لاکے نہیں دی آپ نے البتہ سزا کو موقوف کر دیا۔ یہ بھی اسی کی دعا کا نتیجہ ہوتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں رہتے رہتے اس دعا کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ مرنے کے بعد جب وہاں حساب کتاب ہوگا اس کو بتلایا جائے گا کہ فلاں دعا کی تھی اس طرح پوری ہو گئی تھی، یہ دعا کی تھی اس طرح پوری ہو گئی تھی، یہ دعا کی تھی اس طرح پوری ہو گئی تھی۔ اور فلاں فلاں دعا کی تھی تم نے اس کا کوئی اثر تم نے نہیں دیکھا اس کا ثواب اجر نتیجہ یہ ہے۔ اس اجر اور نتیجہ کو دیکھ کر اس کو تمنا ہو گی کہ کاش دنیا میں میری کوئی بھی دعا قبول نہ ہوتی۔

اور سب کا بدلہ مجھے یہاں ملتا۔ اس لئے کہ دنیا میں جو کچھ مانگا تھا وہ اپنی حیثیت کے مطابق مانگا تھا اور بہت کم مقدار میں مانگا تھا۔ اور آخرت میں تو کچھ ملتا ہے وہ بہت اونچی چیز ملتی ہے۔ لہٰذا دعا کی طرف سے غفلت نہیں برتنی چاہیئے۔ دعا کے آداب کی رعایت اور شرائط کی رعایت رکھنے کی ضرورت ہے۔ یوں نہ سوچے آدمی کہ جس حال میں بھی جیسے بھی ہو دعا تو کرنی چاہیئے۔ نماز بھی خداوند تعالیٰ کی عبادت ہے۔ یہ تو نہیں کہ جس حال میں بھی ہو اُسی حال میں پڑھنی چاہیئے۔ اس کے بھی شرائط اور آداب ہیں۔ نماز پڑھنی چاہیئے لیکن کس طرح پڑھنی چاہیئے۔ باوضو پڑھنی چاہیئے۔ کوئی شخص بے وضو پڑھ لے تو اس کا کیا علاج ہے۔ ہمارے یہاں ایک بوڑھا اور معذور شخص تھا وہ ایک دفعہ وضو کرتا تھا اور کئی روز تک اسی وضو سے نماز پڑھتا رہتا تھا اس سے کہا تم وضو نہیں کرتے۔ کہنے لگا اللہ سب قبول کرے گا۔ اس نے یوں جواب دیا، وہ وضو سے معذور نہیں تھا چلتا پھرتا بھی تھا مگر وضو نہیں کرتا۔ یہ طریقہ غلط ہے۔ نماز پڑھنا بڑی عبادت ہے اللہ کے یہاں بہت بلند درجات عطا کرنے والی چیز ہے، اس کے لئے بھی شرائط ہیں۔ نماز میں باوضو ہو کپڑے پاک ہوں قبلہ رُخ ہو جس وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ہو اس وقت نہ ہو۔ مثلاً جب سورج نکل رہا ہے، سورج سر پر ہے، سورج ڈوب رہا ہے۔ اس لئے ہر چیز کے واسطے شرائط اور آداب ہوتے ہیں، دعا کے بھی شرائط اور آداب ہیں تو دعا ضرور قبول ہوتی ہے اس وقت جبکہ شرائط اور آداب کے موافق ہو اور اس کے واسطے جو طریقہ ہے دُعا کی مقبولیت کا، کیا کیا اثرات ہوتے ہیں وہ اثرات اس پر مرتب ہوتے ہیں، کوئی سا اثر ضرور مرتب ہوتا ہے، حق تعالیٰ کا وعدہ بالکل سچا ہے اس کے اندر بالکل خلاف نہیں۔ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اس دنیا میں رہتے رہتے چھوٹے بڑے گناہ تو ہوتے ہی ہیں۔ حدیث پاک میں موجود ہے كُلُّكُمْ خَطَّاؤُنَ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ۔ تم سارے خطاکار ہو ہر ایک سے خطا سرزد ہوتی ہے۔

کسی سے زیادہ کسی سے کم، کسی سے چھوٹی خطا کسی سے بڑی خطا، کوئی خطا کو جلدی سمجھ جاتا ہے کہ یہ خطا ہے کوئی دیر میں سمجھتا ہے، کوئی معافی کا طریقہ زیادہ جانتا ہے کوئی کم، باقی خطا تھوڑی بہت سب سے ہوتی ہے۔ اسی لئے فرمایا کُلُّکُمْ خَطَّاؤُنَ وَخَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ التَّوَّابُوْنَ۔ بہترین خطادار وہ ہیں جو توبہ کرتے رہیں، زیادہ سے زیادہ توبہ کرتے رہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ معصوم تھے، معصوموں کے سردار تھے معصوموں کے امام تھے لیکن باربار معافی مانگنے والے تھے، اللہ سے مغفرت طلب کرتے تھے، اللہ سے استغفار پڑھتے تھے۔ ایک ایک دن میں دو دو سو مرتبہ پڑھا کرتے تھے، صبح شام استغفار پڑھتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں ایک ایک مجلس میں ستّر ستّر مرتبہ استغفار پڑھتے ہوئے سُنا ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو، اس لئے استغفار سے کسی وقت بھی غافل نہیں رہنا چاہیے، اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ غفور ہیں رحیم ہیں۔ بندہ جب استغفار کرتا ہے اللہ تعالیٰ معاف کرتے ہیں۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے بندے اگر روئے زمین کے برابر بھی تو خطائیں لیکر آئے تو میری ایک مغفرت تیری ساری خطاؤں کو معاف کرنے کے لئے کافی ہے۔ ظاہر ہے جیسی حق تعالیٰ کی شان ہے ایسی ہی مغفرت بھی ان کی بڑی ہے، رحم بھی ان کا بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ غفور ہیں رحیم ہیں، رحم بھی فرمائیں گے۔ ان کی رحمت عام ہے۔ ایک رحمت اسی دنیا میں ہے ایک رحمت آخرت میں ہوگی۔ اس لئے ہمیشہ استغفار کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سب کو شامل ہے، چاہے اللہ کا نام لے کوئی چاہے نہ لے۔ وہ سب کو اپنی رحمت سے روزی عطا فرماتا ہے، اپنی رحمت سے اعضائے جسم دیتا ہے، سب کو راحت دیتا ہے، قسم قسم کی نعمتیں دے رکھی ہیں حتیٰ کہ کافروں کو زیادہ دے رکھی ہے اُن پر بھی رحمت ہے اس دنیا میں لیکن ان کے واسطے رحمت آخرت میں نہیں ہوگی۔ آخرت میں جو رحمت ہوگی وہ صرف

اللہ کی عبادت کرنے والوں کو ہوگی۔ اور لوگوں کو نہیں ہوگی۔ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ رحیم ہیں۔
آگے ارشاد فرمایا قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس
بات کا جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ارشاد فرمائی تھی قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ
اس بات کا اثر کم کرنے کے لئے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنا چاہا، کہا کہ جس طرح سے
یہود و نصاریٰ نے اپنے اپنے نبیوں کو معبود بنالیا اسی طریقہ سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
بھی چاہتے ہیں کہ ان کو معبود بنالیا جائے۔ اس لئے یوں کہتے ہیں کہ میرا اتباع کرو یوں نہیں
کہتے کہ اللہ کا اتباع کرو۔ اس نے یہ وسوسہ ڈالنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے آگے آیت نازل فرمائی۔
قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ۔ آپؐ کہہ دیجئے اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ کہ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا اللہ تعالیٰ نے جو حکم فرمایا ہے وہ بحیثیت رسول فرمایا ہے کہ اللہ
کی بات کو لیکر آئے ہیں، اللہ کی مرضیات کو بیان کرتے ہیں ان کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی
خوشنودی کے لئے ہے، حق تعالیٰ نے جس چیز کا پیغام بھیجا ہے وہ پیغام لیکر تمہارے پاس آئے
اس کی اتباع کرو، اس کی اطاعت کرو یعنی اپنی ذات محمدؐ بن عبد اللہ کی اطاعت نہیں
چاہتے بلکہ وہ تو محمدؐ رسول اللہ کی اطاعت کے لئے کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
اللہ پاک کے رسول ہیں اُن کا اتباع کرو۔ اس لئے آیت نازل ہوئی قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ
وَالرَّسُوْلَ۔ آپؐ فرمادیجئے کہ اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول کی اطاعت کرو۔ رسول
کو اللہ بھیجتے کس واسطے ہیں؟ اسی واسطے تو بھیجتے ہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے۔
وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ تمام رسولوں کو اللہ تعالیٰ نے اس واسطے
بھیجا ہے تاکہ ان کی اطاعت کی جائے اور رسول کی اطاعت حق تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے
وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت
کی۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس حیثیت سے کہ ایک فرد ہیں یا مکہ کے رہنے والے ہیں یا
قبیلہ قریش کے آدمی ہیں اس حیثیت سے اپنی اطاعت نہیں چاہتے بلکہ رسول ہونے کی

حیثیت سے جو اللہ کا پیغام لیکر آئے اس کی اطاعت کرو، یہ اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ فَاِنْ تَوَلَّوا پوری پوری بات واضح ہو جانے کے بعد اگر لوگ مُنہ پھیر لیں بات نہ مانیں، حُجّت تام ہو جائے پھر بھی تسلیم نہ کریں، نہ رسول کی اطاعت کریں نہ اللہ کا کہنا مانیں، دونوں کی خلاف ورزی کریں تو اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکَافِرِیْنَ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کافرین سے محبّت نہیں کرتے۔ اصل منشار تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو محبوب بنالے۔ اس واسطے ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں، اس کے اظہار کے لئے مختلف طریقے اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کی اصلاح کے لئے فرمایا کہ اگر تم کو اللہ تعالیٰ سے محبّت مطلوب ہے تو میرا اتباع کرو۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ تم کو محبوب بنالیں گے۔ اور جو اطاعت نہیں کرتا رسول کی، اطاعت نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کی منہ پھیر لیتا ہے نہ اِس کو مانتا ہے نہ اُس کو مانتا ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ تو کافرین سے محبت نہیں کرتے۔ کوئی شخص چاہے کیسے ہی بُتوں کو اپنے گھر رکھ لے چاہے حضرت عیسیٰ اور حضرت عُزیر علیہما السلام کو کتنا ہی بڑا مان لے۔ لیکن وہ اللہ کی اطاعت نہیں کرتا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محبت نہیں کرتے وہ تو کافر ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکَافِرِیْنَ۔ اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اپنی زندگی کو سامنے رکھ کر اس کی کوشش کرنے کی ضرورت ہے کہ ہماری زندگی کا کوئی جز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ ہو۔ ایک بات اور سمجھ لینے کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنا اور چیز ہے اور حضورؐ کی زندگی میں اس چیز کا پایا نہ جانا اور چیز ہے۔ مثلاً آپ موٹر میں بیٹھ کر سفر کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی موٹر میں بیٹھ کر سفر نہیں کیا۔ اسے یوں نہیں کہا جائے گا حضورؐ کی مخالفت ہے۔ آپ ریل اور جہاز میں سفر کرتے ہیں حضورؐ نے تو ہوائی جہاز نہیں دیکھا اسے یوں نہیں کہا جائے کہ حضورؐ کی مخالفت ہے۔ بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایت نامہ دیا ہے تیئیس برس کی مبارک زندگی میں جگہ جگہ ہر چیز کے متعلق بیان فرما دیا ہے، اُن قواعد پر ناپ کر دیکھنے کی ضرورت ہے۔

اُن قواعد کے خلاف کوئی چیز نہ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس قسم کی سواریوں کے استعمال کرنے کی کوئی ممانعت نہیں۔ جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے۔ اور جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا اُس زمانے میں تھی ہی نہیں وہ ایک نئی چیز ایجاد ہے اس نئی چیز کو آپ استعمال کرلیں گے۔ نئے نئے پھل کھائیں گے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں کھائے۔ ان کو یوں نہیں کہا جائیگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے۔ چاول کھاتے ہیں آپ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر چاول نہیں کھائے، کیا یوں کہا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے مخالفت وہ ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اُس کو کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاول سے منع نہیں فرمایا نہ قواعدِ کلیہ سے چاول سے ممانعت ہے۔ ہاں جس چیز کی ممانعت فرمادی اس کو اختیار کرنا یہ مخالفت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب سے منع فرمایا۔ دس آدمیوں پر لعنت فرمائی شراب کی وجہ سے۔ شراب پینے والا، شراب پلانے والا، شراب بنانے والا، شراب لاد کرلے جانے والا۔ اور خدا جانے کتنے اور کون کون لوگ ہیں جن پر لعنت فرمائی۔ اب اگر کوئی شراب پیتا ہے، بناتا ہے، پلاتا ہے تو وہ یقیناً حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والا ہو گا۔ لیکن اگر کوئی شخص شراب نہیں پیتا بلکہ شربت پیتا ہے، شربت پینے والے کو یہ نہیں کہیں گے کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ اس لئے مخالفت وہ ہے جو امورِ شرعیہ کے خلاف ہو۔ جن چیزوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا اس کے خلاف ہو، جو چیزیں قواعدِ کلیہ سے ممنوع ہیں ان کے خلاف ہو۔ وہ چیز کہلائے گی مخالفت۔ اور اگر یہ نہ ہو وہ مخالفت نہیں۔ اس واسطے ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر ہر گوشہ پر غور کریں۔ جو چیزیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے خلاف ہمارے اندر گھسی ہوئی ہیں ان کو نکالنا چاہیئے۔ اور جو ہمارا زندگی کا طریقہ سُنّت کے طریقہ سے دُور ہوتا چلا جارہا ہے اسی قدر بُعد ہوتا

چلا جا رہا ہے۔ جیسا جیسا ہمارا طریقہ دور ہے ویسے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ سے ہم کو بُعد ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس واسطے ضرورت ہے کہ زیادہ سے زیادہ سُنت پر عمل کیا جائے۔ جو اس وقت طریقہ تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیدھی سادی زندگی تھی اس کا اختیار کرنا آج ہمارے لیے دشوار ہو گیا۔ جیسی زندگی وہ گزار رہے تھے ویسی زندگی ہم کہاں گزار سکتے ہیں۔ اتنے کمزور اور ضعیف ہیں اور ایسے ماحول میں پلے ہیں کہ ہمارے لئے تو اس کا تصور کرنا دشوار ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ ایک وقت وہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ممبر سے حجرہ تک مجھے جانا مشکل تھا۔ غش کھا کر گر پڑتا تھا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ میرے اوپر کوئی جن کا اثر ہے۔ حالانکہ مجھے بھوک تھی۔ یہ کیفیت تھی ان کی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، کھانا کھا رہے تھے، ایک بے تکلف دوست آ گئے، وہ بھی کھانے میں شریک ہو گئے۔ کیا کیفیت تھی کھانے کی؟ سوکھی روٹی کے ٹکڑے تھے، نمک پاس رکھتے تھے۔ سوکھی روٹی کا ٹکڑا دانت میں دبایا، کٹ سے بولا اور ایک نمک کا کنکر رکھ لیا اس طرح سے کھایا، مہمان بھی شریک ہو گئے۔ مہمان نے کہا اگر سعتر بھی ہوتا تو کتنا مزیدار ہوتا۔ سعتر ایک قسم کی گھاس سمجھ لیجیے۔ جیسے پودینہ ہے اس میں چرچراپن ہوتا ہے۔ اس دوست نے خواہش کی۔ ان کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، اٹھے۔ بازار گئے اور جا کر سعتر خریدا۔ لا کر رکھ دیا اور دونوں نے کھا لیا کھانا۔ ایک ٹکڑا سوکھی روٹی کا دانت میں دبایا۔ ایک کنکر نمک کا اٹھا کر منہ میں رکھا ایک پتہ سعتر کا رکھ لیا۔ بس کھانا ہو گیا۔ کھانے کے بعد مہمان نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ قَنَّعَنَا بِمَا حَضَرَ۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ما حضر پر ہمیں قناعت دی۔ جو کچھ ہمارے پاس موجود تھا ہم نے اس پر قناعت کر لی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، بولے یار اگر ما حضر پر قناعت ہوتی تو میرے وضو کا لوٹا گروی نہ رکھوا تا۔ پیسہ پاس موجود نہیں تھا۔ جس لوٹے سے وضو کیا کرتے تھے

وہ لیکر گئے اور سعتر خرید کرلائے۔ لوٹا گروی رکھا۔ اگر ماحضر پر قناعت ہوتی تو جناب ہی روٹی کا ٹکڑا نمک کے کنکر پر قناعت کرلیتا۔ یہ حال تھا ان حضرات کی زندگی کا۔ ہم لوگ پوری زندگی ایسے ماحول میں گذار چکے ہیں ہم کو اس کا مکلّف تو نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ جس قدر تنعم میں پڑ گئے ہیں، عیش پرستی میں پڑ گئے ہیں اس کو کم کرنے کی ضرورت ہے۔ آہستہ آہستہ کم کرنے کی ضرورت ہے۔ سوچنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال یہ تھا کہ بعد میں آنے والے لوگ خواہ کتنے ہی بڑے درجہ پر پہونچ جائیں غوث قطب ابدال نہ جانے کیا کیا ہو جائیں لیکن کسی ایک صحابی کے درجہ اور مقام کو نہیں پہونچ سکتے۔ جو زندگی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور آپ کے صحابہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمائی اعلیٰ درجہ کی زندگی تھی وہ، لیکن اس زندگی کا سب کو مکلّف نہیں قرار دیا جا سکتا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ زندگی اختیار نہیں کی، بُود و باش اختیار نہیں کی، مجاہدانہ زندگی اختیار نہیں کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہا ہے، وہ مخالف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں درخواست ضرور کی جائیگی جہاں تک ہو سکے اس کو اختیار کرنے کی کوشش کریں۔ جس دلدل میں زندگی کے پہونچ چکے ہیں اس میں سے نکلنے کی ضرورت ہے۔ جتنا اُدھر کو رُخ کریں گے اتنا ہی انشاء اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت زیادہ ہوتی چلی جائے گی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص کر اپنے گھر والوں کو نصیحت فرمائی تاکید فرمائی کہ دیکھو سکون چاہتے ہو تو مسکینوں کے ساتھ میں رہو، مسکینوں سے محبت کرو۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ ہو۔ جو غریب ہوں ان کے ساتھ محبت رکھو، ان کے ساتھ تعلق رکھو تو جتنا ان کیساتھ میں تعلق زیادہ ہوگا اتنا زیادہ مجھ سے قرب حاصل ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا۔ اے اللہ محمد کے گھر والوں کو روزی دے اتنی دے جسے کھا کر کمر سیدھی ہو جائے، زندہ رہ سکیں، زیادہ نہ دے تو۔ پسند

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیز تھی۔ لہٰذا اس طرف کو رُخ کرکے آہستہ آہستہ چلنے کی ضرورت ہے۔ یہ نہیں کہ اُدھر سے بالکل آنکھیں بند کرکے رات دن لہو و لعب میں لگے رہیں، بلکہ ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر ہر گوشہ پر غور کرلیں، جو چیزیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے خلاف ہمارے اندر گھسی ہوئی ہیں ان کو نکالیں۔ اپنی زندگی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق بنائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اللّٰھم صل علیٰ سیّدنا ومولانا محمد وعلیٰ آل سیّدنا ومولانا محمد وبارك وسلم۔ ربنا افرغ علینا صبرًا وثبّت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین۔ ربّنا آتنا فی الدنیا حسنةً وفی الآخرۃ حسنة وقنا عذاب النار۔ صلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد وعلیٰ آله وصحبه وسلم۔

برحمتك یا ارحم الرّاحمین۔

تمّت بالخیر بجاہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیه وسلّم۔

فضیلتِ ذکر

خطبہ ماثورہ

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا وَّسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا ۝

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ اور صبح وشام اسکی تسبیح و پاکی بیان کرو۔ اس آیت کریمہ کی وجہ سے مشائخ نے صبح وشام کی تسبیحات تجویز کی ہیں۔ صبح کو بھی تسبیح پڑھی جائے شام کو بھی پڑھی جائے اور ذکر کی کثرت کیلئے فرمایا۔

حق تعالیٰ نے جو عبادتیں تجویز فرمائی ہیں اپنی اپنی جگہ پر سب نہایت اہم اور ضروری ہیں مثلاً نماز ہے بہت اہم ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے قرۃ عین ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں حاضری کا ذریعہ ہے اور اتنا اہتمام نماز کا کہ جب کوئی اہم بات پیش آئی فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی نیت باندھ لیتے۔ ہوا زور کی چل پڑی بارش زور کی ہو گئی۔ بادل آگیا۔ چاند گہن ہوگیا۔ سورج گہن ہوگیا۔ نماز کی نیت باندھ لی۔

مگر جو نمازیں فرض ہیں ان کیلئے اوقات متعین ہیں۔ پانچ وقت

دن رات میں کو نماز فرض ہے اس سے زیادہ فرض نہیں۔ ایک نماز کو دو دفعہ پڑھنے کی بھی اجازت نہیں۔

روزہ ہے بہت اہم چیز ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ہر عبادت کا ثواب اسکے دفتر سے ملتا ہے مگر روزہ کا ثواب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں خود دوں گا۔ اَنَا اَجۡزِیۡ بِہٖ فَاِنَّ الصَّوۡمَ لِیۡ۔ یا انا اُجۡزٰی بِہٖ فَاِنَّ الصَّوۡمَ لِیۡ۔ اسی طرح سے زکوٰۃ ہے بہت اہم چیز ہے مگر وہ سال بھر میں ایک مرتبہ ہے دو مرتبہ نہیں۔

حج ہے عمر میں ایکمرتبہ فرض ہے زیادہ نہیں۔ لیکن ذکر کے متعلق قرآن پاک میں مذکور ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡکُرُوا اللّٰہَ ذِکۡرًا کَثِیۡرًا۔ ذکر کثیر اس کے لئے نہ پانچ وقت کی تحدید ہے نہ سال بھر میں ایک مہینہ کی ہے۔ نہ عمر بھر میں ایک مرتبہ کی ہے۔ بلکہ کثرت کا حکم ہے ایسا ذکر کثرت سے کرو کہ اللہ تعالیٰ اسکو کثیر فرمادیں۔

اسی لئے مشائخ ذکر کثرت سے کراتے تھے۔ پہلے حضرات سوا لاکھ کا ذکر روزانہ کراتے تھے۔ سوا لاکھ اسم ذات یا کلمہ طیبہ روزانہ سوا لاکھ۔ کسی شخص نے حضرت گنگوہی سے پوچھا تھا ان کے بڑھاپے اور ضعیفی کے زمانہ میں کہ حضرت کتنا پڑھ لیتے ہیں؟ فرمایا پڑھنے کا زمانہ گیا طاقت کہاں ہے! سوا لاکھ کا معمول ہے روزانہ۔ بڑھاپے میں ایک ایک سانس میں پانچ پانچ سو مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھا ہے۔ اتنا کثرت سے۔ اللہ تعالیٰ اسمیں برکت بھی عطا فرماتے ہیں۔ چوبیس ہزار روزانہ سے شروع کرتے سالک کے ذکر کی۔ جو سالک بیعت ہو اور ذکر شروع کرے چوبیس ہزار روزانہ اسکو کرنا ہے۔ بڑھاتے بڑھاتے سوا لاکھ تک اور آگے تک پڑھتا تھا۔

اور اسی ذکر کی کثرت کیوجہ سے سانس کے ساتھ ذکر تجویز کیا مشائخ نے ۔ کوئی سانس ذکر سے خالی نہ جائے سانس اندر جائے تو ذکر ۔ باہر آئے تو ذکر ۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ انسان جب سوتا ہے تو شیطان اسکی ناک کے نتھنوں میں رات گذارتا ہے اور ہر سانس کے ساتھ ساتھ اپنا زہر اندر پہونچاتا ہے اس کا زہر کیا ہے ؟ خدا سے غفلت ، معاصی سے رغبت یہ اس کا زہر ہے ۔ ہر سانس کیساتھ اندر پہونچاتا ہے ۔ اس لئے مشائخ نے تجویز کیا ہے کہ ہر سانس کے ساتھ ذکر کیا جائے تاکہ شیطان کے زہر کا اثر نہ پہونچے ۔ وہ اپنا اثر زہریلا پہونچاتا ہے اور اد ہر ذکر کی برکت سے وہ اثر زہریلا ختم ہوجاتا ہے ۔ اللہ کی رحمت اندر پہونچتی ہے شیطان ذکر سے بھاگتا ہے اور گھبراتا ہے ۔ انسان کے قلب کے اندر پہونچتا ہے مگر جب قلب کو ذاکر پاتا ہے تو پیچھے ہٹتا ہے اور بھاگتا ہے ۔ یہی ہے جسے خناس کہتے ہیں ۔ خنس کے معنیٰ پیچھے ہٹنا ۔ وہ پیچھے ہٹتا ہے ۔

ذکر کرتے کرتے انسان کے ہر ایک بال سے ہر ایک رونگٹے سے ذکر شروع ہوجاتا ہے ۔ تمام اعضائے جسمانی ہر رگ رگ ذکر کرنے لگتی ہے ۔ اور پھر ذکر کا اتنا غلبہ ہوجاتا ہے کہ روحانیت غالب آکر جسمانیت بالکل مضمحل اور مغلوب ہوجاتی ہے اسی وجہ سے انکی روحانیت اتنی قوی ہوجاتی تھی کہ دیر دیر تک انھیں کھانے پینے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی اور کام سارا جاری رہتا تھا اسواسطے کہ کھانے پینے کی ضرورت جسم کو پیش آتی ہے اور جسم کا حال یہ ہوگیا کہ جسمانیت مغلوب ہوگئی اور روحانیت غالب آگئی ۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے (میزان کبریٰ میں شعرانی رح کی) کہ ایک مہینہ میں ایکمرتبہ قضائے حاجت کیلئے جاتے تھے جب بوڑھے ہوگئے ضعیف ہوگئے تو ایک مہینہ میں دو مرتبہ جانے لگے ۔

کوئی شخص عیادت کیلئے آتا ان کے پاس تو ان کی والدہ کہتیں میرے بچے کیلئے دُعا
کرو اس کا معدہ کسی کام کا نہیں رہ گیا ہے۔ مہینہ میں دو مرتبہ جانے کی ضرورت
پیش آنے لگی ہے۔

اسی سے اندازہ کیجئے کہ جنکی قضائے حاجت کا یہ حال ہے انکی غذا کا کیا حال ہوگا۔
چلے کرتے تھے وہ حضرات تو صرف اتباع سنت کیخاطر ایک گھونٹ وہ بھی ہلکا سا
ایک گھونٹ لے لیا کرتے تھے افطار کیلئے باقی روزہ۔ چالیس روز تک روزہ،
روزہ۔ اور ان کو کوئی دشواری بھی پیش نہیں آتی تھی اس لئے کہ روحانیت غالب آگئی
ان پر۔ اور اب نہ وہ قوی رہے نہ محنتیں رہیں نہ ہمتیں رہیں اس لئے نازل ہوتے
ہوتے لوگ بہت تھوڑے سے پر آگئے۔ تیرہ تسبیح پر قناعت کرنے لگے تیرہ تسبیح
پڑھ لو بس وہی کافی ہے لیکن احادیث میں آتا ہے کہ جو دعائیں صبح شام اور مختلف
اوقات کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں جو شخص انکی پابندی کرتا ہے وہ،
اَلذَّاکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذَّاکِرَاتِ میں شمار ہو جاتا ہے۔ مسجد میں داخل
ہونے کیلئے قدم رکھا دعا پڑھ لی اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لَنَا اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ مسجد سے باہر
نکلے دعا پڑھ لی اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لَنَا اَبْوَابَ فَضْلِکَ مسجد کے دروازے پر شیاطین کا
ہجوم رہتا ہے مسجد سے باہر نکلا انسان شیاطین فوراً اس کو گھیر لیتے ہیں انکے
تسلط سے بچنے کیلئے دعا پڑھ لی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ اِبْلِیْسَ وَ
جُنُوْدِہٖ بیت الخلاء میں جاتے وقت دروازے پر دعا پڑھ لی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ
اَعُوْذُ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ وہاں چونکہ شیاطین اور جنات مجتمع رہتے
ہیں اس لئے۔

لیٹتے وقت، سوتے وقت، نیند سے بیدار ہوتے وقت، مکان آنے
کیلئے، باہر بازار جانے کیلئے، سفر شروع کرتے وقت، سفر سے واپسی کے وقت،

نیا کپڑا پہنتے وقت، غرض یہ کہ جتنے تصورات اور زندگی کے حالات انسان کی زندگی میں آتے ہیں ہر وقت کیلئے کوئی نہ کوئی ذکر تجویز کر دیا تاکہ آدمی اَلذَّاکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذَّاکِرَاتِ میں شامل ہو جائے۔

ذکر کیلئے صرف ایک ہی صورت نہیں کہ آدمی الا اللہ الا اللہ کرتا رہے۔ اللہ اللہ کرتا رہے بلکہ اللہ کا نام جس طریقہ پر بھی لیا جائے وہ ذکر ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے وہ بھی ذکر ہے بیٹھ کر دعائیں پڑھتا ہے وہ بھی ذکر ہے تسبیح پڑھتا ہے وہ بھی ذکر ہے ہر چیز ذکر ہے ان تینوں میں سے۔

اس لئے ذکر کی ایک ہی کیفیت نہیں سب کیفیات ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ جس کو جس کیفیت کے ساتھ مناسبت پیدا فرما دیں اس کے اوپر اسی کیفیت کا غلبہ ہو جاتا ہے مناسبت کی وجہ سے۔

سلطان الاذکار پڑھتے ہیں! میں نے پوچھا تھا حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائپوری سے کہ حضرت سلطان الاذکار کیا ہوتا ہے کیسے ہوتا ہے؟ فرمایا کیوں آپ کو کیا ضرورت پیش آ گئی! میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے خواب دیکھا تھا۔ کہ حضرت گنگوہی کی صاحبزادی نے مجھے ایک دعا بتلائی ہے اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ۔ یہ دعا پڑھا کرو۔ بیدار ہونے کے بعد میں نے انکی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ حضرت میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ فرمانے لگیں خدا جانے کون نیک بی بی ہوگی جو میری صورت میں آ کر تم کو بتا گئی۔ اپنی طرف منسوب نہیں کرتیں۔ میں نے عرض کیا کہ اچھا اب بیداری میں بتا دیجئے! کہنے لگیں میں بے حقیقت تم کو بتاؤں تمہارے سامنے حدیث کا ذخیرہ ہے تم مجھے بتاؤ! انھوں نے ایسے طریقہ پر کہا "میں بے حقیقت" کہ میرے بدن میں کو سناٹا نکل گیا انھوں نے حقیقۃً اپنے نزدیک بات صحیح سمجھتے ہوئے کہا تھا محض تکلف نہیں تھا محض لفاظی نہیں تھی،

ان کی شان یہ تھی کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر عورتوں کو مرید کرنا جائز ہوتا تو میری صفیہ بیعت کیا کرتی مرید کیا کرتی صفیہ نام تھا ان کا اور جس وقت حضرت گنگوہیؒ کی وفات کے بعد تذکرۃ الرشید تصنیف کیجا رہی تھی مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ میرٹھی مؤلف تذکرۃ الرشید اور حضرت مولٰنا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری دونوں گنگوہ گئے جاکر صاحبزادی صاحبہ سے پوچھا کہ اپنی بیعت کا قصہ سنائیے۔ تو انھوں نے بتلایا کہ مجھے شوق تھا بیعت ہونے کا مگر ہمت نہیں پڑتی تھی ایک روز موقعہ پاکر میں نے عرض کیا۔ فرمانے لگے بیٹی تجھے اتنی لجاجت کی کیا ضرورت ہے تو تو میری ہے فلاں وقت میں ہو جانا اور اس کے بعد مجھے لطائف کی تعلیم دی۔

پھر بہت پوچھا کہ کیا ہوا؟ فرمایا مجھے کچھ خبر نہیں۔

بار بار پوچھا۔ اس کوئی جواب نہیں دیا تو حضرت سہارنپوریؒ نے جوش میں آکر فرمایا کہ اچھا اگر آپ نہیں کہتیں تو میں کہدوں؟ لطائف ستہ جاری!

اس پر بھی وہ خاموش رہیں۔ انکا یہ حال تھا کہ جب وہ گفتگو کرتی تھیں تو بالکل محدثانہ طریقہ پر اتنی بات فلانی نے کہی اتنی بات اسکے ساتھ فلانی نے بڑھائی اتنی بات میں نے براہ راست سنی اور اتنی بات فلاں کے واسطہ سے سنی۔ اسی انداز سے گفتگو کیا کرتی تھیں۔ گفتگو جو کچھ بھی ہو، علمی ہی ہو ضروری نہیں گھریلو بھی ہے مگر ہر چیز کو اس کے موافق بیان کیا کرتی تھیں۔

اس روز تو میں خاموش ہو گیا دوسرے روز پھر جاکر عرض کیا کہ کچھ بتا دیجئے؟ پڑھنے کے لئے تو انھوں نے سلطان الاذکار بتلایا پڑھنے کے لئے انھوں نے سمجھانا چاہا میں سمجھ نہیں پایا۔

میں نے حضرت رائے پوریؒ سے دریافت کیا کہ سلطان الاذکار کیا چیز ہے؟ حبسِ دم کے ساتھ۔ انھوں نے فرمایا کہ آپ کو کیا ضرورت پیش آئی؟ میں نے بتلادیا

کہ اسطرح سے حضرت گنگوہیؒ کی صاحبزادی صاحبہ نے بتلایا ہے۔

فرمایا کہ نہیں۔ اندیشہ ہے کہ امراض پیدا ہو جائیں گے دماغی امراض پیدا ہو جائیں گے۔ یہ سلطان الاذکار تو ایسے لوگوں کے لئے ہے جنکی طبیعت کسی طرح چلتی ہی نہیں ہے ذکر کی طرف انکے لئے تجویز کیا جاتا ہے۔

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک سانس میں ایک مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ دوسری میں دو مرتبہ۔ تیسری میں تین مرتبہ۔ چوتھی میں چار مرتبہ۔

(۱) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (۲) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

(۳) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

(۴) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

(حضرت اقدس مفتی صاحب نے مع الضرب چار دفعہ تک کر کے بتلایا)

اسی طرح ہر سانس میں ایک مرتبہ بڑھاتے جائیں۔ یہاں تک کہ ایک سانس میں ایک سو بیس دفعہ تک پہونچ جائے۔ یہ تو میں نے زبان سے کہا۔ حبسِ دم میں زبان سے نہیں ہوتا سانس رکا ہوا ہے زبان خاموش ہے اندر ہی اندر ذکر جاری ہے۔ اسطرح سے حبسِ دم کے ساتھ سلطان الاذکار کرتے تھے یہاں تک کہ ان کا ایک ایک بال ذاکر ہو جاتا تھا ہر چیز ذاکر ہو جاتی۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ ہر چیز تسبیح پڑھتی ہے لیکن تم
وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَہُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ انکی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔

دہلی میں دو شخص تھے آپس میں خالہ زاد بھائی۔ ایک حضرت مولٰنا محمد الیاس صاحبؒ سے بیعت۔ دوسرا مولٰنا عبد القادر صاحب رائے پوریؒ سے۔

حضرت مولٰنا عبد القادر صاحبؒ گئے دہلی حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے یہاں۔ حضرت مولٰنا الیاس صاحبؒ پر تبلیغ کا غلبہ کا یہ حال تھا کہ نوالہ ہاتھ میں ہے

منہ میں جانے سے پہلے دو دو تین تین منٹ تک تبلیغ کی بات کر رہے ہیں تو وہاں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے جو بیعت تھا مولانا الیاس صاحب سے اس نے اپنے خالہ زاد بھائی سے کہا جو کہ بیعت تھا مولانا عبدالقادر صاحب سے کہ دیکھ میرے پیر میں اور تمہارے پیر میں کیا فرق ہے تمہارے پیر کھانے میں لگے ہوئے ہیں اور یہ تبلیغ میں لگے ہوئے ہیں۔

اسکے بعد جب مولانا عبدالقادر صاحب وہاں سے چلے آئے تو مولانا الیاس صاحب نے اپنے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا ارے تم کیا جانتے ہو مولانا عبدالقادر صاحب کو میں نے انکے حجرے کی اینٹوں کو ذاکر دیکھا ہے۔ اینٹیں ذکر کرتی ہیں۔

اِس پر اُس دوسرے شخص نے پہلے شخص کو کہنی مار کر کہا دیکھ! میرے پیر کے متعلق تمہارے پیر کیا رائے قائم کر رہے ہیں۔

خیر بعضے بعضے لوگ ایسے بولتے ہیں کہ گھوڑا پال رکھا ہے گھوڑا بھی پاس انفاس کرتا ہے ذکر کی آواز گھوڑے کی سانسوں میں محسوس ہوتی ہے کہ ہاں گھوڑا ذکر کر رہا ہے۔ جب ذکر کیساتھ قلب رنگا جاتا ہے غلبہ ہو جاتا ہے ذکر کا اس پر تو ہر چیز کا ذکر اسے محسوس ہونے لگتا ہے مگر اب ایسے قوی نہیں ہیں کہ ایک سو بیس دفعہ ایک سانس میں کہیں حبس دم کیساتھ۔ اندیشہ ہے کہ امراض پیدا ہو جائیں گے اور خدا جانے کیا ہوگا۔

حضرت شاہ ابوسعید صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جب بلخ گئے تھے حضرت شاہ نظام الدین صاحب بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تو وہاں کیا تھا؟ ایک تجلّی انکو محسوس ہوئی پھر غائب ہو گئی۔ پھر چاہتے ہیں کہ وہ تجلی پھر محسوس ہو اپنے اختیار میں تھوڑا ہی ہے۔ ضدی آدمی تھے بیٹھ گئے سانس روک کر کہ جبتک تجلی نہیں ہو گی میں سانس نہیں لوں گا کتنا وقت گذر گیا ہم نہیں جانتے ڈیڑھ دن گذر گیا سانس نہیں لیتے حتی کہ پسلی

ٹوٹ گئی اسکے بعد تجلی ظاہر ہوئی تب انھوں نے سانس لیا۔
شیخ کو اطلاع ہوئی کہ پسلی ٹوٹ گئی انھوں نے کوئی دوا تجویز کی وہ ٹھیک ہو گئی۔
کسی آپریشن کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ تو ذکر کا حال یہ ہوتا ہے اسلئے سانس کے
ساتھ ذکر کرنا یہ سلسلہ چشتیہ کے لئے لوازم میں سے ہے ہر شخص جو اس لائن میں قدم
رکھتا ہے وہ سانس کیساتھ ذکر کرتا ہے پاس انفاس کرتا ہے۔
اور پاس انفاس کے علاوہ قلبی ذکر جیسے زبان منہ کے اندر موجود ہے اور اللہ اللہ
کررہی ہے اسی طریقہ پر قلب سینہ کے اندر موجود ہے تو تصور کیا جائے وہ اللہ۔ اللہ
کررہا ہے زبان سے نہیں قلب کررہا ہے اللہ اللہ۔ اور پھر اس میں اسکو ایسی
لذت محسوس ہوتی ہے کہ ساری لذت ایک طرف اور قلبی ذکر کی لذت ایک طرف اس
قدر اسمیں انہماک ہو۔
آج کل کے دور میں تیرہ تسبیح کا ذکر کرنا مشکل ہو گیا شکایت کرتے ہیں کہ سینہ
میں درد ہو گیا سر میں درد ہو گیا تکلیف ہو گئی۔
ٹھیک ہے قویٰ کمزور ہیں ضعیف ہیں اتنا نہ کریں زور سے ضرب نہ لگائیں آہستہ
ضرب لگائیں ورنہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح کا حال یہ تھا کہ پچاس برس تک
ذکر حدادی سے قلب کو دھنا ہے۔ ذکر حدادی کیا ہے؟ حداد کہتے ہیں لوہار کو دونوں
ہاتھوں کی مٹھیاں تشبیک کیساتھ باندھ کر دائیں مونڈھے کیطرف بلند کرے لا الٰہ کہتے
ہوئے اور پھر زور سے لاکر بائیں ران پر اسطرح مارے جسطرح زور سے لوہار ہتھوڑا
مارتا ہے الا اللہ کہتے ہوئے قلب کو کوٹنے کیلئے عشاء سے لیکر فجر کی اذان تک
اور فرماتے تھے کہ اب ذکر خود مجھے مہلت نہیں لینے دیتا بے اختیار ذکر ہوتا ہے۔
کسی شخص نے حضرت گنگوہی رح سے پوچھا کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح
بزرگ نہیں تھے فرمایا تھے بزرگ تھے۔ پوچھا کہ انکی طرف جو سماع کی نسبت ہے

کیا یہ نسبت صحیح نہیں ؟ فرمایا صحیح ہے وہ سنتے تھے ؟ ہاں سنتے تھے۔ آپ کیوں نہیں سنتے ؟ حضرت گنگوہیؒ نے نہایت فقیہانہ جواب دیا ہے بنیادی جواب۔ انکو کوئی سند پہونچی ہوگی مجھے نہیں پہونچی۔ انکی بزرگی بھی برقرار مگر اتباع جو کیا جائے گا اتباع ایسی چیزوں میں بزرگوں کا نہیں کیا جائے گا۔ انکی بزرگی کا بھی انکار نہیں واقعہ کی بھی تکذیب نہیں اور خود اتباع بھی نہیں کرتے۔ چنانچہ ان کا حال یہ تھا کہ ان کے یہاں سماع ہو رہا ہے اور سماع بکثرت تو نغمہ ہوتا تھا اللہ کا

اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ زیادہ تر تو یہ ہوتا تھا۔

(حضرت اقدس مفتی صاحب نے اللہ ہو کا نغمہ کچھ ایسے انداز میں سنایا کہ مجمع پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی)

ان کی مجلس کا یہ حال تھا کہ کچھ شعر پڑھے گئے تو اشعار پر لوگوں کی جان نکل گئی لاشیں اٹھی ہیں انکی مجلس سے۔

ایک شخص نے ایک نعرہ مارا اور اچھلا اور کنویں میں جا گرا حضرت شیخ کو اطلاع کی گئی کہ فلاں صاحب کنویں میں گر گئے۔ اچھا کس شعر پر؟ فلاں شعر پر!

فرمایا اچھا وہیں بیٹھ کر پڑھو اس شعر کو وہ اگر صادق ہے اپنے حال میں تو تمہارا محتاج نہیں ہے خود باہر نکلے گا۔ اور اگر کاذب ہے تو ایسے جھوٹے کا ڈوب کر مرنا ہی بہتر ہے۔ وہی شعر پڑھا گیا انھوں نے پھر ایک نعرہ لگایا اور اچھل کر کنویں سے باہر آگئے یہ کیفیت تھی ان کے یہاں۔

ان کے صاحبزادے پڑھ کر آئے فارغ ہو کر انھوں نے دیکھا کہ ابا کے یہاں سماع ہو رہا ہے انھوں نے مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ کے تحت تغییر بالید شروع کر دی

اب فرماتے ہیں حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

خشک تار و خشک چوب و خشک پوست
از کجا می آید ایں آوازِ دوست !

تار بھی سوکھا۔ تانت بھی لکڑی کی سوکھی کھال بھی ڈھیڑی کی سوکھی دوست کی آواز کہاں سے آرہی ہے یہ تو سب سوکھے بے جان ہیں۔ ان کا یہ شعر پڑھنا تھا کہ اسی فضا میں نغمہ گونج گیا اور ہر چیز سے اللہ اللہ کی آواز آنے لگی۔ تو فرمایا کہ رکن الدین سے کہو انھیں بھی رد کردے۔ تو جب اس سے افاقہ ہوا تو صاحب زادے نے کہا کہ ابا! یہ ناجائز ہے! فرمایا اچھا بھائی شریعت کا حکم سرآنکھوں پر اس کے خلاف تھوڑا ہی کرنا ہے۔

ایک روز بیٹے سے فرمایا میرا بدن تو داب دو کمر دبا دو۔ کمر دبانے کیلئے بیٹھے دیکھا چار چار انگل کھال سوکھی ہوئی ہے۔ جیسے درخت کی چھال ہوتی ہے ایسے سوکھ کر بدن سے الگ ہو رہی ہے پوچھا ابا یہ کیا ہے؟ فرمایا وہی ہے سماع سن لیتا تھا گرمی نکل جاتی تھی اب بدن پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا ہے۔ تب بیٹے نے کہا آپ کے لئے جائز ہے۔ یہ تو تداوی بالمحرم کے قبیل سے ہے جیسے ناجائز دوا کا استعمال کرنا ہے مرض کے دفعیہ کیلئے اسی طریقہ پر یہ ہے جو آپ کے لئے جائز ہے۔

حضرت سلطان نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ سماع سنتے تھے اس زمانہ کے قاضی ضیاء الدین سنامی محتسب تھے انکو پتہ چلا وہ آئے انھوں نے منع کیا بات چیت ہوئی۔ پھر سلطان جی نے کہا کہ اچھا اگر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت دلوا دوں تو! فرمایا ہمارا منع کرنا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تو ہے وہ اجازت دیدیں گے تو ہمارا کیا منہ رہے گا منع کرنے کا۔

فرمایا اچھا بیٹھ جائیے! بیٹھ گئے۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے شعر پڑھا

اس شعر پر سلطان نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو کچھ وجد آیا وہ اٹھے بے اختیار ۔ قاضی صاحب نے انکی آستین پکڑ کر بٹھالیا ۔ بیٹھ گئے ۔ پھر دوبارہ اٹھے ہیں دامن پکڑ کر بٹھالیا ۔ بیٹھ گئے ۔ پھر سہ بارہ اٹھے ہیں تو قاضی صاحب ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے ہیں ۔ تھوڑی دیر یہ کیفیت رہی اسکے بعد یہ کیفیت ختم ہو گئی اب سلطان جی نے کہا دیکھا ہم نے کہلوا بھی دیا ۔ قاضی صاحب نے کہا کہ میں نے بھی کہہ دیا ۔ پھر کہا اس شعبدہ سے میں باز نہیں آؤں گا تم کو رکنا پڑے گا ۔

اس سے بات تو ختم ہو گئی ۔ قاضی صاحب بیمار ہوئے ۔ سلطان جی کو اطلاع ہوئی کہ قاضی صاحب بیمار ہیں تو عیادت کے لئے چلے قاضی صاحب کے دروازہ پر آکر دستک دی وہاں سے خادم آیا پوچھا کون ؟ فرمایا عرض کردو نظام الدین زیارت کیلئے حاضری کی اجازت چاہتا ہے ۔ قاضی صاحب نے سنکر فرمایا کہدو میں مرتے وقت بدعتی کی صورت دیکھنا گوارا نہیں کرتا اور بدعتی بھی ایسا جو یوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرادے ۔ کیا زیارت کرائی کچھ پتہ بھی چلا وہ تو رہ ہی گیا درمیان میں ۔

لوگوں نے پوچھا تھا قاضی صاحب سے کہ کیا بات تھی کیا انھوں نے کہلوا دیا اور کیا آپ نے کہدیا ۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ جب پہلی بار اٹھے ہیں ۔ سلطان جی تو ان کا قدم فلک سابع پر تھا میری بھی رسائی تھی وہاں تک میں نے آستین پکڑ کر بٹھا دیا ۔ دوبارہ اٹھے ہیں تو ان کا قدم عرش پر تھا وہاں تک بھی میری رسائی تھی میں نے دامن پکڑ کر بٹھا لیا سہ بارہ اٹھے تو میری نظر سے غائب تھے ۔ میں نے دیکھا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں جو سب نبیوں کے سرتاج ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فقیر کو مت ستاؤ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے معلوم نہیں کہ جاگ رہا ہوں یا سو رہا ہوں یہ خواب ہے

یا خیال ہے اس پر عمل کردں یا جو جاگتے ہوئے سند کیساتھ احادیث پڑھی ہیں ان پر عمل کردں ! تو آپ نے تبسم کے ساتھ فرمایا کہ عمل کیلئے تو دہی ہیں ۔

اس پر سلطان جی نے فرمایا تھا کہ میں نے کہلوادیا ۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے بھی کہدیا ۔

خیر اب جو یہ گئے ہیں عیادت کیلئے اور قاضی صاحب نے کردیا انکار ملنے سے کہ میں بدعتی کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا مرتے وقت ۔ سلطان جی نے فرمایا خادم سے کہ درخواست کرد کہ بدعتی اتنا بے ادب نہیں ہے اپنی بدعت سے تائب ہوکر حاضر ہونا چاہتا ہے عیادت کیلئے ۔ قاضی صاحب نے اپنا عمامہ دیدیا خادم کو کہ بچھا دد راستہ میں ۔ خادم نے تو بچھا دیا راستہ میں مگر سلطان جی اس عمامہ کو اٹھاتے جاتے تھے اپنے سر پر رکھتے جاتے تھے ۔

(اس موقعہ پر بیان فرماتے ہوئے خود حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم شدت گریہ سے بیان جاری نہ رکھ سکے اور حاضرین بھی مرغ بسمل بنے ہوئے تھے دیر تک یہ کیفیت رہی جب حضرت کچھ قابو میں ہوئے ہیں تب آگے فرمایا ۔)

جب حاضر ہوئے تو قاضی صاحب نے ایک شعر پڑھا ۔

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

جو لوگ کہ مٹی کو ایک نظر میں کیمیا بنا دیتے ہیں کیا یہ ممکن ہے کہ ہماری طرف بھی ایک نظر ڈالدیں ۔ آخری وقت ہے کوچ کر رہے ہیں دنیا سے ۔

تو ذکر کثرت کرنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ قلب کے اندر ایک قوت پیدا فرمادیتے ہیں جو بات قلب میں ہوتی ہے وہ ذکر کی برکت سے دوسرے کے

قلب میں اتاری جا سکتی ہے بڑی سہولت سے اتاری جا سکتی ہے۔ پہلے پہلے اسم کا ذکر تھا جب اس سے مناسبت قوی ہو جاتی ہے تو پھر مسمّٰی کیطرف رجوع کرتے ہیں پہلے اللہ اللہ اللہ کرتے ہیں یہ اسم کا ذکر ہے پھر مسمّٰی کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ جسطرح کسی شخص کو کسی سے محبت ہے جو اس کا محبوب ہے اسکی صورت نظروں میں رہتی ہے کبھی فراموش نہیں ہوتی نماز پڑھتا ہے تو بھی اسکی صورت سامنے کھانا کھا رہا ہے تو بھی اسکی صورت سامنے سوتا ہے تو بھی صورت سامنے۔

لیکن مخلوق جو دنیا وی مخلوق ہے وہ تو جسمانی چیز ہے لہذا یہاں تو جسم کا تصور ہوتا ہے لیکن حق تعالےٰ جسمیات سے بالاتر ہیں پاک ہیں لہذا وہاں بغیر کسی جسم کے حق تعالیٰ کا تصور ہے۔ کسی چیز کا تصور نہیں وہاں تو ذات محض کا تصور ہے جیسے کہ اسکی شان کے لائق ہے۔ اسکی شان ظاہر ہوتی ہے کہیں رازق ہونے کی شان ظاہر ہو رہی ہے کہیں ممیت ہونے کی شان ظاہر ہو رہی ہے کہیں معز ہونے کی شان ظاہر ہو رہی ہے کہیں سلطان ہونے کی شان ظاہر ہو رہی ہے۔ جہاں جہاں دنیا میں جو کچھ ہے اسکی ذات اسطریقہ پر ظاہر ہوتی ہے وہ خود نظر نہیں آتا جسطرح قلب انسان کے سینہ کے اندر بیٹھا ہوا ہے اور وہ کسی کو نظر نہیں آتا خود انسان کو نظر نہیں آتا کہ میرا دل کہاں ہے۔ بادشاہ تو پردہ میں ہوتا ہے سراپردہ لٹکے ہوئے ہوتے ہیں وہاں سے وہ حکم کرتا رہتا ہے قلب حکم کرتا ہے آنکھ کو حکم کرتا ہے ادھر دیکھو فلانی حسینہ کی طرف آنکھ فوراً ادھر نظر کرتی ہے۔ زبان کو حکم کرتا ہے قلب فلاں بات بولو وہ بولتی ہے۔ غرض جتنے کام انسان کے ظاہری اعضاء سے سرزد ہوتے ہیں وہ سب قلب کی ماتحتی میں ہوتے ہیں قلب بادشاہ ہے اسی لئے حدیث میں آتا ہے
اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ

فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جس کے اندر حق تعالیٰ کی طرف سے ایک لطیفہ رکھا ہوا ہے اس لطیفہ کے ماتحت سارے کام ہوتے ہیں اگر اس قلب کی صلاحیت ہو جائے اصلاح ہو جائے تو تمام جسم کے اندر صلاحیت آجاتی ہے۔ قلب کے اندر اصلاح نہ ہو تو تمام جسم کے اندر خرابی ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ نظروں کے سامنے نہیں ہیں غائب ہیں۔ جسطرح انسان کے جسم کا بادشاہ قلب ہے وہ نظروں سے غائب ہے مگر حکم اس کا چلتا ہے ہر شخص جانتا ہے اپنے دل کو ہر شخص اسکے تقاضوں کو جانتا ہے پہچانتا ہے بغیر اسکے کہ اسکی صورت دیکھے اسی طریقہ سے حق تعالیٰ ساری کائنات کے بادشاہ ہیں عالم میں حکم سب کا سب حق تعالیٰ کا چلتا ہے انکی صورت نظر نہیں آتی۔ مسلّم میں ہے سبحانہ ما اعظم شانہ لایحد ولایتصور ولا ینسج ولا یتغیر تعالیٰ عن الجنس والجہات جنس اور جہات سے پاک صاف ہیں صورت سے پاک صاف ہیں مگر حکم ان کا چلتا ہے۔ جیسے قلب نظر نہیں آتا مگر حکم اس کا چلتا ہے۔

یقین ہے اسی طریقہ سے آدمی کے دل میں یقین پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ حکم حق تعالیٰ کا چلتا ہے چاہے انکی صورت نظر نہ آتی ہو یا معلوم نہ ہو کہ کہاں ہیں اور کیسے ہیں اس سے وہ بالاتر ہیں۔ یہ "کہاں اور کیسے" یہ تو سب بعد کی پیداوار ہیں انھیں کی پیدا کردہ ہیں۔ کمیات اور کونیات سب اسکی پیدا کردہ ہیں۔ اس کی ذات محیط نہیں ہے وہ سب سے بالاتر ہے۔

تو جسطرح سے ایک دوست کو دوسرے دوست کا تصور ہر وقت قلب میں رہتا ہے ذہن میں رہتا ہے اس سے کسی وقت غافل نہیں رہتا ہر وقت وہ موجود ہے دفع کرنا چاہتا ہے اس کا تصور تو نہیں دفع کر سکتا۔ تو جسطرح وہ موجود ہے مگر

یہاں یہ بات ہے کہ وہ جسم ہے تو اسکا تصور جسم کے ساتھ ہے اسکی شکل وصورت اسکی چال ڈھال اسکی آواز بھی کان میں آتی ہے۔

آپ کی باتوں کا رہتا ہے مجھے ہردم خیال
جب کوئی بولا صدا کانوں میں آئی آپ کی

بس کوئی بولتا ہے سدا کانوں میں آپ کی آتی ہے یہ محبت کا کرشمہ ہوتا ہے حق تعالیٰ ان چیزوں سے بالاتر ہیں حق تعالیٰ کا تصور اسکے مسمیٰ کا دھیان قلب کے اندر جمنا چاہیئے اس سے کسی وقت میں غفلت نہ ہو۔ ایک دوست دوسرے دوست کو یاد کرتا ہے۔ یہاں کیا ہے بندہ اپنے مالک کو یاد کرتا ہے تو حق تعالیٰ بھی اسکو یاد کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں موجود ہے کہ بندہ میرا ذکر کرتا ہے کسی مجلس میں تو میں اسکا ذکر کرتا ہوں ایسی مجلس میں جو اس مجلس سے بہتر ہے۔ بندہ مجھکو یاد کرتا ہے اپنے دل میں اور تنہائی میں تو میں اسکو تنہائی میں یاد کرتا ہوں۔

توسب سے بڑا ثمرہ ذکر کا کیا ہے کہ یہ حق تعالیٰ کا مذکور بن جائے۔ ذاکر ہے ذکر کرتے کرتے حق تعالیٰ کا مذکور بن جائے کہ حق تعالیٰ کے یہاں اسکا ذکر ہوتا ہے اسکی کوشش کی ضرورت ہے چاہے تسبیح ہو، قرآن پاک کی تلاوت ہو۔ جو چیز بھی ہو اس تصور اور نشاط کیساتھ ہو کہ حق تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں حق تعالیٰ میرے قلب کے اندر موجود ہیں۔ میری زبان جو کچھ بول رہی ہے وہ بھی حق تعالیٰ کے لطف سے بول رہی ہے ان کا لطف نہ ہو تو زبان نہیں بول سکتی یہ تصور جس قدر قائم ہو جائے گا اسی قدر پختگی ہوگی انشاءاللہ تعالیٰ۔

اللہ پاک برکت دے آپ حضرات کی مساعی کو کامیاب فرمائے آپ کے ذکر کے اثرات کو قلب کے اندر پیدا فرمائے غفلت کو دور فرمائے معاصی سے نفرت پیدا فرمائے۔ طاعات کی رغبت پیدا فرمائے اور جتنا کچھ گذر چکا ہے رمضان اسکی ناقدریوں کو معاف فرمائے اور جو باقی ہے اسکی قدردانی کی توفیق دے۔

فوائدِ ذکر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد
فقد قال اللہ تعالیٰ یا ایھا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا۔
اس آیت شریفہ میں ایمان والوں کو خطاب کرکے فرمایا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو، اللہ کے ذکر کی کثرت کرو۔ کتنی کثرت کریں اُس کی کچھ حد بیان نہیں کی گئی۔ اللہ والوں نے اس آیت کو سمجھا اور ذکر کی کثرت کی اتنی کثرت کی اتنی کثرت کی کہ اس کا شمار کرنا دشوار ہوگیا۔
ایک روایت میں ہے کہ اللہ کا ذکر اتنا کرو کہ لوگ کہنے لگیں کہ پاگل ہوگیا دیوانہ ہوگیا۔
حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب مدظلہٗ نے چار قسم کی قلت بیان فرمائی تھی جو مشائخ نے بیان کر رکھی ہے۔ ایک قلتِ کلام، آدمی کم بولے۔ ایک قلت طعام، آدمی کم کھائے۔ ایک قلتِ منام، آدمی کم سوئے۔ ایک قلت اختلاط مع الانام، لوگوں سے کم ملے۔ یہ چار قسم کی قلتیں تھیں جو اسلاف نے اصلاح باطن کیلئے تجویز فرمائی ہیں۔ مشائخ تو بڑے معالج و مدبر ہیں۔ نفس کی کید سے نفس کی شرارت سے پورے طور پر واقف اور ماہر ہیں وہ جانتے ہیں کہ نفس کن کن راہ سے آدمی کو غلطی میں مبتلا کرتا ہے اس لئے ان کی تدبیریں کی، سارے چور دروازے بند کئے۔

پھر فرمایا تھا کہ ہمارے شیخؒ نے ہماری دکھتی رگ کو پکڑا تھا اور وہ کیا ہے قلتِ کلام ۔ فرمایا تھا کہ جتنا جی چاہے کھالو۔

سونے کے لئے کہدیا کہ جتنا جی چاہے سولو۔ ہمارے احباب نے ماشاء اللہ جو کہ نیند کیطرف سے وسعت تھی اس کو خوب اختیار فرمایا اتنے سوئے اتنے سوئے ذکر کرنے کے بعد دیکھو تو سب کا سب مجمع سو رہا ہے، رات کو دیکھو تو سارے کا سارا مجمع سو رہا ہے۔ اور انھوں نے بھی سمجھ لیا کہ بس دل کی رگ ہم نے پکڑ لی۔ خوب سولیں گے تو قلتِ کلام بھی اس سے حاصل ہے، قلتِ طعام بھی حاصل ہے، قلت اختلاط مع الانام بھی حاصل ہے۔ ساری چیزیں اس میں حاصل ہو جائیں گی۔ ایک قلت کو کثرت سے بدل دیا بقیہ ساری قلتیں اسی کے اندر جمع ہو گئیں۔

اسی واسطے مجھے آج عرض کرنا ہے کہ ان کے کلام کا یہ مطلب لینا صحیح نہیں۔ ہر شئ کی ایک حد ہوتی ہے۔ کوئی شئ اپنی حد سے آگے بڑھ جائے تو غلط ہے۔ سونا بھی ضروریاتِ ستہ میں سے ہے۔ انسان کی صحت کے لئے جو چیزیں اطباء نے بیان کی ہیں۔ کھانا پینا، سونا جاگنا، پاخانہ، پیشاب یہ چھ چیزیں صحیح رہیں گی اعتدال میں رہیں گی تو نظام جسمانی درست رہیگا، صحت رہے گی۔ اور اگر کسی ایک چیز میں فرق آگیا تو نظام جسمانی خراب ہو جائے گا۔ اس لئے سونے کی بھی ایک حد ہے۔

بزرگوں کا حال تو یہ تھا کہ وہ تو بہت کچھ تھے۔ جن حضرات کو ہم نے دیکھا سنا اُن کے متعلق بہت کچھ دیکھا۔

سہارنپور مدرسہ مظاہر کے ناظم حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ تھانہ بھون حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ کبھی کبھی حاضر ہوتے تھے۔ بزرگوں کی مجلس میں جانا بڑے اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ وہاں ایک

مرتبہ عرض کیا حضرت بہت دن ہو گئے وعظ سنے ہوئے۔ جی چاہتا ہے وعظ فرمادیں۔ حضرت تھانویؒ نے جواب دیا سترہ راتیں ہو چکیں بالکل نہیں سویا، نیند نہیں آتی دعاء کیجئے۔ اسی روز دعا کی گئی۔ صبح فرمایا کہ آج رات میں پونے دو گھنٹے سو ہی گیا۔ آج وعظ کہدوں تو سترہ راتیں مسلسل گذر جائیں اور نہ سوئیں۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے دیوبند میں ایک مرتبہ عرض کیا گیا۔ تقریر کیلئے کھڑے ہوئے تو فرمایا نیند مجھ کو بہت پریشان کرتی ہے۔ گیارہ راتیں گذر چکیں کہ لیٹنے کی نوبت نہیں آئی۔ نیند کا غلبہ ہے تھوڑی دیر سو لوں تو اس کے بعد تقریر کروں گا۔ چنانچہ دوپہر کو سوئے پھر ظہر کی نماز کے بعد تقریر کی۔ گیارہ راتیں ایسی گذریں کہ لیٹنے کی نوبت نہیں آئی۔

ایسا حال تھا ان حضرات اکابر رحمہم اللہ کا۔

مولانا اعزاز علی صاحبؒ دیوبند کے مدرس تھے، دلی حکیم جمیل الدین صاحب کے یہاں گئے، نبض دکھلائی پوچھا انھوں نے کیا بات ہے سردی بخار ہے پیٹ میں درد ہے؟ کہا کچھ نہیں۔ پھر بتلایا کہ میں پہلے دو دو ہفتے مسلسل جاگ لیتا تھا، دماغ میں کمزوری معلوم نہیں ہوتی تھی۔ اب دس روز بھی جاگ لیتا ہوں تو دماغ میں کمزوری معلوم ہوتی ہے۔ یہ کیفیت ہے خود ہمارے شیخ رحمہ اللہ فرمارہے تھے۔ نصیحت کررہے تھے کہ بھائی کچھ کرلو، محنت کرلو محنت کرنے کا زمانہ ہے۔ فرمارہے تھے کہ جس سال میں نے نسائی شریف پڑھی تھی اس سال محنت کی تھی، پانچ مہینے میں وہ کتاب ختم ہوتی تھی تو پانچ مہینے تک کھانا اپنے ہاتھ سے نہیں کھایا، بہن کھانا لے کر پاس آ بیٹھتی تھی وہ نوالہ بناکر منہ کے قریب لاتی میں منہ کھول دیتا تھا، نگاہ کتاب پر رہتی تھی

کہ حرج ہوگا، پانچ مہینے کھانا اپنے ہاتھ سے نہیں کھایا۔ فرمایا ایک زمانہ دراز تک یہ کیفیت رہی کہ صبح کی اذان سے جماعت تک کا وقت اتنا وقت سوتا تھا باقی دن میں رات میں بالکل سونے کا موقع نہیں ملا۔ رات دن علمی کام میں لگے رہتے تھے۔ اب ہم لوگ ان کی حرص نہیں کرسکتے انکو قدرت قدسی حاصل اللہ کیطرف سے تھی۔ نصرت کا راستہ وہی ہے اُس راستہ کو اگر پورے طور پر اختیار نہ کرسکیں حرص تو کریں جتنی وسعت ہو اپنے میں اتنا تو اختیار کریں۔

تقلیل طعام والوں کا حال بھی عجیب تھا۔ اسی ذیل میں فرصت کے نہ ملنے پر شیخ کے والد مولانا یحییٰ صاحبؒ کو گنا کھانیکا شوق تھا۔ دس برس تک گنا کھانے کی فرصت نہیں ملی کہ گنا کھا سکیں۔ ہر وقت پڑھانا لکھانا ہی ہوتا تھا۔

امام اوزاعیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالوہاب شعرانی کی میزان کبریٰ میں ہے کہ ایک مہینہ میں ایک مرتبہ بیت الخلاء جاتے قضائے حاجت کیلئے۔ مگر جب ضعیف ہوگئے بیمار ہوگئے تو جو شخص ان کی عیادت کے لئے آتا تو ان کی والدہ کہا کرتیں میرے بچہ کے واسطے دعا کرو معدہ کسی کام کا نہیں رہا۔ مہینہ بھر میں دو مرتبہ بیت الخلاء جانے لگا ہے۔ اس تعجب کے ساتھ افسوس کے ساتھ کہا کہ دو مرتبہ جانے لگا ہے مہینہ بھر میں دعا کرو میرے بچہ کے لئے۔ ان حضرات کے یہ حالات ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جس بندہ کو جس کام کے لئے متعین فرماتے ہیں اس کے لئے آسانی دیدیتے ہیں کل میسر لما خلق لہ۔ جو شخص جس کام کے لئے پیدا کیا گیا وہ کام اس شخص کے لئے آسان کردیا گیا۔

لیکن انسانوں کو ضرورت ہے حق تعالےٰ سے مانگنے کی۔ دینے کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ بندہ جو کچھ مانگے حق تعالےٰ کیطرف سے

انکار نہیں اس لئے کہ یہاں ہم سب مانگنے کیواسطے آئے ہوئے ہیں۔ خاص کر یہ مبارک مہینہ مانگنے کا ہے، خداوند تعلےٰ کیطرف سے عطا فرمانے کا ہے۔ جس چیز کو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے قابو کی نہیں۔ حق تعالےٰ سے مانگیں حق تعالیٰ قابو کی بھی بنادیں اُسے کچھ بعید نہیں اسی کی ذات عالی ہے۔ اس کے یہاں کوئی چیز مشکل نہیں۔ ہمارے لئے مشکل ہے لیکن جس چیز کو وہ آسان فرمادیں وہ ہمارے لئے بھی آسان ہے۔

اس طریقہ پر سونا کہ رات میں سارا کا سارا مجمع سوتا رہے یہ مناسب طریقہ نہیں ہے۔ خداوند تعالےٰ کیطرف سے رحمت کے نعمات آتے ہیں، اللہ تعالیٰ کیطرف سے عطایا ہوتے ہیں۔ اگر سب کے سب سو رہے ہوں تو واپس چلے جاتے ہیں آکر۔ اس لئے اس کا اہتمام چاہئے کہ کچھ جاگنے والے بھی رہیں۔ کوئی اپنی طرف سے لینے والا ہو، کوئی اپنے ساتھی کیطرف سے لے لینے والا ہو۔ اسی لئے اگر ہم سب مل کر آپس میں جس کو جس سے مناسبت ہو ایک ترتیب قائم کرلیں کہ رات کے تین حصے بنالیں اور چھ آدمی مثلاً مقرر ہو جائیں آپس آپس کے۔ ان چھ میں سے دو آدمی تو رات کے ایک پہلے پہر تہائی حصے میں جاگیں گے، دو سوتے رہیں گے۔ اور جب ان کے سونے کا وقت آوے تو دو کو اور جگادیں۔ رات کے درمیانی حصے میں ایک تہائی حصے میں وہ دو جاگ لیا کریں، رات کے تین حصے میں تیسرے دو جاگ لیا کریں۔ اس طریقہ پر ہو جائے تو اچھا ہے۔

سہارنپور میں جب اعتکاف ہوتا تھا تو وہاں مدرسہ کی مسجد بھری ہوتی تھی ہمیں نہیں معلوم کہ ساری رات ایسی گذری ہو کہ کوئی جاگ نہ رہا ہو بلکہ دو آدمی یہاں کھڑے ہوئے ہیں ان کا ایک امام دو آدمی وہاں کھڑے ہوئے ہیں ان کا ایک امام دو آدمی وہاں کھڑے ہوئے ہیں ان کا ایک امام کئی کئی

قرآن شریف اسی طریقہ پر ختم کرتے تھے ایک امام پڑھ رہا ہے دو مقتدی کھڑے سن رہے ہیں اس طریقہ سے یہ صورت تھی اور اب بھی بعضے مدارس میں یہ دستور ہے۔ ایک دفعہ دیکھا ایک جگہ پر جانا ہوا کہ مغرب کی نماز پڑھی اور جناب طلبہ کھڑے ہو گئے۔ ایک امام ایک مقتدی ایک امام دو مقتدی وہ کھڑا سنا رہا ہے اس نے آدھا پارہ سنایا پھر یہ پیچھے آگیا اس دوسرے نے سنایا اس طریقہ پر رات بھر گذر جائے۔ وہ سونا بالکل ٹھیک ہے برحق ہے لیکن اتنا سونا کہ جس سے جو اصل کام ہے وہ بھی ختم ہو جائے۔ یہ تو نہیں چاہیئے۔ اللہ کیطرف سے تو اعلانات ہوں کہ کوئی مانگنے والا ہے اور یہاں سارے سو رہے ہوں یہ تو بڑی محرومی کی بات ہے ہمارے واسطے یہاں جگانے میں کچھ مشکل نہیں۔ گھڑی ہر ایک کے پاس موجود، دوسرے جاگنے والے موجود۔ جگا سکتے ہیں اور جتنی ضروریات ہیں وہ ساری ضروریات موجود۔ سارے اسباب کے ہوتے ہوئے بھی آدمی کام نہ کرے غفلت میں گذارے یہ بڑی کوتاہی کی بات ہے۔ اسواسطے درخواست یہ ہے کہ رات میں آپس میں مل ملا کر ایک دوسرے کے ساتھ وہ سمجھوتہ کر لیں کہ بھئی ایک سنائے، ایک آدمی اس کے پیچھے سنتا رہے۔ دوسرا سنائے اس کے پیچھے اور سنتا رہے۔ اس طریقہ پر ماشاء اللہ حافظوں کی کمی نہیں حافظ بھی کثرت سے یہاں موجود ہیں، سننے والے بھی ہیں۔ اس لئے جتنی نیند باقی رہ جائے اس کی کسر دن میں پوری کر لیں۔ رات کا سارا حصہ اس طرح سونے میں گذر جائے یہ بہت غیر مناسب چیز ہے۔

ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا تین آدمی جن کو اللہ تعالےٰ محبوب رکھتے ہیں ان میں سے ایک شخص کو بتایا کہ لوگ سفر میں جا رہے ہیں چلتے چلتے کسی منزل میں ٹھہرے تھک تھکا گئے تھے، سب سے زیادہ محبوب

چیز ان کو نیند تھی، سر تکیہ پر رکھدیا اور لیٹ گئے۔ اُن میں سے ایک شخص اٹھا اور تنہائی میں آکر میرے سامنے قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگا اور میری خوشامد کرنے لگا مجھ سے مانگنے لگا۔ اللہ تعالےٰ کا بہت محبوب ہے وہ شخص جبکہ سب کے سونے کا وقت ہو، نیند کا غلبہ ہو ایسے وقت میں آدمی نیند کو قربان کرکے حق تعالےٰ کے دربار میں حاضر ہو جائے کتنا اچھا ہے۔

جو چیز محبوب ہوتی ہے اس کی خاطر نیند قربان کی ہی جاتی ہے۔ اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ آج ہوائی جہاز سے آپ کے فلاں بزرگ تشریف لا رہے ہیں، آپ کے والد محترم آرہے ہیں۔ چاہے کتنی ہی نیند کا غلبہ ہو لیکن نیند آہی نہیں سکتی اس واسطے کہ ان کو لینے جانا ہے، اُن کو لانا ہے جاکر، اُن کا اعزاز کرنا ہے ان کی محبت کا تقاضا ہے۔ اسی واسطے جتنے جھنجھٹ ہوں گے سارے ہی برداشت کریں گے۔ روشنی کا بھی انتظام کریں گے، سواری کا بھی انتظام کریں گے، جگانے کا بھی انتظام کریں گے غرض یہ نہیں ہوگا کہ کسی بات کیوجہ سے جانے سے رک جائیں بارش ہو رہی ہو تو اس کا بھی انتظام کریں گے، سردی ہو رہی ہو تو اس کا بھی انتظام کریں گے۔ غرض جانا ہے یہ طے کرلیا کہ جانا ہے جب جانا ہے تو راستے میں جتنی رکاوٹیں ہیں ان کو دور کرنا ہے۔ اگر کسی کو جانا ہی نہ ہو اس کے قلب میں وہ جذبہ ہی نہ ہو، وہ داعیہ ہی نہ ہو وہ ذرا سی باتوں پر بہانہ کریگا ارے صاحب سوتے رہ گئے۔ گاڑی نہیں ملی تھی، گاڑی میں پٹرول نہیں تھا، ڈرائیور نہیں تھا، روشنی کا انتظام نہیں تھا، ارے بارش ہو رہی تھی کون جائے۔ غرض یہ کہ ایک ایک چیز کو آڑ سمجھ کر بہانہ کرکے وہ تو رک جائیگا اس لئے کہ اس کے قلب میں وہ داعیہ نہیں۔ جس کے قلب کے اندر وہ داعیہ ہے اس کی کیفیت اور ہوتی ہے، اس کی شان دوسری ہوتی ہے۔ اسی لئے ہم لوگ یہاں جمع

ہوئے ہیں، اسی داعیہ کی خاطر سب کے سب ایک جگہ پر جمع ہیں، ایک مقصد لیکر آئے ہیں۔ سب کے قلوب ایک نقطہ پر ہیں کہ اللہ کو راضی کرنا ہے، گناہوں کو معاف کرانا ہے، اس مہینہ کو وصول کرنا ہے۔ اس نقطہ میں سارے کے سارے متفق ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اور دنیا بھر کے مسائل میں اختلاف ہو لیکن یہاں پر یہ جماعت اسی ایک نقطہ پر اسطرح جمع ہے کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں جب کسی کا اختلاف نہیں تو پھر اس کو وصول کرنا چاہیئے، اس کو اختیار کرنا چاہیئے اس میں کوتاہی نہیں چاہیئے۔ ذکر کے فوائد مولانا عبدالحلیم صاحب دامت برکاتہم نے بہت بیان فرمائے تھے۔ صحبت شیخ معیت صالح ترا صالح کند بڑی چیز ہے۔ ایک چیز میں بعض آدمی کو شبہ پیدا ہوا۔ مثال طواف کرنا افضل ہے یا اپنے بزرگ کی صحبت کو اختیار کرنا افضل ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کرنا افضل ہے یا اپنے بزرگ کی صحبت کو اختیار کرنا افضل ہے۔ شیطان اور نفس دونوں مل کر اس قسم کے شبہات طبیعتوں میں ڈالتے ہیں۔ یہ شبہ بھی ڈالا گیا۔ اس لئے بات کو صاف صاف طور پر سمجھ لینا۔ بزرگوں کی صحبت میں بیٹھکر طواف کرنیکا طریقہ معلوم ہوگا۔ طواف کا ادب معلوم ہوگا۔ یہ معلوم ہوگا کہ طواف کس طرح حق تعالٰے کے یہاں مقبول ہوتا ہے۔ طواف آدمی کرے غلط طریقہ پر کرے آداب کی رعایت کرتے ہوئے نہ کرے گھومنے کو تو گھوم ہی رہا ہے۔ مشرکین بھی گھوما کرتے تھے بیت اللہ کے گرداگرد لیکن حقیقی ثواب تو جبھی میسر ہوگا جب قلب میں نیت صحیح ہو اور داعیہ صحیح ہو اور آداب و شرائط کے مطابق طواف ہو۔ یہ چیز بزرگوں سے حاصل ہوتی ہے۔ ان کی خدمت میں بیٹھ کر بہت ملتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے ورنہ نفس تو ہر طرح کی شرارتوں پر آمادہ کرتا رہتا ہے۔

ایک بزرگ کی خدمت میں ان کے ایک مرید نے خط لکھا کہ آپ نے مجھے ذکر کی تعلیم فرمائی تھی لیکن یہ نہیں بتایا کہ ذکر زور سے کیا کروں یا آہستہ ۔ میں آہستہ کرتا ہوں اس واسطے کہ اگر زور سے کروں گا تو کسی کی نیند میں خلل پڑیگا۔ دوسرے کی نیند میں خلل ڈالنا تو مناسب نہیں۔ دوسرے یہ کہ لوگ دیکھ لیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ میں ذکر کر رہا ہوں، لوگ مجھے بزرگ سمجھیں گے ان کے بزرگ سمجھنے کی وجہ سے میری طبیعت کے اندر خود بڑائی پیدا ہوگی۔ ریاکاری پیدا ہوگی۔ اسی وجہ سے میں نے تجویز یہ کیا کہ آہستہ ذکر کروں اس پر ان بزرگ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ جی نہیں بات دوسری ہے آپ ذکر زور سے کیا کریں اور گھر میں جہاں سب سوتے ہیں وہاں نہ کیا کریں بلکہ مسجد میں جاکر کیا کریں جہاں کوئی نہیں سونے والا۔ اتنے چلّا کر نہ کریں کہ پڑوس والے جاگ جائیں، پریشان ہوں اور یہ بات کہ لوگ بزرگ سمجھیں گے۔ بزرگ کیا سمجھیں گے۔ جب سر گھما کے وہاں بیٹھ کر ذکر کروگے تو سمجھیں گے پاگل ہے، دماغ خراب ہو رہا ہے۔ شیطان نے نفس نے یہ کہا کہ لوگ بزرگ نہ سمجھنے لگیں اس واسطے آہستہ ذکر کیا کرو۔ بات دوسری ہے بات یہ ہے کہ بزرگ سمجھنے کی ترتیب بتائی ہے کہ جب گردن جھکا کے آنکھیں بند کر کے بیٹھیں گے تو اس وقت لوگوں کو معلوم ہوگا کہیں گے حضرت ملاء اعلیٰ کی سیر کر رہے ہیں۔ عرش اعظم کے قریب ہیں یہاں نہیں ہیں۔ ایسی ترکیب بتائی جس سے لوگ بزرگ سمجھیں اور یہ کہہ کر بتائی کہ لوگ بزرگ نہ سمجھیں۔ یہ نفس کا کھیل ہے اور اس میں چھپی ہوئی بات ایک اور ہے وہ یہ کہ انسان کے نفس میں کمزوری ہے، اس سے پابندی ہونا دشوار ہے۔ جب آپ زور سے ذکر کریں گے دو چار آدمیوں کو تو معلوم ہو ہی جائے گا۔ آپ رات میں اٹھتے ہی تہجد پڑھتے ہیں،

ذکر کرتے ہیں پھر کسی روز ایسا ہوگا کہ نیند کا غلبہ ہوگا آپ نہیں اٹھ پاویں گے تو سب کو پتہ چل جائیگا کہ آج یہ اٹھے نہیں۔ تو اس کے اوپر پردہ ڈالنے کے لئے نفس نے یہ ترکیب بتائی ہے کہ اپنی اس کمزوری کا کسی کو احساس نہ ہونے پائے خاموشی کے ساتھ میں ذکر کیا کرو یہ ترکیب بتائی ہے نفس نے۔ اس لئے نفس ایسی ایسی ترکیبیں بتاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خیر کی ترکیبیں بتاتا ہے ہمدردی کی ترکیب بتلا رہا ہے۔ لیکن اس کے اندر اتنی خرابی موجود ہے۔

ایک بزرگ کی خدمت میں ایک شخص نے خط لکھا کہ میں نفلیں مسجد میں نہیں پڑھتا۔ لوگوں کے سامنے نفلیں پڑھنے میں شرم معلوم ہوتی ہے حیا معلوم ہوتی ہے اسی لئے گھر جاکے تنہائی میں پڑھتا ہوں، سنتیں بھی وہیں پڑھتا ہوں۔ تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ نہیں آپ مسجد میں ہی پڑھا کریں۔ رہا حیاء کا معاملہ تو حیاء و شرم کے واسطے اور کام بہتیرے ہیں اُن میں شرم حیاء کرلیا کرنا۔ جو حیاء و شرم کے کام ہیں ان میں شرم و حیا کیوں نہیں آتی۔ اور جو کام نہیں ہیں ان میں شرم و حیا کی جاتی ہے تو خیر کا یہ نکتہ بتلا کر روکنا چاہتا ہے نفس اور شیطان بس دونوں سمجھوتہ کئے ہوئے ہیں، ایک دوسرے کی پوری نمائندگی کرتے ہیں۔ اسی لئے بزرگوں کی صحبت میں بہت کچھ حاصل ہوتا ہے، نفس کا جو کید ہوتا ہے وہ صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔

ایک بزرگ کی خدمت میں[ل] دو بزرگ ایک سفر میں ایک ساتھ گئے۔ ان میں ایک بڑے تھے ایک چھوٹے کسی شخص نے اس سفر میں اس چھوٹے بزرگ کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا۔ ایک گھڑی ان کے یہاں ہدیہ قبول کرنیکے لئے شرائط تھے

ل حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری

تاہم استثنیٰ بھی تھا۔ انھوں نے قبول کرلی۔ دوسرے بزرگ جو بڑے تھے انھوں نے
دوسرے وقت تنہائی میں ان سے کہا کہ اگر یہ گھڑی آپ کی ضرورت سے زائد ہو تو
فروخت کردیں گے مجھ کو۔ انھوں نے جواب دیا کہ اس میں خریدنے کی کیا بات
ہے میں بھی آپ کا گھڑی بھی آپ کی۔ یہ آپ کی خدمت میں ہدیہ ہے قبول کرلیجئے
انھوں نے فرمایا کہ اب قبول کرنے کے کوئی معنیٰ نہیں۔ کہ میں خریدنے کی ابتداء
کرچکا۔ اگر بغیر میرے خریدنے کے ابتداء کے آپ پیش کرتے تو ایک بات تھی
لیکن جو میں خود ابتداء کرچکا ہوں خریدنے کی، ہدیہ کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ تھوڑے
سے ردوقدح کے بعد بیع ہوگئی خریدلی۔ یہ تنہائی میں معاملہ ہوا لیکن بات تو
چھپی نہیں رہتی۔ وہ پہنچ گئی اس شخص کے پاس بھی جس نے ہدیہ پیش کیا
تھا۔ اس کے دل میں گرانی ہوئی اس خیال سے کہ میں چاہتا تو روپئے پیش
کرسکتا تھا۔ میرا مقصود تو یہ تھا کہ میری گھڑی حضرت کے استعمال میں رہے گی
اُن کی گرانی کی خبر اُن بزرگوں کو پہنچ گئی۔ بزرگ لوگوں کی رعایت و دلداری بھی
کیا کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے بڑے بزرگ سے کہا حضرت وہ
گھڑی واپس کردیں۔ انھوں نے فرمایا کیوں کیا خیارِ شرط تھا اس میں۔ کہا نہیں
خیارِ شرط تو نہیں تھا۔ جنھوں نے مجھے ہدیہ میں دی تھی ان کو گرانی ہوئی۔ فرمایا
کیا یہ شرط تھی کہ اگر ان کو گرانی ہوگی تو واپس کردی جائے گی۔ یہ شرط بھی نہیں
تھی، مجھے حق تو کوئی نہیں رہا۔ قانون کی رُو سے شرعی قواعد و مسائل کے
اعتبار سے۔ اب آپ اقالہ فرمالیں۔ انھوں نے فرمایا اقالہ کے لئے طرفین کی
رضامندی شرط ہے۔ میں تو رضامند نہیں اقالہ پر۔ انھوں نے فرمایا آپ میرے
بڑے ہیں، میں چھوٹا ہوں۔ بڑے چھوٹوں کی خاطر رضامند ہوجایا کرتے ہیں۔
کوئی بات نہیں ہمیں تو آپ کی شفقتیں مجھ پر بہت ہیں۔ رضامند ہوجائیے!

انھوں نے فرمایا ہاں میں ضرور رضامند ہو جاتا مگر بات یہ کہ گھڑی میں نے اپنے لئے نہیں خریدی۔ مجھے میرے ایک دوست نے کہا کہ میرے لئے گھڑی خرید لینا۔ میں نے ان کی نیت سے خریدی۔ انھوں نے مجھے وکیل بنایا تھا خریدنے کا۔ چونکہ میں انکی نیت سے خرید چکا ہوں اسلئے یہ گھڑی ان کی ملکیت ہو گئی۔ اور وکیل کے جو تصرفات ہوتے ہیں وہ اعطاء مؤکل کے حد تک محدود رہتے ہیں لہٰذا انھوں نے مجھے وکیل بنایا تھا خریدنے کا۔ میں نے خرید لیا۔ اب میری وکالت ختم ہو گئی۔ انھوں نے وکیل نہیں بنایا تھا بیچنے کا کہ میں یہ گھڑی بیچ بھی دوں۔ بات ختم ہو گئی۔

دوسرے وقت مجلس میں جب وہ صاحب بھی آئے جنھوں نے گھڑی ہدیہ میں پیش کی تھی تو ان بزرگ نے وہ گھڑی ان بزرگ کو دیدی جن سے خریدی تھی۔ جب دینے لگے تو انھوں نے کہا کہ آپ نے تو یہ فرمایا تھا کہ یہ گھڑی میں نے اپنے لئے نہیں لیا بلکہ یہ گھڑی دوسرے کیلئے خریدی ہے۔ اس نے وکیل بنایا تھا۔ وکیل کے تصرفات تو اعطاء مؤکل کے حد تک رہتے ہیں۔ بس تصرف میرا ختم ہو گیا اب مجھے تو بیچنے کا اختیار نہیں رہا۔ تو فرمایا بات بالکل اسیطرح سے ہے۔ لیکن مجھے توقع ہے میں ان سے کہوں گا۔ میں نے آپ کے لئے گھڑی خریدی تھی پھر میں نے اپنی ایک مصلحت سے فروخت کر دی۔ واپس کر دی تو ان کو گرانی نہیں ہو گی۔

یہ ذرا سی بات پیش آئی ان حضرات کی، اس سے کتنے مسائل تازے ہوتے ہیں۔ جو شخص ہدیہ پیش کرے اس کے لئے کیا چیز لحاظ رکھنی چاہئے، آداب میں سے کیا ہے۔ جب ہدیہ پیش کر دیا انھوں نے قبول کر لیا نیت پوری ہو گئی۔ اب یہ کہ اس میں کوئی تصرف ایسا کریں کہ ان کی گرانی کا باعث بنے یہ نہیں

پوچھ سکتے۔ جب گھڑی ان کو دیدی انکی ہوگئی۔ چاہے خود رکھیں چاہے کسی کو ہدیہ کریں چاہے فروخت، جو بھی چاہے کریں۔ یہ بہت غلط طریقہ ہے کہ آدمی یوں سوچے کہ جس طور پر میں چاہتا ہوں اس طور پر اس کو استعمال کریں۔ ان کے تصرفات کو محدود کرنا چاہتا ہے۔ پھر یہ بھی ہدیہ کرنے میں کس قدر رعایت وہمدردی کی ضرورت ہوتی ہے، خیرخواہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ بسااوقات آدمی ہدیہ پیش کرتا ہے اخلاص کے ساتھ۔ اگراس کو رد کردیا جائے تو بڑی ناگواری ہوتی ہے۔ اسلئے اس ناگواری وگرانی سے بچانا بھی معلوم ہوگیا ہے اور یہ بھی ہدیہ دینے والے کی ہمدردی وخیرخواہی کی جانیکے۔ اس کے لئے بھی پوری کوشش کرنی چاہئے۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مسائل شرعیہ میں کسی کی ہمدردی وخیرخواہی کیوجہ سے تصرف وتغیر جائز نہیں۔ جو مسئلہ شرعی طور پر ہے وہ اپنی جگہ پر ہے کسی کی خاطر اس میں تغیر وتبدل کرلیا جائے اس کی اجازت نہیں۔ غرض یہ کہ بزرگوں کی مجلس میں بیٹھ کر ذراذراسی بات میں بہت سارے مسائل واضح ہوتے ہیں اور دل روشن ہوتا چلا جاتا ہے، رحم کا دروازہ کھل جاتا ہے، حقائق ومسائل سامنے آجاتے ہیں اسی لئے صحبت میں بڑے فائدے ہیں۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کے ایک خط میں موجود ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب اہل علم کسی غیر عالم کے ہاتھ پر بیعت ہوتے ہیں تو ان کا منشاء یہ نہیں ہوتا ہے کہ غیر عالم سے مسائل دریافت کریں بلکہ منشا یہ ہوتا ہے کہ جو مسائل کتابوں میں پڑھے تھے اپنے اساتذہ سے، نفس کی سستی وجہ سے ان پر عمل نہیں ہوتا تھا صاحب نسبت بزرگ سے بیعت ہوتے ہیں تاکہ ان کی نسبت کی برکت سے ان مسائل پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ چنانچہ یہ ہوتا ہے آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت گنگوہیؒ نے جس وقت میں بیعت کی سنا ہے حاجی امداداللہ صاحبؒ

سے پہلے ہی شرط کرلی تھی کہ مجھ سے تہجد نہیں پڑھا جانے کا۔ اس وقت حاجی صاحبؒ نے فرمایا آپ ہی آپ شرط کر رہے ہو کس نے کہا ہے تم سے پڑھنے کو بیعت فرمالیا رات کو لیٹتے وقت چارپائی برابر میں رکھی اپنے۔ جہاں حضرت حاجی صاحبؒ کی چارپائی وہیں حضرت گنگوہی کی چارپائی۔ اپنے وقت پر حضرت حاجی صاحبؒ اپنے معمولات کیلئے اٹھے، بس حضرت گنگوہیؒ کی بھی آنکھ کھلی، ذرا کروٹ بدلی لیکن نہیں لیٹا گیا، کھڑے ہوئے اور اٹھ کر انھوں نے بھی تہجد پڑھا۔

اور جو ذکر کہ تلقین کیا تھا وہ ذکر کیا اور ساری عمر اخیر تک نہ تہجد چھوٹا نہ ذکر چھوٹا وہ صحبت کی برکت ہے۔ گو بزرگوں کی صحبت کا فیض بڑا عجیب ہوتا ہے مگر آدمی ذرا خالی الذہن ہو کر بیٹھے، اپنے پیالے کو قلب کے پیالے کو خالی کر کے بیٹھے تو اس کے اندر کچھ آئیگا۔ مگر قلب کے اندر بہت کچھ ادھر ادھر کا بھرا ہوا ہے تو اس کے اندر آنے کی چیز ہی نہیں۔ بزرگوں کی صحبت سے بہت کچھ حاصل ہوتا ہے۔ ان کے پاس بیٹھ کر ان کی سنتوں کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کیسی زندگی گذارنی چاہئے کیا طریقہ ہے زندگی گذارنیکا۔ ایک ایک چیز میں کتنی احتیاط برتتے تھے۔ انھیں حضرات کے اخلاص کی برکت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کا فیض عالم میں پہنچایا، بہت دور دور تک پہنچایا۔

بات دوسری طرف چل پڑی میں نے آیت تو پڑھی تھی یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا " اے ایمان والو اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

حدیث شریف میں ہے اُذْکُرُوا اللّٰہَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا مَجْنُوْنٌ " اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ کہنے لگیں کہ یہ مجنون ہے "

بزرگوں نے مشائخ نے ذکر کے واسطے فرمایا ہے کہ ذکر کی چند صورتیں

ہیں۔ ایک ذکر قلبی ہوتا ہے، ایک لسانی ہوتا ہے۔ ذکر قلبی تفکر کرنا اللہ کی مخلوقات میں اللہ کی صفات میں اللہ کے افعال میں۔ اللہ تعالےٰ نے کیا کیا کام کئے کس طرح سے اپنے احسانات عطا فرمائے، اپنے پاک نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ہماری ہدایت کیلئے بھیجا، اس کا تصور کرے آدمی۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی کتنی بلند ہے، سارے پیغمبروں کے سردار سب سے زیادہ مقرب۔ ان کو ہماری ہدایت کیلئے بھیجا۔ انھوں نے تشریف لاکر کیا کیا کام فرمائے، کیسی کیسی ہدایت دی، کیسی کیسی نصیحتیں کیں امت کی خاطر کیسی کیسی مشقتیں برداشت کی آپ نے شکم مبارک پر پتھر باندھے، کئی کئی روز کے فاقے گذارے، روزے رکھے پتھر کھائے، گالیاں کھائیں، طعنے سنے، آپ گھر سے نکالے گئے۔ یہ ساری باتیں اللہ کی خاطر امت کو راحت پہنچانے کے لئے، امت کو ہدایت دینے کیلئے حضورؐ نے برداشت کیں۔ آدمی غور کرے۔

آسمان کی خلقت میں زمین کی خلقت میں آدمی غور کرے۔ اللہ تبارک و تعالےٰ نے کیسے کیسے درخت پیدا فرمائے، غلے پیدا فرمائے جانور پیدا فرمائے ہماری نفع رسانی کے لئے آخر ہمیں بھی تو کسی کام کے لئے پیدا کیا ہوگا۔ اس لئے جتنا اس میں غور کرے گا ایک قسم کا ذکر ہے۔

پھر بعض اکابر نے قلب کے ذکر کی بھی صورتیں بتلائی ہیں، اس کے لئے اذکار بہت سارے تجویز فرمائے۔ ذکر قلبی، ذکر روحی، ذکر سری اور خدا جانے کیا کیا آج کل بہت کم بتلاتے ہیں کہ کتابوں میں موجود ہے، بزرگوں کی تربیت میں موجود ہے مگر آج کل بہت کم بتلاتے ہیں۔ طبائع میں صلاحیتیں کم ہیں قلوب برداشت نہیں کر پاتے ذرا سی خبر ہوتی ہے دوسری حالتیں منکشف ہونی شروع ہوتی ہیں، خدا جانے کیا کیا خیالات آتے ہیں اپنے قلب میں قائم

کرنا شروع کر دیتے ہیں، بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ بہت ہی سیدھا راستہ سنت کا راستہ ہے جو نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے اتباع سنت کا راستہ بہت سہل و آسان راستہ ہے حق تعالےٰ تک پہنچنے کا۔

جو حضرات علم دین میں مشغول ہیں وہ خدا کے ذکر میں لگے ہوئے ہیں۔ قرآن کریم کی تعلیم ہے حدیث کی تعلیم ہے۔ ہفتہ کی تعلیم ہے یہ سب ذکر ہیں۔ نیت صحیح چاہئے۔ نیت اگر درست ہے انشاء اللہ یہ ساری چیزیں بہت کارآمد ہیں اللہ تعالیٰ کے کلام سے بڑھکر کون سی چیز بڑی ہوگی بارگاہِ خداوندی میں تقرب حاصل کرنے کی۔

جو حضرات وہاں بیٹھ کر تعلیم دے رہے ہیں، اللہ کے ذکر میں لگے ہوئے ہیں نیت درست ہے، اخلاص کے ساتھ ہے۔ روپئے کھانے کے لئے، اپنے اعزاز کے واسطے، لوگوں کے درمیان اقتدار پیدا کرنے کے لئے نہیں، کسی کا مقابلہ کرنے کیلئے نہیں بلکہ اللہ کو راضی کرنیکی خاطر ہے۔ قرآن پاک کی تعلیم دیں بہت اعلیٰ مقام ہے، اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ حدیث شریف پڑھانے والے کا بھی یہی حال ہے۔

امام بخاریؒ نے سولہ برس میں بخاری شریف تصنیف فرمائی کتاب مکمل کی وضو کرتے مسواک کرتے دو رکعت نفل پڑھتے تب ایک حدیث کا ٹکڑا لکھتے تھے۔ اس طریقہ پر سولہ برس گذرے کس قدر پاکیزہ زندگی تھی۔ تقریباً نوّے ہزار لوگوں نے امام بخاریؒ سے براہِ راست اس بخاری شریف کی سند حاصل کی۔

امام بخاریؒ کا انتقال ہوگیا۔ عمر تو زیادہ نہیں ہوئی جیسی عامۃً عمر ہوتی ہے ساٹھ ستر کے درمیان ایسی عمران کی تھی لیکن اس کا یہ کارنامہ جاری ہے تمام دنیا میں پھیلا ہوا ہے، مشرق و مغرب میں یہ بخاری شریف لوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں۔

اس کی شرح لکھتے ہیں ترجمہ لکھتے ہیں حواشی لکھتے ہیں مطالعہ میں مشغول رہتے ہیں ان کا کتنا بڑا فیض ہے یہ بھی ذکر ہے۔ حدیث کی شرح لکھنا بھی ذکر ہے، قرآن پاک کی تفسیر لکھنا یہ بھی ذکر ہے، دینی مسائل کا بیان کرنا بھی ذکر ہے۔ کوئی چیز ایسی نہیں جس کو ذکر کی لائن سے خالی کیا جا سکے یہ سب ذکر ہیں۔ اور بھی مخصوص طور پر جو مشائخ نے ذکر تجویز کیا ہے وہ بھی ذکر ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا وَّسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا۔ صبح و شام کی جو تسبیحات متعین کیجاتی ہیں کہ اتنی صبح کو اتنی شام کو پڑھی جائے یہ بھی ذکر ہے۔ یہ قرآن پاک کی اسی آیت میں موجود ہے سَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا صبح شام پڑھا کرو تسبیحات اللہ کی، ذکر کی کثرت کرو۔

پھر مشائخ جو ذکر تجویز فرماتے ہیں آج کل بھی بعضے بعضے ایسے حضرات موجود ہیں جن کا معمول سوا لاکھ روزانہ کا ذکر کا ہے جبکہ وہ دوسرے کام بھی کر رہے ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ سب کو لات مار کر بچوں کو چھوڑ کر کاروبار سے الگ ہو کر کونے میں بیٹھ گئے تسبیح لیکر۔ ایسا نہیں دوسری چیزیں بھی ان کے ساتھ ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ سوا لاکھ کا ذکر کے معمول رکھنے والے آج بھی ایسے موجود ہیں، اللہ کے فضل و کرم سے۔

رائپور میں حضرت رائپوریؒ سوا لاکھ تک ذاکر کو بتایا کرتے تھے لیکن جب دیکھا کہ قویٰ کمزور ہیں دماغوں میں تحمل نہیں تو کم کیا۔ یہانتک کہ چوبیس ہزار تک لاکر رک دیا کہ چوبیس ہزار کر لیا کریں۔ اس واسطے کہ ایک گھنٹے میں متوسط درجہ کا آدمی ایک ہزار سانس لیتا ہے۔ دن رات کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں۔ چوبیس ہزار ہو جائے تو گویا کہ ہر سانس کا ایک ذکر ہو جائے گا۔ یہ اس میں مصلحت ہے۔ بعض کا اس سے بھی کم رکھا۔ اسی واسطے یہاں ذکر کے لئے جمع ہوئے ہیں۔

صحبت کے فیض حاصل کرنے کیلئے جمع ہوئے ہیں اس لئے غفلت نہیں ہونی چاہیئے۔ قرآن پاک کی تلاوت کیلئے جمع ہوئے ہیں غفلت نہیں ہونی چاہیئے۔ ہوسکتا ہے کہ بعضے آدمی اپنے مکان پر بھی اتنا ہی کرلیویں جتنا یہاں کرتے ہیں۔ میں اس کا انکار نہیں کرتا۔ اللہ کے بہت بندے ہیں ایسے۔ اپنے مکان پر بھی اتنا ہی کام کرلیتے ہیں جتنا یہاں کرلیتے ہیں۔ لیکن یہ اجتماعی کیفیت ہے۔ یہ عجیب شان رکھتی ہے۔ اجتماعی کیفیت اور صحبت کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔

میوات جانا ہوا تھا حضرت مولانا الیاسؒ کے ساتھ بہت گرم علاقہ پہاڑی مکان پتھر ہر طرف سے گرمی ہی گرمی پہنچے تو ایک پتھر کے مکان میں ٹھہرایا جس میں دو چار پائیاں تھیں بڑی بڑی۔ ایک چارپائی پر تو مولانا کو لٹا دیا، ایک چارپائی پر ہم تین آدمی تھے۔ چاہا کہ ذرا دیر آنکھ لگ جائے۔ گرمی سخت تھی، ذرا ہی دیر لیٹے تھے کہ جماعت کی جماعت آگئی میواتیوں کی۔ میں نے ارادہ کیا کہ اٹھ کر انکو روک دوں ذرا ٹھہر جائیں مگر مولانا مجھ سے پہلے اٹھ گئے اور فرمایا ہرگز نہیں مت روکو، مت روکو، مت روکو۔ آنے دو، آنے دو۔ سب سے مصافحہ کیا پھر فرمایا کہ جب تک طالب کے دل میں اتنی قدر پیدا نہ ہو کہ وہ تمہاری جوتیوں کو چپاتیاں سمجھنے لگیں اس وقت تک سختی کرنیکا حق نہیں۔ تو طالب کے دل میں پہلے قدر تو پیدا کرو تب غصہ ہونا، روٹھنا بھی صحیح ہوگا۔ غرض عرض کرنیکا خلاصہ یہی ہے کہ اس صحبت کو غنیمت سمجھئے۔ قرآن پاک کی تلاوت یقیناً بہت اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اس سے کسی کو انکار نہیں لیکن تلاوت کی جو حلاوت ہوگی وہ صحبت میں بیٹھ کے ہوگی۔ اگر صحبت میسر نہیں تو تلاوت میں حلاوت نہیں۔ تلاوت کے آداب نہیں۔ تلاوت کے وہ آداب جن سے قلب میں رقت پیدا ہو" وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْہِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْہُمْ اِیْمَانًا۔ جب اللہ کی آیتیں

تلاوت کی جاتی ہیں ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اضافہ جو ہوتا ہے اثراتِ خاصہ مرتب ہوتے ہیں وہ صحبت سے ہوگا۔

لہٰذا تلاوت جو اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اس میں حلاوت پیدا کرنے کے لئے صحبت کی ضرورت ہے۔ پہلے صحبت کو حاصل کرو پھر تلاوت کی قدر معلوم ہوگی، استحضار معلوم ہوگا۔ قرآن پاک اس طرح تلاوت کرنا چاہئے کہ اللہ کو سنا رہے ہیں۔ یہ تصور کہاں سے پیدا ہو، یہ تصور صحبت سے پیدا ہوگا، بزرگوں کی خدمت میں بیٹھنے سے پیدا ہوگا۔ جو چیز اللہ نے ان کے قلب میں پیدا فرمائی ہے وہ حاصل ہوگی تب یہ بات حاصل ہوگی۔

طواف کرنا ایسی چیز نہیں کہ اس کی توہین کی جائے یا گھٹیا درجہ کا بتایا جائے لیکن طواف کی جو لذت ہے، طواف کی جو کیفیت ہے اصل وہ پیدا ہوتی ہے بزرگوں کی صحبت سے۔ ایک طواف وہ تھا جو زمانۂ شرک میں کیا کرتے تھے مشرک بھی کرتے تھے۔ اور ایک طواف وہ ہے جو نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھ کر ایمان لاکر اس کے بعد طواف کیا۔ دونوں طواف میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ اسلئے بات یہ ہے کہ جتنی عبادتیں ہیں جو نوافل عبادتیں ہیں وہ نوافل عبادتیں اپنی تنہائی میں بھی کی جاسکتی ہیں، اپنے مکان پر بھی کی جاسکتی ہیں اور دن بھر پڑا ہی ہے یہاں پر کرنے کیلئے تلاوت کرتے رہئے، صبح سے دوپہر تک کرتے رہئے، ذکر کرتے رہئے، ظہر کے بعد سے لیکر عصر تک لیکن مقصد یہ ہے کہ جو عصر کے بعد کا وقت ہے مجلس کا مغرب کے بعد کا وقت ہے مجلس کا عشاء کے بعد کا جو وقت ہے مجلس کا وہ مجلس میں گذارنا چاہئے۔

اس واسطے میرے محترم بزرگو دوستو! ہرگز ہرگز مولانا عبدالحلیم صاحب کا مقصد یہ نہیں کہ تلاوت ہلکے درجہ کی چیز ہے یا طواف ہلکے درجہ کی چیز ہے۔ نہیں

بہت اونچے درجہ کی چیز ہے تلاوت بھی طواف بھی۔ ساری عبادتیں اللہ کا ایک دفعہ نام لینا بہت بڑی چیز ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مجلس کا جو جو وقت ہے وہ وہاں مجلس میں گھر ارہنا چاہئے وہاں سے حلاوت پیدا ہوگی، قلب کے اندر رقت پیدا ہوگی، اللہ کی یاد پیدا ہوگی۔ قرآن پاک کا احترام وادب معلوم ہوگا۔ اور پھر اس کے بعد جو کچھ پڑھیں گے اس کی کیفیت ہی کچھ اور ہوگی۔ لہٰذا قرآن پاک اور تلاوت اور دوسری عبادات کو اپنی زندگی میں لانے کیلئے صحبت کی ضرورت ہے کہ جس چیز کا جو مقام ہے وہ مقام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب اہل مقام کے پاس آدمی پہنچتا ہے انکی صحبت سے متاثر ہوتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کو یہ دولت عطا فرماتے ہیں۔ بڑی قدر کے ساتھ یہ پڑھتا ہے، ایک ایک حرف سمجھ کر سنبھل کر، کیا بات ہے حضرت عمرؓ قرآن پاک ہاتھ میں لے کر اس کو بوسہ دیتے ہیں اور فرمایا ھذا منشور ربی یہ میرے رب کا فرمان نامہ ہے، میرے رب کیطرف سے عطا ہوا ہے۔

کوئی شخص کسی کا محبوب ہو اور وہاں سے خط بھیجے اس کے پاس، کیسے اس کو آنکھوں سے لگاتا ہے، پیار کرتا ہے، دل سے لگاتا ہے کہ میرے محبوب کا خط ہے حقیقت میں جب جذبہ قلب کے اندر آیا، محبت قلب کے اندر آئی تو حق تعالےٰ اس کی برکت سے یہ چیزیں عطا فرماتے ہیں۔ اس جذبہ اور داعیہ کو پیدا کرنیکے واسطے صحبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر صحبت کی ضرورت نہ ہوتی تو جس طرح سے اخبار یا رسالہ جاری ہوتا ہے ماہانہ اسی طریقہ پر قرآن پاک کا بھی ایک ایک پارہ جاری کردیا جاتا لیکن اللہ نے اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ صحابۂ کرام عامۃً عربی جانتے تھے مادری زبان انکی عربی تھی۔

قرآن پاک میں قیام کا بھی ذکر ہے قُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ رکوع کا بھی ذکر ہے، سجدہ کا بھی ذکر ہے، قرارت کا بھی ذکر ہے، نماز کے احکام کا ذکر موجود ہے۔

اور عربی زبان میں ہے اور صحابہؓ کی زبان عربی ہے لیکن قرآن کریم میں یہ نہیں کہا گیا حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ نماز اُس طرح پڑھو جس طرح قرآن میں آئی بلکہ یہ فرمایا صَلُّوا کَمَا رَاَیتُمُونِی اُصَلِّی جس طرح تم مجھ کو نماز پڑھتے دیکھو اُس طرح سے پڑھو۔ قرآن پاک میں سارے فرائض وارکان موجود ہونیکے باوجود حکم جو کیا گیا وہ یہ کیا گیا کہ حضورؐ کو جس طرح سے دیکھتے ہو اس طرح سے نماز پڑھو۔ اس لئے مجلس کا اثر حادی ہو سکتا ہے۔ لہ

اللہ تعالےٰ نے نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو ایک کتاب دی، ایک نور دیا۔ کتاب میں تمام احکام موجود اور نور ہے اس کو سمجھنے کیلئے۔ حضورؐ نے وہ کتاب بھی صحابۂ کرامؓ کے حوالہ فرمائی اور وہ نور بھی حوالہ فرمایا۔ اس نور کی روشنی میں پڑھ کر مسئلہ کا حق ادا کریں تاکہ اس کا حق صحیح ادا ہو سکے۔ اسی طریقہ پر صحابۂ کرامؓ نے پھر بعد والوں کو کتاب بھی دی اور نور بھی دیا۔ اس کے بعد اسی طریقہ پر یہ سلسلہ چلتا آرہا ہے وہ سنتِ نورانی موجود ہے۔ وہ نور اگر موجود ہے تو قرآن پاک ذریعۂ ہدایت ہے۔ اس کے ذریعہ سے اللہ کے مطلب کو آدمی صحیح سمجھے گا۔ اور اگر وہ نور موجود نہیں تو گمراہ ہوگا۔ خالی عربی الفاظ تو ابوجہل بھی جانتا تھا، ابولہب بھی جانتا تھا۔ سب جانتے تھے لیکن وہ انکو فائدہ نہیں پہنچا سکے اسواسطے کہ ان کے پاس وہ نور نہیں تھا۔ آج بھی غیر مسلم لوگ بھی قرآن پاک بھی جانتے ہیں حدیث پاک بھی جانتے ہیں کتابیں بھی تصنیف کرتے ہیں، مقصد آتا ہے پڑھتے بھی ہیں مقابلہ میں لیکن وہ نور ان کے پاس موجود نہیں لہٰذا اس کا جو فیض تھا وہ فیض نہیں ہے۔ پس اس نور کو بھی حاصل کرنیکی ضرورت ہے قرآن پاک کیلئے مدارس اللہ کے فضل وکرم سے موجود ہیں۔ الفاظ کو وہاں سے پڑھا جاتا ہے معانی کو علماء سے سیکھا جاتا ہے، تفسیر کو علماء سے لیا جاتا ہے۔ اور بھئی جو اہل باطن ہیں اہل نسبت ہیں ان سے نور کو بھی

حاصل کرنا تم کو بھی ضروری ہے۔ وہ نور آئیگا تو انشاء اللہ تعالےٰ ایک ایک حرف کی نورانیت محسوس ہوگی، ایک ایک چیز کے اندر معلوم ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کتنی حکمتیں رکھ رکھی ہیں۔ اس واسطے قرآن پاک کی تلاوت ہے، نوافل ہیں طواف ہے کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کے متعلق کوئی بے ادبی کا لفظ کہا جاسکے یا اس کو ہلکا سمجھا جاسکے بالکل نہیں قلوب کو صاف کرلیا جائے۔ ہرگز ہرگز کسی چیز کا ہلکا ہونا بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اس کو تولئے مقام پر لانے کے لئے، اس کا حق ادا کرنے کے لئے بتایا گیا کہ فیض صحبت حاصل کرو اور جو ضرورت صحبت موجود ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے عطاء فرما رکھا ہے تو اس صحبت کو کام میں لاؤ، اس کو حاصل کرو اور اس کے مطابق قرآن پاک کو پڑھو اس کو سمجھ کر انشاء اللہ بڑا فائدہ ہوگا اللہ تعالےٰ عطاء فرمائے۔ آمین۔ اچھا بھئی میں نے جو عرض کیا رات کے جاگنے کا اہتمام کریں گے۔

دعاء فرمالیجئے: واللّٰھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آل سیدنا ومولانا محمد وبارک وسلم، تین مرتبہ۔

اے پاک پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف فرما۔ اے پاک پروردگار اپنے نبی اکرمؐ کی سنتوں کی قدردانی نصیب فرما، اے پاک پروردگار اس مبارک مہینہ کو اس مہمان کو ہمارے لئے باعثِ رحمت بنا، اے پاک پروردگار اس کو ہمارے لئے گواہی دینے والا بنا، اے پاک پروردگار اس کو ہمارے خلاف حجت نہ بنا، اے پاک پروردگار راتوں کو ہمیں قیام کی توفیق عطا فرما، نوافل کی توفیق عطا فرما، یا اللہ صحبت کے فوائد سے بھرپور فوائد عطا فرما، اے پاک پروردگار آپس میں سب کے میل محبت پیدا فرما، اے پاک پروردگار جسمانی روحانی امراض سے سب کو صحت عطا فرما، اے اللہ تیرا نام لینے تیرا نام سیکھنے کے لئے جتنے

آئے ہیں کسی کو بھی محروم نہ فرما، اے اللہ تیری رحمت کا ذریعہ ناپید اکنار ہے اے پاک پروردگار سب پر زیادہ رحمت فرما۔

رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۔ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا كَثِيرًا ۔ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

فَقَدۡ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ لَا یُؤۡمِنُ اَحَدُکُمۡ حَتّٰی اَکُوۡنَ اَحَبَّ اِلَیۡہِ مِنۡ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ ؕ

حضرت نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ایمان کی ایک خاص علامت بتائی ہے۔ کوئی شخص مومن کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا جب تک اس کے دل میں میری محبت ماں باپ سے، اولاد سے، تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔ یہ حضورؐ نے مومن ہونیکی نشانی بتائی۔ آدمی مومن کہلانے کا حقدار کب ہے جب اس کے دل میں حضورؐ کی اتنی محبت ہو کہ ماں باپ کی ہو نہ اولاد کی ہو نہ کسی اور کی۔ سب سے زیادہ محبت حضورؐ کی ہونی چاہیئے تب جاکر آدمی مؤمن کہلانیکا مستحق ہوگا۔ محبت کا دعویٰ کرلینا بہت آسان ہے۔ ہر شخص کہہ سکتاہے کہ مجھے سب سے زیادہ حضورؐ سے محبت ہے لیکن اس کے واسطے کچھ آثار کچھ علامات بھی ہونی چاہئیں۔ اس کا دعویٰ بغیر دلیل کے قابلِ تسلیم نہیں ہوتا اس کے لئے کچھ دلیل ہونی چاہئے ثبوت ہونا چاہیئے تب جاکر دعویٰ قابلِ تسلیم ہوتاہے ورنہ کوئی شخص کسی سے کہدے کہ فلاں شخص کے ذمہ میرے دولاکھ روپئے ہیں۔ اتنا کہنے سے وہ مجرم ہوجائیگا۔

اس کے دو لاکھ روپئے دلانے ضروری ہو جائیں گے، ثبوت پیش کرنا ہو گا۔ تو دعویٰ تو آدمی کرلے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھے سب سے زیادہ محبت ہے لیکن اس کیلئے دلیل اور ثبوت کیا ہے۔ اس کی دلیل، ثبوت شواہد صحابہ کرام رضی کی زندگیوں میں ملیں گے۔ جس وقت میں مقابلہ ہو جائے ایک کی محبت اِدھر کو پکارتی ہے دوسرے کی محبت اُدھر کو پکارتی ہے تو آدمی کس کی آواز پر جاتا ہے کس کی پکار پر جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی محبت زیادہ ہے۔

نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک شخص کا باپ رسول کے خلاف بات پیش کرتا ہے تو باپ کی مانتا ہے یا حضورؐ کی مانتا ہے اس سے اندازہ ہو جائیگا کس کی محبت زیادہ ہے۔ ایک بات حضورؐ فرماتے ہیں دوسری بات بیٹا کہتا ہے دونوں آپس میں ایک دوسرے کے مخالف بیٹے کی مانتا ہے یا حضورؐ کی مانتا ہے۔ آدمی خود اپنے جی میں فیصلہ کرلے پتہ چل جائیگا کس کی محبت زیادہ ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی نے جب یہ حدیث سنی تو انھوں نے عرض کیا حضور میرے دل میں آپؐ سب سے زیادہ محبوب ہیں اپنی جان کے سوا۔ حضورؐ نے فرمایا ابھی کسر ہے۔ فرمایا حضور! اپنی جان سے بھی زیادہ آپ عزیز ہیں۔ ان چیزوں کے شواہد کثرت سے ملیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی نبی اکرم سے محبت فرماتے تھے۔ اس محبت کے ثبوت کے لئے ان کی زندگی کو تلاش کیجئے۔ روایات میں آتا ہے کہ غزوۂ بدر میں جو سب سے پہلا جہاد ہے پہلی لڑائی ہے۔ مشرکین بہت بڑا جتھہ لے کر مکہ مکرمہ سے آئے۔ نبی اکرمؐ کے لئے وہاں ایک چھپر ڈال دیا گیا تھا کہ جس شخص کو ضرورت ہو کوئی بات کہنے کی اس چھپر میں آکر بات کہہ لیا کرے اور پہرہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی متعین کئے گئے تھے حضورؐ کی حفاظت کے لئے۔ کوئی شخص پچاس

قدم کے فاصلہ پر سے بھی نظر اٹھا کر دیکھتا تھا تو ابو بکرؓ شیر کیطرح دوڑتے تلوار لیکر کوئی مخالف اگر ادھر دیکھتا۔ اللہ نے کیا حضورؐ کو فتح ہوئی۔ سارا قصہ سنانا مقصود نہیں ہے تھوڑی سی بات اس میں سے۔

حضرت ابو بکرؓ کے جو بیٹے تھے ان کا نام ہے عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، وہ بھی اس وقت مشرکین کے ساتھ تھے، ایمان نہیں لائے تھے۔ ایک وقت ایسا آیا اللہ نے ان کو ایمان کی توفیق دی مسلمان ہو گئے تو ایک دفعہ کہنے لگے کہ ابّا بدر کی لڑائی میں میرے نشانہ پر آ گئے تھے آپ چاہتے تو میں مار دیتا لیکن باپ ہونے کا لحاظ کر لیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا تو نے باپ ہونے کا خیال کر لیا۔ اگر تو میرے نشانہ پر آ جاتا تو میں بیٹا ہونے کا خیال نہ کرتا فوراً قتل کر دیتا۔ حضورؐ کے مقابلہ میں تلوار لیکر آئے ہو۔ مقابلہ کے وقت پتہ چلتا ہے کہ کس کی محبت غالب ہے۔ ابو بکرؓ کے والد نے کہا کوئی کلمہ ناشائستہ کہدیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کے خلاف۔ حضرت ابو بکرؓ تاب نہیں لا سکے فوراً پتھر مارا ہے باپ کے۔ اس کے بعد آکر نبی اکرمؐ سے کہا کہ حضورؐ! میرے باپ کی زبان سے ایسا لفظ نکلا۔ میں نے اس کے جواب میں پتھر مارا۔ آپ دعا کیجئے کہ اللہ تعالےٰ میرے باپ کو ایمان کی دولت عطا فرمائے، باپ اسوقت تک مسلمان نہیں تھے۔ حضورؐ نے دعا کی۔ اللہ نے کیا وہ مومن ہو گئے۔ اِدھر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا تعلق اس بات پر مقتضی تھا پتھر مارے اُدھر باپ کا خیال بھی لازم تھا۔ باپ کا حق اس طرح ادا کیا کہ حضورؐ سے دعا کرا نا ان کے ایمان کے واسطے، ہدایت کے واسطے۔ حضورؐ کے حق کو ادا کیا۔

حضرت ام حبیبہؓ نبی اکرمؐ کی زوجۂ مطہرہ ام المومنین کے والد تھے ابو سفیان۔ ابو سفیان اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، سخت مخالف تھے اسلام کے۔

وہ اپنی بیٹی ام حبیبہؓ کے یہاں گئے، پہلے سے وہاں بستر بچھا ہوا تھا۔ حضرت ام حبیبہؓ نے بستر لپیٹ دیا باپ کو آتا دیکھ کر۔ انھوں نے سوال کیا کہ بیٹی دنیا بھر کا دستور ہے کہ باپ جب جاتا ہے بیٹی کے گھر تو بیٹی اس کے اعزاز میں لاکر بستر بچھایا کرتی ہے۔ تم نے بچھے ہوئے بستر کو لپیٹ دیا یہ کیا طریقہ ہے۔ جواب دیا کہ یہ بستر نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے۔ تم ناپاک ہو اس قابل نہیں کہ حضورؐ کے بستر مبارک پر بیٹھ سکو اُن کے قلب میں حضورؐ کی محبت زیادہ تھی۔ ساری زندگی محض اس طرح گذری آپ کی۔ حضورؐ سے جس کو محبت اس سے ان کو محبت، حضورؐ سے جن کو عداوت اس سے ان کو عداوت چاہے باپ ہو بیٹا ہو۔

بھائیو! یہی وجہ ہے کہ جس وقت غزوۂ بدر میں ستّر مشرکین قید کرکے لائے گئے حضورؐ نے مشورہ فرمایا کہ ان کے متعلق کیا کرنا چاہئے۔ حضرت ابوبکرؓ کا ایک مشورہ تھا، حضرت عمرؓ کا ایک اور مشورہ تھا۔ حضرت عمرؓ کا مشورہ یہ تھا کہ ہم لوگوں میں سے جس جس کا رشتہ دار قید ہو کر آیا ہے اُس کو اس کے حوالہ کیا جائے تاکہ وہ اس کی گردن مارے۔ میرے حوالہ میرے فلاں رشتہ دار کو کیا جائے، فلاں شخص کے حوالہ فلاں اس کے رشتہ دار کو کیا جائے۔ یہ رشتہ داری کا تعلق مانع نہ ہونا چاہئے۔ ان سے انتقام لیں گے۔ یہ وہ ہیں جو نبی اکرمؐ کے مقابلہ میں آئے ہیں نبی اکرمؐ کو قتل کرنے کے لئے آئے ہیں۔ لہٰذا یہ مستحقِ قتل ہیں۔ اب ان کو قتل کیا جائے۔ یہ جذبۂ ایمان تھا اسی جذبۂ ایمان کی وجہ سے ان کا مقام بہت بلند تھا۔

حضرت خُبَیبؓ ایک صحابی ہیں، ان کو پھانسی دی گئی سولی پہ چڑھایا گیا۔ واقعہ ان کا یہ ہے کہ نبی اکرمؐ نے ایک جماعت کو بھیجا اپنے کام کے لئے۔ یہ لوگ رات میں چلتے تھے دن میں   تھے۔ کیوں کہ آس پاس مشرکین مخالفین تھے۔

ایک جگہ پر ان حضرات نے ناشتہ کیا، ناشتہ کیا تھا وہی مدنی کھجوریں، کھجوریں کھائیں گٹھلیاں پھینکدیں چلے گئے۔ گٹھلیاں ان مخالفین کے ہاتھ لگ گئیں۔ انھوں نے کہا او ہو یہ تو مدینہ طیبہ کی کھجور کی گٹھلیاں ہیں، کون لوگ ہیں یہاں کسی نے کہا ہاں میں نے بھی کچھ آدمیوں کو اُدھر جاتے ہوئے دیکھا تھا، ڈھونڈنے بھالنے میں لگ گئے۔ ڈھونڈ لیا ایک مقام پر پہنچ کر ان کو گھیر لیا۔ یہ حضرات ایک ٹیلہ پر چڑھ گئے اور مشرکین تیر کمان لئے ہوئے ٹیلہ کے گرداگرد کھڑے ہوگئے اور ان کو مارنے کا ارادہ کیا۔ پہلے کہا اچھا تم لوگ نیچے اتر آؤ۔ ٹیلہ سے ہم تم کو امن دیتے ہیں قتل نہیں کریں گے۔ اس دستہ کے جو امیر تھے انھوں نے کہا بھئی میں تو مشرک کی پناہ میں جاتا نہیں صاف صاف بات جس کا جو جی چاہے کرے۔ چنانچہ اُن لوگوں نے تیر سے مارا یہاں تک کہ ان میں سے سات آدمی شہید ہوگئے۔ تین رہ گئے ان تین نے کہا وہ تین نیچے اتر آئے یعنی ان کی امن میں پناہ میں آ گئے۔ ان لوگوں نے کیا کیا اپنی کمان میں کھول کر ان کو باندھنا چاہا، ان میں سے ایک صاحب بولے بھئی جب ہم تمہارے امن میں پناہ میں آ گئے اب باندھنے کے کیا معنے۔ کیوں باندھتے ہو؟ لہٰذا میں بھی تمہارے پناہ میں نہیں رہتا۔ جہاں یہ سات گئے میں بھی وہیں جاتا ہوں۔ انھیں نیچے ڈالا گھسیٹا، کھینچا۔ یہاں تک کہ ان کو بھی قتل کیا۔ دو رہ گئے۔ دو میں سے ایک کو لے جاکر مشرکین کے ایک گروہ کے ہاتھ بیچدیا دوسرے کو دوسری جگہ بیچدیا۔ چونکہ ان میں سے ایک خبیب تھے ان کو مکہ والوں کے ہاتھ بیچدیا۔ انھوں نے غزوۂ بدر میں مشرکین میں سے کسی بڑے کو قتل کیا تھا۔ اس کے وارث کے ہاتھ بیچدیا۔ انھوں نے کہا اچھا مجھے تو موقعہ ملا۔ کچھ روز تک ان کو باندھے رکھا۔ وہاں جب ان کے قتل کا وقت آیا ان کو حرم سے باہر لائے۔ مشرکین بھی حرم کا احترام کیا کرتے تھے۔ باہر لاکر پھانسی دی ان کو اوپر لٹکا کر کیا

کیا تم کو یہ بات گوارا ہے کہ تم کو چھوڑ دیا جائے محمدؐ کو تمہاری جگہ پھانسی دیدی جائے۔

انھوں نے کہا تم ایسی بات کہتے ہو واللہ مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ اپنے مقام پر جہاں حضورؐ موجود ہوں وہاں آپ کے پیر پر کانٹا بھی چبھ جائے۔ یہ بھی گوارا نہیں چہ جائیکہ میری جان کے بدلہ حضورؐ کو پھانسی۔ اپنی جان سے زیادہ حضورؐ کی محبت ان کے دلوں میں تھی۔

ایک مشرکہ بیان کرتی ہے کہ میں نے دیکھا یہی خبیب زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں لیکن انگور کا ایک بہت بڑا گچھا ان کے پاس رکھا ہے وہ کھا رہے ہیں اس میں سے۔ حالانکہ اس وقت مکہ مکرمہ میں کہیں انگور نہیں تھا۔ کوئی ان کو لا کر دینے والا نہیں۔ آج اللہ نے ان کو عطا فرما دیا۔ استرہ ہاتھ میں لئے ہوئی تھی اس کا ایک چھوٹا بچہ جو ابھی پیروں پر کھڑا ہو کر چل نہیں پاتا تھا انھوں نے اٹھا کر اس کو گود میں بٹھا لیا وہ عورت گھبرا گئی کہ میرا بچہ ان کے گود میں چلا گیا سنا ہے کہ ان کے لئے قتل تجویز ہے۔ استرہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ کیا پتہ میرے بچہ کو بھی ختم کر دیں ان کے ساتھ۔ اس کے چہرہ کی پریشانی کو دیکھ کر یہ تاڑ گئے۔ پوچھا بچہ کے لئے تم پریشان ہو۔ نہیں ایسا نہیں بچہ نے کیا قصور کیا کہ میں اسے مار دوں گا۔

بہرحال جب ان کو قتل کیا جانے لگا تھا ان سے پوچھا گیا کوئی آخری حسرت ہے تمہاری؟ کہا ہاں دو رکعت نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔ نماز کے ساتھ اتنا گہرا تعلق تھا۔ آخر میں کیا گیا کہ دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت۔ چنانچہ دو رکعت نماز پڑھی پھر فرمایا جی اور بھی چاہتا ہے نماز پڑھنے کو مگر مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تم لوگ کہو گے کہ موت کے ڈر سے نمازیں پڑھنے لگا ہے۔ دعا کی کہ اے اللہ اپنے حبیب پاکؐ کو خبر پہنچا دیجئو کہ ہمارا یہاں یہ حال گذرا۔ چنانچہ حضورؐ کو وحی کے ذریعہ اطلاع ہو گئی۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ کوئی ہے جو خبیب کی خبر لائے۔ اس پر ایک صحابیؓ نے کہا اچھی بات میں لاتا ہوں۔

یہ آئے ہیں آکر کے تلاش کیا دیکھا کہ کھجور کے تنے میں لٹکا رکھا ہے، ستر آدمی آس پاس پہرے پر موجود ہیں۔ یہ ٹھہر گئے دور ہی، پھر رات کے وقت کسی وقت دیکھا کہ سب غافل ہیں۔ اس وقت یہ آئے اور آکر ان کی لاش کو وہاں سے اتارا اور اپنے گھوڑے پر رکھا اور چلے لیکر۔ اتنے میں وہ بیدار ہو گئے جو سو رہے تھے پہرے دار یکدم دوڑ لگی۔ کفار جب قریب پہونچے تو ان کو اندیشہ ہوا کہ اب پکڑ لیں گے، دعا کی۔ زمین فوراً کھلی، لاش اندر چلی گئی، ان لوگوں کے ہاتھ نہیں لگی۔ اسی وجہ سے ان کا لقب محدثین کے یہاں بلیع الارض ہے۔ بلیع کے معنے نگلا گیا۔ زمین نے نگل لیا۔ نبی اکرمؐ کا منشا جوں جوں صحابۂ کرامؓ کو معلوم ہوتا گیا صحابہ کرام اس پر عمل کرتے گئے، سمجھتے گئے کہ ہمارے لئے ذریعۂ نجات یہی ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ ایک ریشمی جبہ پہنکر حاضر خدمت ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ ریشم تو مرد کے لئے جائز نہیں۔ یہ کیا کیا۔ بس فوراً واپس چلے گئے اور اتار دیا۔ پھر دوسرے وقت حاضر ہوئے تو حضورؐ نے دریافت کیا کہ وہ ریشم کا جبہ کیا کیا۔ تو فرمایا نان بائی کی دکان تھی تنور جل رہا تھا اس میں جھونک دیا جلا دیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں جلا دیا، تم کو تو پہننے سے منع کیا تھا۔ بچیوں کے کپڑے بنوا دیتے اس میں سے۔

میرے محترم بزرگو دوستو! نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محبوب تھے حضرت عمرؓ کے، جو چیز محبوب کی نظر میں محبوب اور پسند ہو محب اس کو نہیں دیکھا کرتا کہ کسی کام آبھی سکتی ہے یا نہیں ان کے نزدیک تو تنور میں جھونکنے کے سوا کوئی اور صورت تھی ہی نہیں یعنی بالکل بیکار نکمی ہے وہ چیز جو نبی اکرمؐ کی نظروں میں ناپسند ہے تو پھر اس میں سوچنے کی گنجائش نہیں۔

ایک صحابیؓ ایک مرتبہ انگوٹھی پہنکر آئے سونے کی۔ نبی اکرمؐ نے ان کا

ہاتھ پکڑا اور اس میں سے انگوٹھی نکال کر پھینک دی اور فرمایا، یہ اہل جہنم کا زیور ہے اہل جہنم کیلئے ہے یہ۔ پھر اس کے بعد حضورؐ چلے گئے، انگوٹھی وہیں پڑی رہی۔ ان سے کسی نے کہا تمہاری انگوٹھی پڑی ہے اس کو اٹھالو تمہارے اور کسی کام میں آوے گی۔ انھوں نے کیا جواب دیا کہ آقائے نامدار سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو پھینک دیا میں اسے نہیں اٹھاتا۔ انگوٹھی حضورؐ کی پھینکی ہوئی ہے۔ کیا محب اسے اٹھائیگا جب محبوب نے پھینک دیا۔ سوال یہ ہے کہ ایک انگوٹھی کے ساتھ ان کا معاملہ یہ تھا انگوٹھی کو حضورؐ نے پھینک دیا ہے ہم ان کو سینے سے لگائیں گے یا پھینکیں گے۔ جس صورت شکل کو حضورؐ نے ناپسند فرمایا کیا ہم اس کو پھینک دیں گے کیا وہ جو ہمارے گھروں میں موجود ہیں۔ جس لباس کو حضورؐ نے ناپسند کر کے پھینک دیا کیا ہم نے اس کو پھینک دیا وہ ہمارے گھروں میں موجود ہیں۔ جس رسم کو حضورؐ نے پھینک دیا کیا ہم نے اس کو پھینک دیا کیا وہ موجود نہیں ہمارے گھروں میں۔ جس بدعت کو حضورؐ نے پھینک دیا تھا من احدث فی دیننا فھو لیس منہ فرمادیا کیا وہ ہمارے گھروں میں نہیں۔ جس چیز کو نبی اکرمؐ نے پھینک دیا ناپسند فرمایا دور کیا۔ منع کیا اُن سے اعراض فرمایا وہ ہمارے یہاں موجود۔

شان تو یہ ہوتی ہے کہ نبی اکرمؐ ایک مرتبہ تشریف لے جارہے تھے ایک صحابی انصاریؓ کا ایک مکان تھا قبہ کی شکل کا، وہاں سے گذر ہوا۔ نبی اکرمؐ نے دریافت فرمایا کس کا مکان ہے۔ عرض کیا گیا فلاں صحابیؓ کا۔ اس کے بعد پھر صبح جب مجلس میں وہ انصاری حاضر ہوئے، انھوں نے آکر کے سلام کیا تو نبی اکرمؐ نے سکوت فرمایا۔ ان کو شبہ ہوا کہ شاید کوئی بات ایسی پیش آئی ہو جو حضورؐ کو ناگوار گذری اسی وجہ سے حضورؐ نے سلام کرنے پر جواب نہیں دیا، چہرۂ مبارک پھیر لیا محبوب دو عالم نے چہرہ پھیر لیا اب کیا ہوگا۔ ہمت نہیں

پڑتی دریافت کرنیکی۔ ساتھیوں سے پوچھا کیا میری کوئی شکایت پہنچی ہے۔ بتلایا شکایت تو معلوم نہیں۔ ہاں تمہارے مکان پر سے گذرتے ہوئے دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا مکان ہے۔ بس فوراً اٹھے اور جا کر کدال لیکر مکان کو گرایا اور ملبہ اینٹ پتھر سب اٹھا کے ڈال دیا۔ گرادیا مکان کو نبی اکرمؐ کو ناپسند ہونے پر چہرۂ انور پھیرلیں اور کون اس مکان میں رہے۔ یہ تھی شان اُن حضرات کی محبت کی۔ تو پھر غایتِ عمل یہ تھا غایتِ اخلاص یہ تھا کہ حضورؐ کو آکر کہا کبھی نہیں، نہ تو اس پر پوچھا کہ حضور مکان تو ضرورت کی چیز ہے گرمی سردی برسات سے تحفظ کیلئے ضروری چیز۔ بیوی بچے کے رہنے کے لئے آخر مکان چاہیئے ہی۔ بالکل نہیں پوچھا۔ یہ بھی نہیں پوچھا اگر ایسا نہیں تو دوسرے قسم کا بنالوں۔ کوئی بات نہیں پوچھی بس اس مکان کو گرادیا اور گرا کر آکر کہا بھی نہیں کہ یارسول اللہ میں نے مکان گرادیا۔ خود ہی حضورؐ نے ایک مرتبہ دریافت کیا بتلا یا گیا۔

یہ شان تھی کہ نہ ان کی نظروں میں مکان کی کوئی حیثیت تھی نہ قبہ کی کوئی حیثیت تھی، کسی چیز کی کوئی حیثیت نہیں تھی جو نبی اکرمؐ کے منشاء کے خلاف ہو۔ ہر چیز گری ہوئی کو ناپسند کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپؐ سفر میں تھے اونٹوں پر سوار، صحابہ کرامؓ کی بڑی جماعت ساتھ تھی، یمنی سرخ سرخ چادریں اونٹوں پر پڑی ہوئی تھیں۔ ان چادروں کو دیکھ کر فرمایا تم لوگوں کی طبیعت ان خوشنما چادروں کیطرف مائل ہوتی جارہی ہے۔ بس یہ سننا تھا کہ فوراً اونٹوں سے کود ے صحابہ کرامؓ اور چادر اتار اتار کر پھینکدی۔ بنی اکرمؐ کو جو چیز ناپسند ہے وہ ہرگز برداشت نہیں کی ساتھ میں اُن حضرات کو یہی علامت ہے محبت کی۔ محبت کا دعویٰ ہو تو محبوب کی مرضی کے خلاف چیزیں اپنے بدن میں موجود ہوں، اپنے گھر میں موجود ہوں، اپنے معاشرہ میں موجود ہوں،

اپنی کمائی میں موجود ہوں، اپنی تجارت میں موجود ہوں، اپنی ملازمت میں موجود ہوں ہر چیز نبی اکرمؐ کے منشاء کے خلاف ہو پھر دعوئ محبت۔ یہ دعویٰ تو باطل، اس دعویٰ کی کوئی قدر وقیمت نہیں۔ اس دعویٰ کے متعلق تو بہت سے بہت یہ کہا جائیگا یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَالَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زبانوں سے ایسی بات کہتے ہیں جو دلوں میں نہیں۔ ورنہ دلوں میں اگر ہوتی تو پھر زندگی کا رخ دوسرا ہوتا۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے کسی نے دریافت کیا حضور ایک بات بتلایئے۔ اگر اللہ تعالےٰ آپ سے فرمائیں مانگو کیا مانگتے ہو تو آپ کیا مانگیں گے۔ جواب دیا کچھ نہیں، صرف اتنی درخواست کروں گا اے خدائے پاک تیرے رسول کی جو محبت صحابۂ کرام کو تھی اس کا کوئی حصہ مجھے عطا فرمادے۔ بس اتنی مانگ۔ یہی محبت تھی در حقیقت اعلیٰ درجہ کی۔

دہلی میں ایک مجذوب رہا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ پڑھا کرتے تھے دہلی میں۔ حضرت نانوتوی کبھی کبھی مجذوب کے پاس جایا کرتے تھے اور حضرت مولانا گنگوہیؒ بہت بچتے تھے ان سے۔ اس راستے سے نہیں چلتے تھے جس راستے میں یہ بیٹھے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت نانوتویؒ نے ان سے کہا کہ آپ میرے لئے دعا کیجئے۔ ان مجذوب کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی بات اپنے پیر کی نقل کرتے تو کہتے میرے بادشاہ نے یوں کہا۔ اور جب کوئی حدیث نبی اکرمؐ کی بیان کرتے تو کہتے دو جہاں کے بادشاہ نے یوں کہا۔ ان کا یہ طریقۂ گفتگو تھا۔ جب انھوں نے دعا کی درخواست کی تو انھوں نے فرمایا۔ قاسم تو مجھ سے دعا کیلئے کہتا ہے میں نے دو جہاں کے بادشاہ کے پاس تجھے پڑھتے دیکھا، دو جہاں کے بادشاہ کے پاس میں نے تجھے پڑھتے دیکھا۔ یہ واقعہ حضرت مدنیؒ نے بیان فرمایا تھا۔ پھر فرمایا واقعہ یہی ہے کہ حضرت نانوتویؒ کے قلب میں مشکوٰۃ

نبوت سے براہِ راست علوم منتقل ہوتے تھے۔ ان کے اردو کے چھوٹے چھوٹے رسائل میں وہ عالی مضامین موجود ہیں کہ جس کا صدیوں کے اکابر کی کتابیں ان سے خالی ہیں۔ ان حضرات کا تعلق براہِ راست نبی اکرمؐ سے ایسا ہوتا ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کا ایک مقولہ ہے کہ بہت کو معارف بہت کو مکاشفات دوسرے عالم کے سامنے آئیں لیکن انکی کوئی حقیقت نہیں۔ ایک شخص استنجاء سنت کے مطابق کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک جو کچھ اس کی مقبولیت ہے وہ ان معارف کی نہیں، مقصود اتباعِ سنت ہے۔ جس قدر اتباعِ سنت ہوگا اسی قدر اللہ کے یہاں مقبول ہوگا۔

ایک صحابی ربیعہ بن کعبؓ ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات میں رہتا، آپ کیواسطے وضو کا پانی اور ضرورت کی چیزیں لاتا۔ ایک مرتبہ فرمایا سَلْ مانگ کیا مانگتا ہے۔ قسمت کھل گئی اس خادم کی جس کو کہ سرورِ دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ کتنے خوش نصیب ہیں مانگ کیا مانگتا ہے۔ انھوں نے کیا مانگا۔ ہم لوگ بھی اپنے اپنے جی میں سوچ لیں۔ جب ہم سے پوچھا جائے مانگو کیا مانگتے ہو۔ ہم کیا کہتے۔ انھوں نے پوچھا حضورؐ میں آپؐ کا ساتھ مانگتا ہوں، جنت میں یہ چاہئے کہ آپ کا ساتھ نصیب ہو جائے۔ حضورؐ نے فرمایا اَوْ غَیرَ ذٰلِکَ اس کے علاوہ کچھ اور۔ انھوں نے فرمایا۔ واہ صاحب میری مانگ تو یہی ہے۔

ظاہر بات ہے جس کو جس سے محبت ہوتی ہے چاہتا ہے کہ اس کو اس سے مراقبت نصیب ہو جائے۔ دنیا میں بھی مراقبت ہو جائے۔ اور یہاں تک کہ بعضے بعضے اس کی بھی خواہش کیا کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد قبر بھی قریب ہو جس سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ قبر وہاں ہو۔ کتنے لوگ وصیت کرتے ہیں کہ ہماری قبر

فلاں بزرگ کے پاس ہو فلاں بزرگ کے قبر کے قریب ہو ہماری قبر۔ اور پھر جنت کی مراقبت۔ یہ تو اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ انھوں نے حضورؐ سے جنت کی مراقبت مانگی کیا آپؐ کا ساتھ اس دنیا میں تو نصیب ہوتا ہے جنت میں بھی۔

گنگوہ میں حضرت گنگوہیؒ کو ایک صاحب چائے بنا کر تہجد کے وقت پلایا کرتے تھے۔ خاص آدمی تھے، زیادہ تعلق تھا۔ حضرت نے فرمایا: سب لوگ اپنی اپنی باتیں کہتے ہیں تم اپنی بات کبھی کچھ نہیں کہتے۔ فرمایا حضرت کیا کہوں ایک تمنا ایک خواہش ہے وہ یہ کہ یہاں تو خدمت کا موقع ملتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اُس عالم میں بھی خدمت کا موقع مل جائے۔ انھوں نے کہا ضرور ان شاء اللہ ضرور۔

جب ربیعہ بن کعبؓ نے کہا کہ حضورؐ آپکی مراقبت چاہئے جنت میں۔ تو حضورؐ نے کیا فرمایا" اعنی بکثرۃ السجود" دیکھو بھئی تم میرے پاس جنت میں رہنا چاہتے ہو تو اس میں تم کو میری ذرا مدد کرنی ہوگی اپنے نفس کے خلاف کثرت سجود کے ساتھ نماز زیادہ پڑھا کرو چاہے جی نہ چاہتا ہو جی پر بوجھ ہوتا ہو مگر نماز زیادہ پڑھا کرو۔ جب نماز زیادہ پڑھا کروگے تو یہ میری مدد ہوگی کہ میں اس کی بدولت اللہ تعالےٰ سے درخواست کرونگا کہ اس بندہ کو میرے ساتھ جنت میں رکھنا۔

نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرنیوالے اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنی پوری زندگی کا جائزہ لیں کہ کونسی بات ہماری زندگی میں حضورؐ کے منشا کے خلاف ہے حضورؐ کے مرضی کے خلاف ہے۔ اُن کو نکالنے کی کوشش کریں، یکدم تو ساری چیزیں نہیں نکلتیں، آہستہ آہستہ نکلتی ہیں۔ طبیعت پر بوجھ بھی ہوگا لیکن برداشت کرنا ہوگا۔ ایک اپنی طبیعت کا بوجھ، ایک حضورؐ کی طبیعت کا بوجھ۔ کتنی خسارہ کی بات ہے اپنی طبیعت کا بوجھ تو برداشت کرلے

حضورؐ کی طبیعت کا بوجھ برداشت نہ کرے۔

فارس میں کوئی شخص تھے۔ انھوں نے ہندوستان کے کسی شاعر کا کلام دیکھا اس کلام کو دیکھ کر بہت متأثر ہوئے کہ بھئی اس شخص سے ملنا چاہیئے۔ وہ چل کر آئے فارس سے۔ اس زمانہ کا سفر آسان سفر نہیں تھا وہاں سے چل کر آئے گھومتے گھامتے اُس شاعر کے پاس پہنچے۔ وہ سمجھتے تھے کہ کوئی بہت بڑے عارف شخص ہوں گے، ولی اللہ ہوں گے، ان کی زندگی ساری کی ساری سنت کے مطابق ہوگی۔ اشعار سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا تھا لیکن جب یہاں ان کے مکان پر پہنچے تو دیکھا ڈاڑھی منڈوائے ہوئے تھے۔ بس وہیں یہ کہا کہ اوہ ریش می تراشی۔ کیوں صاحب آپ ڈاڑھی چھلوا رہے ہیں۔ انھوں نے شاعرانہ جواب دیا "بلے ریش می تراشند دلِ کس را نمی تراشند" ہاں میں ڈاڑھی چھیل رہا ہوں کسی کا دل نہیں چھلوا رہا ہوں۔ انھوں نے کہا "غلط می گوئی" دل می تراشی دل آں کس می تراشی کز دعرش اعظم می ریزد" کہ تم غلط کہتے ہو کسی کا دل نہیں چھیل رہے ہو دل چھیل رہے ہو اور اس ذاتِ عالی کا دل چھیل رہے ہو جن سے عرشِ اعظم کا پتا ہے، حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا تم دل چھیل رہے ہو۔

اب ہمیں کبھی خیال ہوتا ہے کہ ہم ہر کام سنت کے خلاف کرتے ہیں حضورؐ کو تکلیف پہنچے گی۔ چونکہ طالب صادق تھے اخلاص کے ساتھ بات کہی "از دل خیزد بر دل ریزد" جو بات دل سے نکلتی ہے دل پر اثر ہوتا ہے ؎

بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے ۔ پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

پر نہیں مگر پرواز کی طاقت اس کے اندر ہے۔ بات کہی ان شاعر صاحب کے دل پر لگی فوراً ڈاڑھی اسی حالت میں چھوڑ دی۔

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی ۔ مرا بجناں جاں ہمراز کردی

اللہ تم کو جزائے خیر دے تم نے میری آنکھیں کھول دیں۔ جان جاناں کے ساتھ مجھے ہمراز کر دیا۔ ڈاڑھی چھلوانے سے حضورؐ کو تکلیف ہوئی ہے۔

حدیث شریف میں موجود ہے۔ ایک شخص آیا ڈاڑھی خراب کر کے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں۔ آپؐ نے اپنا چہرۂ مبارک پھیر لیا۔ اذیت ہوتی تھی تو پھیرا چہرۂ مبارک دوسری طرف۔ اگر کسی کی بات پسند ہوتی تو تب تھوڑے ہی منہ پھیرا جاتا۔ منہ تو اس سے پھیرا جاتا ہے جس کی بات ناپسند ہو دل کو جی سے صدمہ پہنچے رنج پہنچے اس سے منہ پھیرا جاتا ہے۔

عرض کرنا یہ ہے کہ ایک طرف ہمیں دعویٰ ہے محبت کا کہ ہمیں حضورؐ سے محبت ہے۔ ایک طرف یہ کہ جو چیزیں حضورؐ کو اذیت پہنچانے والی ہیں وہ ساری کی ساری ہمارے اندر بھری ہوئی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہمارا یہ دعویٰ کہاں تک موافق ہے۔ اور جن چیزوں کو حضورؐ نے محبت کی علامت فرمایا ہے وہ علامت ہمارے اندر موجود نہیں۔ اُن علامتوں سے خالی حضورؐ کے منشاء کے مرضی کے خلاف چیزیں موجود ہیں۔ جس شخص کو اللہ تبارکؒ وتعالےٰ کے نبی سے محبت ہوگی اور وہ محبت غالب ہوگی ہر ایک کی محبت پر تو اللہ تعالےٰ اس کی محبت تمام کائنات کے دلوں میں پیدا فرما دیتے ہیں۔

مولانا رومؒ کے والد بڑے زبردست بزرگ تھے اپنے زمانے کے۔ ان کی خدمت میں بادشاہِ وقت آیا تھا۔ آکر دیکھا مجلس کا عجیب حال ہے۔ وزیر بھی وہاں موجود نمبر دو کے وزیر نمبر تین کے وزیر کتنے امیر وزراء تھے سلطنت کے سارے موجود۔ ایک طرف کو نظر اٹھا کر کے دیکھتے ہیں تو بڑے بڑے تاجر و وزراء موجود، دوسری طرف کو علماء موجود۔ بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی کہ میرے دربار میں تو یہ لوگ اس طرح سے آتے نہیں۔ ان کے یہاں اس

شان کے ساتھ موجود، اور اتنے قدر سے بیٹھے ہوئے۔ ہر ایک کے صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ سراپا محبت بنا بیٹھا ہے۔ عظمت ان بزرگ کی سب کے اوپر چھائی ہوئی ہے، ذرا دیر بیٹھ کر بادشاہ کا ذہن دوسری طرف متوجہ ہوا۔ بجائے حیرت کے غیرت پیدا ہونا شروع ہوئی، حسد پیدا ہونا شروع ہوا۔ ان کے پاس اتنا اقتدار ہے۔ میں باوقار ہوں میرے پاس اتنا اقتدار ہے نہیں۔ کیا کیا خزانہ کی کنجیاں بھیج دیں ان بزرگ کی خدمت میں اور ان کے والد صاحب کے یہاں کہلا بھیجا میرے پاس تو کچھ اور رہا نہیں سب کچھ آپ کے پاس ہے صرف خزانہ کی کنجی ہے۔ یہ بھی آپ کے پاس، رکھ لیجئے لے لیجئے۔ اقتدار، وجاہت، عزت سب آپکے پاس ہے کچھ نہیں میرے پاس لہٰذا یہ کنجیاں بھی حاضر ہیں۔ انھوں نے کنجیاں واپس بھیجدیں اور درخواست کی کہ آج مشاہدہ ہے کل تک کی مجھے مہلت ہو کہ پرسوں جمعہ ہے جمعہ کی نماز پڑھ کر میں آپ کا شہر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ سب چیزیں آپ کو مبارک ہوں۔ اس بات کی خبر اڑ گئی اوروں کو بھی۔ ایک وزیر کا استعفیٰ آیا، دوسرے وزیر کا استعفیٰ آیا اِس کا آیا اُس کا آیا کہ جب حضرت جا رہے ہیں تو ہم بھی جا رہے ہیں۔ شہر کے جو معزز تھے بڑے باوقار لوگ تھے وہ بھی آگئے، بادشاہ کو خبر ہوئی اس نے کہا یہ اگر چلے جائیں گے شاید کہ ساری جان نکل جاویگی روح نکل جائے گی۔ شاید شہر کی رونق جتنی تھی سب کی سب ختم ہو جائیگی ان کے چلے جانے سے۔ خود حاضر ہو کر معافی مانگی۔ مجھ سے بڑی گستاخی ہوگئی معافی چاہتا ہوں معاف فرمایئے، آپ یہاں سے تشریف نہ لے جائیے۔ کیا بات تھی بات یہی تھی کہ اُن بزرگ نے مولانا رومؒ کے والد محترم نے اپنے نفس پر ہر چیز کو نبی اکرمؐ کی محبت کو غالب فرمادیا تھا اس کے نتیجہ میں اللہ تعالےٰ نے ہر ایک کے دل میں ان کی محبت پیدا فرمادی۔ اللہ تبارک وتعالےٰ اتنی بڑی دولت عطا، فرماتے ہیں۔ آدمی اپنی

خطاؤں پر نادم ہو تو دو قطرے اس کی آنکھ سے نکل جائیں خدا کو بہت پسندیدہ ہے
کیا جانے کوئی اشک ندامت کی حقیقت کونین خریدے ہیں اسی ایک گہر سے
اسی ایک گُہر سے کونین خرید لیں جہاں سے اشک نکلتا ہے۔ دو جہاں آدمی
اس کے ذریعہ سے خرید سکتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ یہ چیز عطا فرما دے اور
دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں ہیچ، حقیر ہیں۔ یہ بہت بڑی دولت ہے۔
شبہ پیدا ہوتا ہے بعضے بعضے بزرگوں کے پاس تو بڑا مال و دولت ہے، لباس
ان کا اعلیٰ قسم کا، کھانا بھی اعلیٰ قسم کا، مکان و رہائش بھی، ساز و سامان بھی اعلےٰ۔
ہاں ایسا بھی ہوتا ہے مگر کیا کیفیت۔
ایک صاحب حج کو جا رہے تھے بہت مختصر سا سامان ان کے پاس ایک
مشکیزہ، ایک لوٹا، ایک تکیہ بہت ہی فقر پیدل چلے جا رہے ہیں۔ چلتے چلتے ایک
کشتی میں بیٹھے وہاں ایک بزرگ تھے انھوں نے کہا ان کی خدمت میں بھی ہوتے
چلے جائیں زیارت کے لئے۔ گئے۔ اپنا یہ سامان رکھ دیا مسجد میں۔ اُن بزرگ کے
یہاں دیکھا تو شاہانہ شان ہے۔ بادشاہ کو بھی نصیب نہیں ایسی شان و شوکت۔
وہاں جا کر دل کے اندر شبہ پیدا ہوا کہ بزرگ ایسے بھی ہوا کریں۔ بیٹھے اور پوچھا
کیسے آئے۔ حج کیلئے جا رہا تھا سوچا کہ آپ سے بھی ملاقات کرتا جاؤں۔ انھوں نے
کہا اچھا۔ کہا چلو ہم بھی چلیں۔ ان کے ساتھ ہو گئے۔ یوں سوچا کہ سامان و امان کچھ ہوگا
اُن کا۔ اتنی شان و شوکت کے ساتھ ہیں۔ مستقل جماعت ہو گئی ان کے ساتھ تو۔
آبادی سے باہر نکل گئے چلتے چلتے تب ان صاحب نے کہا حضرت آپ کا ساز و
سامان۔ انھوں نے کہا سامان تو میرے پاس کچھ ہے نہیں۔ خدام کہاں۔ خادم بھی
نہیں اور رہا یہ ساز و سامان یہ تو سب کا ہے ہمیں اس سے کیا لینا۔
ان حضرات کا یہ حال ہوتا ہے سارے ساز و سامان کے ساتھ رہتے بھی

ان کو اس سے اتنا بھی تعلق نہیں۔ یہ بے تکلفی ہے۔ ایک شخص جس کے پاس ایک مشکیزہ ایک لوٹا، ایک تکیہ اس کا دل اسی میں اٹکا ہوا رہتا ہو کتنا بڑا فرق ہے کسی نے کہا : ؎

نہ مرد آنست کہ دنیا دوست دارد　　　اگر دارد برائے دوست دارد

وہ مرد نہیں ہے جو دنیا کو دوست رکھے۔ اور اگر دنیا اس کے ساتھ ہے تو وہ دوست کی خاطر رکھے کہ اس کی دی ہوئی مالک کی دی ہوئی چیزیں اس نسبت سے کہ مالک ہی کی عطا کی ہوئی ہیں یہ نسبت بہت اونچے درجہ کی چیز ہے جبکہ قلب میں اس کا پورا استحضار ہو جائے۔

ارے کم بخت محبوب سے محبت تو ہے نہیں۔ اس کی دی ہوئی چیز سے مزے لے رہا ہے اس کی دی ہوئی چیز سے مزہ کہاں، مزہ تو محبوب کے تعلق اور ذکر سے آتا ہے۔ اگر اس سے تعلق ہو تو اس کی دی ہوئی چیز سے مزہ آئے۔ اس سے تو تعلق ہے نہیں تو بھلا مزہ کہاں۔ مالک کی دی چیزیں اس نسبت سے کہ مالک کی عطا کی ہوئی ہیں اس کی خدا کرے یہ حضرات اس چیز کی نسبت سے نہیں۔ اسی نسبت کی وجہ سے احادیث میں واقعہ آیا ہے۔

حضرت ایوبؑ غسل فرما رہے تھے، سونے کی ٹڈیاں آئی ہوئی ہیں۔ ٹڈی جانور چھوٹا سا ہوتا ہے۔ سونے کی چیز۔ بس یہ فوراً اکٹھی کرنے لگے۔ وہاں سے وحی آئی اے ایوب! کچھ کمی ہے کیا ہمارے پاس۔ فرمایا: پاک پروردگار آپ کا دیا ہوا سب کچھ ہے کمی کس چیز کی۔ یہ سب آپ کی عنایات ہیں آپ کی نعمت ہیں۔ آپ کی نعمت سے کون مستغنی ہو سکتا ہے۔ کمی کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ کی طرف سے آنے کی وجہ سے جمع کر رہا ہوں۔

ایک بزرگ کے پاس ان کے خادم نے آ کر عرض کیا حضرت فلاں موتی بادشاہ نے آپ کے پاس بھیجا تھا۔ فلاں تھا نادار تھا وہ کھو گیا۔ دونوں آنکھ بند کر کے دیکھا تو فرمایا الحمد للہ خدام تلاش کرنے میں لگے ہوئے تھے ہی ڈھونڈ ڈھانڈ کے نکال لیا اور فرمایا حضرت وہ موتی پا لیا۔ فرمایا الحمد للہ۔ بعد میں کسی نے پوچھا حضرت یہ کیا بات ہے۔

آپ نے اس کے کھو جانے پر بھی الحمدللہ کہا۔ اور پائے جانے پر بھی الحمدللہ فرمایا۔ جب آکر خبر دی کہ موتی کھو یا گیا۔ میں نے دیکھا میرا اطمینان تو نہیں کھو گیا۔ میں نے دیکھا کہ میرا اطمینان بالکل کھویا نہیں اطمینان قلب میں تھا اس لئے الحمدللہ کہا۔ جب آکے خبر دی کہ موتی مل گیا، پاگیا تو دیکھا کہ اطمینان میں کچھ اضافہ تو نہیں ہوا خوشی تو نہیں ہوئی دیکھا کوئی تبدیلی نہیں نہ اضافہ نہ کمی بالکل فارغ۔ میں نے کہا الحمدللہ۔ لہٰذا ان بزرگوں کے پاس جو کچھ عطا ہو حق تعالےٰ کیطرف سے اس کی نسبت سے اس کی قدر ہوتی رہے کہ حق تعالیٰ کی دی ہوئی ہے۔ لانیو الا اخلاص کے ساتھ میں لا رہا ہے پس اخلاص کے ساتھ قدر کرنی چاہئے۔ اس چیز کی اس ہیئت سے کہ اپنے نفس کی خواہش کی چیز ہے۔ اس کی بالکل قدر نہیں ہوتی۔ قدر ہوتی تو اس چیز کی جس کو حق تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ یہ نہیں کہ نفس کو اس سے راحت ملے گی، نفس خوش ہوگا اس واسطے نہیں بلکہ اسواسطے کہ اللہ اس سے کتنے خوش ہوں گے جنھوں نے یہ چیز عطا کی۔

عجیب حال تھا بزرگوں کا حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ معمولی بوریئے چٹائی پر بھی بیٹھے، دری پر بھی بیٹھے، بیش قیمت قالین پر بھی بیٹھے، معمولی کپڑے بھی پہنے، قیمتی کپڑے بھی پہنے، کپڑا تھا سفید اس کے اوپر کالے رنگ کے پیوند بھی لگائے۔ نہ اس کے پہننے سے کوئی عار ہے نہ اس کے پہننے کیوجہ سے کسی قسم کا استکبار ہے۔ جو شخص اپنے نفس کو مٹا دے۔ اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنے اوپر غالب کرلے تو یہ دنیا اسکی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اللہ تبارک و تعالےٰ اپنے فضل سے اس کو بہت کچھ نوازتے ہیں، بہت کچھ عنایت فرماتے ہیں۔

تو ساری درخواست کا خلاصہ یہی ہے کہ محبت کے بغیر ایمان نہیں۔ لَا یُؤمِنُ

اَحَدُکُم حَتّٰی اَکُونَ اَحَبَّ اِلَیہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجمَعِینَ
اللہ کی محبت ہو اللہ کے رسول کی محبت ہو۔ اور یہ حضورؐ کی محبت ہر ایک کی محبت پر غالب ہونی چاہیئے۔ یہ ایمان کی علامت بتائی ہے۔ اور جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو گی تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی جو چیز ہوگی وہ اپنی پسند ہوگی اور جو حضورؐ کو ناپسند ہوگی وہ اپنے کو ناپسند ہوگی۔ اور جس سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو خوشی ہو اس سے اپنے آپ کو خوشی ہو، اور جس سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو خوشی نہ ہو اس سے اپنے آپ کو خوشی نہ ہو۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ جس وقت ہجرت کے موقعہ پر ساتھ تھے، غارِ ثور کے قریب پہاڑی پر پہنچ کر دیکھا ایک شخص بکریاں چرا رہا ہے۔ اس سے پوچھا بھائی کس کی بکریاں ہیں۔ کہا کہ فلاں شخص کی۔ وہ ان کا جاننے والا تعلق والا تھا۔ انھوں نے کہا اجازت ہے دودھ دو ہنے کی؟ کہا ہاں اجازت ہے۔ دودھ دوہ لیا پہلے بکری کے تھن کو صاف کیا غبار سے، دودھ دوہا اس کو الٹ پلٹ کر ٹھنڈا کیا تاکہ اس کی گرمی ختم ہو جائے۔ فریج تو نہیں اس زمانے میں۔ یوں ٹھنڈا کر لیا کرتے تھے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو پلایا۔ حدیث میں موجود ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں فشرب حتّٰی رضیتُ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا یہاں تک کہ میرا جی راضی ہو گیا۔ پی رہے ہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم دودھ اور راضی ہو رہا ہے حضرت ابوبکرؓ کا جی۔ غار کے اندر جانے کا وقت آیا تو حضورؐ سے عرض کیا حضور ٹھہر جائیے پہلے میں جا رہا ہوں۔ اندر گئے تاکہ اگر کوئی موذی جانور وہاں ہو۔ ایسے غار میں ہوا ہی کرتے ہیں اس سے حفاظت ہو جائے۔ گئے جا کر کے دیکھا کہ غار میں بہت سارے سوراخ ہیں ادھر ادھر۔ چادر کو اپنی پھاڑ پھاڑ کر سوراخوں میں بھر دیا راستے بند کر دیئے اس کے کہ کوئی موذی جانور

اندر نکل نہ پائے۔ جب باہر آئے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ چادر کیا ہوئی۔ تو کہا حضور اس کام آگئی۔ آقائے نامدار صلے اللہ علیہ وسلم کی راحت کے واسطے چادر کام آگئی۔ اس سے زیادہ خوش نصیب چادر کون سی۔ پھر حضورؐ کو لیکر اندر گئے اور جاکر کہا حضور میری ران پر سر رکھ کر آرام کرلیں۔ سو جائیں۔ لٹا دیا۔ دیکھا کہ ایک سوراخ رہ گیا۔ اس سوراخ میں اپنا پیر دے دیا حضرت ابوبکرؓ نے۔ وہاں کوئی سانپ تھا، سانپ نے کاٹا۔ بس اس سانپ کے کاٹتے ہی یہ خیال پیدا ہونا شروع ہوگیا کہ سانپ میں اللہ تعالےٰ نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ اس کے کاٹنے سے آدمی مرجاتا ہے۔ میں مرجاؤں گا حضور صلے اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ جائیں گے حضور مجھ پر اعتماد کرکے اپنا رفیق بناکر ساتھ لائے ہیں۔ افسوس حضور بغیر رفیق کے رہ جائیں گے۔ دشمن تلاش میں ہے پریشانی ہوگی۔ یہ تصور آنا تھا کہ بے اختیار آنسو آگئے، آنسو چہرۂ مبارک پر گرے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو کہا حضور مجھے سانپ نے کاٹ لیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے لعابِ دہن لگا دیا، اللہ تعالےٰ نے شفا عطا فرمادی۔

ابوبکر صدیقؓ کی آنکھ سے آنسو نکلنے کی وجہ یہ ہے، یہ تصور کہ حضورؐ تنہا رہ جائیں گے۔ دشمن تاک میں ہے۔

بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اعتراض کرتے ہیں کہ دیکھو بڑے میاں صورت بنائے رو رہے ہیں ذرا سا سانپ نے کاٹ لیا تو رو رہے ہیں۔ بدنصیبوں کی کتابوں میں ہے یہ چیز۔ شیعہ لوگ کہتے ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جب لعابِ دہن لگا دیا زہر رفع ہوگیا صحت ہوگئی۔ دشمن تلاش کرتے کرتے قریب تک پہنچ گئے عرض کیا کہ حضور دشمن ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ ذرا اپنے قدموں کیطرف دیکھ لیں تو ہمیں دیکھ لیں گے۔

آپؐ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ ان دو کے متعلق کیا خیال کرتے ہیں کہ تیسرا جن کا اللہ ہے۔ ایک میں اور تم دو اور تیسرا ہمارا اللہ ہے، ہمارا محافظ اللہ ہے۔ حضورؐ کو بھی اعتماد تھا۔ حضورؐ کو اعتماد نہ ہوگا تو اور کس کو اعتماد ہوگا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے ازالۃ الخفاء میں کہ حضرت عیسٰی علیٰ نبینا علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حوارین میں سے ایک نے درخواست کی حضرت عیسٰیؑ سے آپ دعا کیجئے کہ میں نبی آخرالزماں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرلوں۔ وہاں سے جواب ملا کہ نہیں اس حالت میں تو نہیں دیکھ سکتے اگر تم چاہو تو تم کو سانپ بنا دیا جائے۔ اس نے منظور کرلیا۔ انسان اشرف المخلوقات اور وہ بھی اس زمانہ کے جلیل القدر پیغمبر کے صحابی حوارین میں سے تھے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شوق اتنا غالب تھا کہ انھوں نے اس اشرف المخلوقات کی صورت کو بدل کر سانپ کی صورت لانیکو بخوشی منظور کرلیا نبی کریمؐ کے دیدار کے لئے۔ چنانچہ ان کو سانپ بنا دیا گیا۔ بتا دیا گیا تھا کہ نبی اکرمؐ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے۔ مدینہ طیبہ ہجرت کر کے جائیں گے، راستے میں اس غار میں ٹھہریں گے۔ آکر سانپ اس غار میں ٹھہر گئے، کئی صدیاں گذرگئیں اسی کا وہ سوراخ رہ گیا تھا جس میں حضرت ابوبکرؓ نے پیر دیا تھا۔ اس سانپ نے کہا اللہ کے بندے اتنی صدیوں پڑا رہا حضورؐ کی زیارت کے لئے آج تم نے پیر دیدیا۔ تو بھئی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شوق تو سبھی کو ہے ماشاء اللہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں قربان کر کے حضورؐ کی زیارت نصیب ہو جائے تو بھی بڑی بات ہے۔ اللہ کے بندے ایسے بھی اس دنیا میں گذرے جنھوں نے حالت بیداری میں حضورؐ کی زیارت کی۔

حضرت جلال الدین سیوطیؒ کے متعلق فیض الباری میں لکھا ہے کہ آٹھ مرتبہ

انھوں نے بیداری کی حالت میں حضور اکرمؐ کی زیارت کی۔ اور دوسرے حضرات کے متعلق بھی ہے۔

حضرت مولانا مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے حالات میں ہے کہ مدینہ طیبہ میں مسجد نبویؐ میں بیٹھے حدیث شریف کا درس دے رہے تھے۔ مسئلہ آگیا حیات النبیؐ کا کہ حضورؐ وفات کے بعد بھی اپنی قبر مبارک میں حیات ہیں بس کیا تھا۔ طلبہ اشکال کر رہے تھے۔ حضرت مولاناؒ سمجھا رہے تھے دلائل کے ساتھ۔ طلبہ نہیں مان رہے ہیں۔ حیات تسلیم نہیں کر رہے ہیں۔ سبق پڑھاتے پڑھاتے یکدم مولانا نے یوں سر اٹھایا روضۂ مبارک کیطرف قبر اطہر کیطرف۔ طلبہ نے بھی دیکھا۔ دیکھا تو روضۂ مبارک وہاں نہیں حجرہ شریف وہاں نہیں دیوار وغیرہ کچھ نہیں خود نبی اکرمؐ بنفس نفیس تشریف فرما ہیں۔ پھر سر دوسرے طرف کو کر لی۔ دوبارہ دیکھا تو پھر روضۂ مبارک اسی طرح موجود جیسے پہلے تھا۔ یعنی[۱] ویسے دلائل سے سمجھایا تو سمجھ میں نہیں آیا تو نفس الامری میں دکھلا دیا کہ اپنی اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ اللہ تعالےٰ جس کو پسند فرما لیتے ہیں تو دکھلاتے ہیں۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شوق انشاءاللہ سب کو ہے۔ اور اس شوق کو پورا کرنیکا داعیہ بھی سب کو ہے۔ اس دنیا میں نصیب ہو آخرت میں نصیب ہو قبر میں نصیب ہو۔ حضور اکرمؐ نے طریقہ بتلا دیا اس کے لئے کہ جنت میں میرے ساتھ کی صورت یوں ہے جنت میں میری رفاقت کس طرح حاصل ہو سکتی ہے اَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِکَ بِکَثْرَۃِ السُّجُوْدِ۔ زیادہ نماز پڑھا کرو۔ اور اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اگر آدمی اس نیت سے پڑھے تاکہ حضورؐ کی معیت وہاں

---

[۱] اس وقت حضرت اقدس مفتی صاحب زاد مجدہٗ سر کو اوپر اٹھا کر بتلا رہے تھے۔ ۱۲

نصیب ہو جائے تو حق تعالےٰ اس کو جنت کا بھی ثمرہ عطا فرمائیں گے۔

دعویٰ بھی موجود اور اس دعویٰ کیلئے دلائل بھی بیان فرما دیئے گئے۔ اور دعویٰ کی علامات بھی بتا دی گئیں، حضورؐ کی مرافقت بھی بتلا دی گئی کہ کسطرح سے مرافقت نصیب ہوتی ہے۔ اب جو حضرات اس بات کی خواہش رکھتے ہیں ان سب کو سخت ضرورت ہے کہ اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں، تلاش کر کے دیکھیں جو طریقہ بتلا دیا گیا اس طریقہ کو اختیار کریں ۔ اللہ تبارک وتعالےٰ توفیق عطاء فرمائے اور دھوکہ سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔ حقیقی محبت حقیقی الفت نصیب فرمائے، اصلاح فرمائے۔ حضور اکرمؐ کیطرف سے جو مہمان ہمارے یہاں موجود ہیں اللہ تبارک وتعالےٰ ان کے فیض سے متمتع فرمائے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

اے خدائے پاک ہماری غفلتوں کو دور فرما۔ اے اللہ ہماری بے حسی کو دور فرما۔ اے اللہ تیری طرف سے انعامات اور انعامات کے اثرات میں کوئی کمی نہیں ہے اے پروردگار ہمیں توفیق عطا فرما اس سے نفع اٹھانیکی۔ اے اللہ یہ پاک مہینہ مبارک مہینہ جا رہا ہے اے مولا اس کو پورا پورا وصول کرنیکی توفیق مرحمت فرما۔ اے مولا رحم فرما۔ گناہوں کی نحوست سے ہم کو دھو دے پاک فرما دے۔ اے اللہ جن اخلاقِ رذیلہ سے تیرے نبی اکرمؐ کو ناراضگی ہے۔ اے پاک پروردگار ایک ایک کر کے ان کو ہمارے سے نکال دے۔ الٰہ العالمین جن اخلاق سے محبت فرماتے تھے وہ اخلاق مرحمت فرما۔ اے پاک پروردگار تو بے جان چیز میں جان ڈالنے والا ہے الٰہی ہمارے اندر بھی حقیقی جان ڈال دے۔ اے اللہ

اپنے حبیبؐ کی محبت کو ہر چیز کی محبت پر غالب فرما دے۔ اے پاک پروردگار ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے۔ جیسا روزہ تجھے مطلوب ہے ویسا روزہ رکھنے کی توفیق مرحمت فرما، جیسی نماز تجھے مقبول ہے ویسی نماز پڑھنے کی توفیق مرحمت فرما۔ اے پاک پروردگار ہمارے دلوں کے زنگ کو دور فرما دے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سیدنا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سیدنا مُحَمَّدٍ وبارک وسَلَّم برحمتک یا ارحم الرّٰحمین۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق

وعظ مرکزی جامع مسجد بانڈی پورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔
امّابعد۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ الخ
اللہ جل جلالہ، وعم نوالہ نے اس آیت شریفہ میں اپنے ایک بڑے احسان کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا کہ اللہ نے بہت بڑا احسان کیا مومنین پر، ایمان لانے والوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں رسول بھیجا جو انہی میں سے ہے۔ انہی کی قسم میں سے ہے۔ انہی کی نوع میں سے۔ یہ بہت بڑا احسان ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات ہیں۔ ہمیں پیدا کیا کتنا بڑا احسان ہے۔ نہ پیدا کرتے تو ہمارا کیا زور تھا۔ پیدا کیا تو انسان بنایا۔ اگر انسان نہ بناتے جانور بنا دیتے تو ہمارا زور تھا کچھ؟ گدھے بھی تو اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں کتے بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ سانپ بچھو بھی اسی نے پیدا کئے ہیں۔ اگر خدا ہمیں انسان نہ بناتا، سانپ بچھو بناتا تو ہمارا کوئی زور تھا اس پر؟ تو کیا ہوا ہوتا؟ جو دیکھتا وہی مارنے کو دوڑتا۔ گدھا بناتا، بیل ہاتھی بناتا تو کیا ہوتا۔ یہ سب بھی تو اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اس نے ہمیں انسان بنایا،

کتنا بڑا احسان کیا۔ پھر انسانوں میں بھی کتنے انسان ایسے ہیں جو بُرے بے شمار عوارض میں مبتلا ہیں، پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ کسی کی آنکھ نہیں، کسی کا کان نہیں، کسی کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی، کسی کے معدے میں درد، کسی کی کمر میں درد، قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ساری بیماریوں سے محفوظ فرمایا۔ کتنا بڑا احسان کیا۔ اور کتنے ہی انسان ایسے ہیں جو اپنے ہاتھ سے بُت بناتے ہیں، اُس کی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ اس کو خدا، معبود اور حاجت رَوا سمجھتے ہیں، مالکُ الملک سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ جانتے ہی نہیں اپنے پیدا کرنے والے کو اپنے خالق کو اپنے رازق کو۔ پہچانتے نہیں۔ کتنے لوگ ایسے ہیں کہ نام تو ان کا مسلمان ہے لیکن کبھی مسجد میں نہیں آتے ہیں، کبھی قرآن کریم نہیں پڑھتے۔ کبھی سر نہیں جھکاتے خدا کے سامنے۔ کبھی کلمہ نہیں پڑھتے۔ جانتے نہیں۔ تو اللہ نے کتنا بڑا احسان فرمایا کہ اپنے گھر میں آنے کی اجازت دی۔ مسجد میں آنے کی۔ اگر مہر لگا دیں دلوں پر تو کوئی آسکتا ہے؟ ہرگز نہیں آسکتا۔

ایک صاحب بابو۔ ان کے ساتھ ملازم۔ ملازم نماز کا بہت پابند۔ کہیں ساتھ لئے جا رہے ہیں۔ چلتے چلتے بازار سے کچھ سامان سودا خریدا۔ ادھر اذان ہوگئی۔ ملازم نے کہا حضور میں تو جا رہا ہوں میرے آقا نے میرے مولا نے مجھے بلایا ہے۔ اس نے کہا تیرا آقا تو میں ہوں تجھے کس نے بُلایا۔ اس نے کہا کہ نہیں ایک دوسرا آقا ہے جو ہم سب کا آقا ہے۔ اس نے بُلایا ہے۔ اذان ہوگئی۔ مسجد میں جانے کے لئے حکم ہے۔ چنانچہ وہ باہر بیٹھ گئے اور ملازم مسجد کے اندر آگیا، ملازم نے نماز پڑھی، کچھ تسبیح وظیفہ پڑھنے لگا۔ دیر ہوگئی نہیں گیا۔ وہ صاحب آئے۔ آواز دی۔ ارے آتا نہیں کیا ہوگیا؟ ملازم نے کہا جانے نہیں دیتے۔ اس نے کہا ارے کون نہیں جانے دیتا وہاں کون بیٹھا ہے۔ دیکھا ادھر ادھر کوئی وہاں

بیٹھا نہیں ہے۔ پھر کون جانے نہیں دیتا۔ ملازم نے کہا وہی جو آپ کو اندر نہیں آنے دیتا۔ جو آپ کو اندر مسجد میں آنے نہیں دیتے وہ مجھ کو مسجد سے باہر جانے نہیں دیتے۔

اللہ میاں کی طرف سے کتنا بڑا احسان ہے کہ اپنے دربار میں اس نے آنے کی اجازت دیدی۔ دنیا میں کسی کلکٹر سے کسی ڈپٹی سے کسی بڑے آدمی سے ملنا چاہو تو کتنی دیر لگتی ہے۔ اس کے یہاں درخواست بھیجو۔ ملازمین سے بات کرو۔ ٹیلیفون پر بات کرو۔ وقت بتاؤ۔ اپنا مقصد بتاؤ۔ کیوں آئے ہو۔ یہ بتانا پڑیگا۔ پھر بھی اُلجھن ہے اجازت ملے یا نہ ملے۔ اللہ میاں کے یہاں کچھ نہیں۔ کوئی درخواست نہیں دیتے۔ کسی کی سفارش نہیں۔ آؤ وہ اعزاز واکرام سے بلاتے ہیں۔ اجازت ہے آؤ آؤ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے احسانات تو بہت ہیں بے شمار ہیں۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ کتنا بڑا احسان ہے۔ ایک ایک حرف پر دس دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ ایک ایک سورۃ عالی۔ ایسا کہ ثواب بہت بڑا۔ قُلْ ھُوَ اللہ شریف ایک مرتبہ پڑھنے پر ایک تہائی قرآن شریف کا ثواب ملتا ہے۔ یٰسین شریف ایک مرتبہ پڑھنے پر دس مرتبہ قرآن شریف پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ ایسی ایسی نعمتیں اُس نے دے رکھی ہیں۔ نماز کس کی بدولت عطا ہوئی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی بدولت عطا ہوئی۔ پانچ وقت حاضری کا حکم۔ اور اللہ تعالیٰ قدر دانی سے بلاتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آدمی گھر سے وضو کرکے مسجد کے لیے نکلتا ہے تو ایک ایک قدم پر ایک ایک نیکی ملتی ہے۔ ایک ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔ ایک قدم پر اس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔ کتنا بڑا احسان ہے۔ کتنا بڑا اکرم ہے۔ کتنا بڑا اعزاز ہے۔ وہیں سے اعزاز شروع ہوتا ہے۔ اپنے گھر آنے والے کے لیے۔ یہ احسانات انعامات ہیں حق تعالیٰ کے ان پر شکر ادا کرنا چاہیئے۔

جیسی بڑی نعمت ہوتی ہے ویسا اس کا بڑا شکر ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا۔ بہت بڑا انعام ہے۔ قرآن پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملا، روزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملا، زکوٰۃ کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملا، حج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملا۔ کتنے بڑے احسانات ہیں۔ پانچ وقت سارے محلے والے جمع ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔ اُس کی خیریت پوچھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص نہیں آیا تو تحقیق کرتے ہیں کہ کیا بات ہے خیریت پوچھتے ہیں۔ طبیعت تو اچھی ہے، کہیں باہر تو نہیں گیا، کوئی عارض پیش نہیں آیا۔ ایک ہمدردی یہی ہے، جو نماز کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ ہفتے میں ایک روز جمعہ کے دن ساری بستی کے لوگ جمع ہوتے ہیں، تو ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو دیکھ کر اپنا محسن سمجھتے ہیں، اپنا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھتے ہیں۔ کتنی بڑی ہمت اور قوت دلوں کے اندر پیدا ہوتی ہے نماز کی بدولت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ

جو لوگ عربی سے واقفیت رکھتے ہیں جانتے ہیں "ل" تاکید کے لئے آتا ہے۔ "قد" تحقیق کے لئے آتا ہے۔ بالتحقیق بالیقین اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا احسان فرمایا۔ احسان تو سب کے لئے ہے۔ آپ کی ذاتِ عالیہ ذاتِ مبارکہ، ذاتِ مقدسہ سب کے لئے احسان ہے۔ آسمانوں کے لئے بھی، زمینوں کے لئے بھی، فرشتوں کے لئے بھی، جنات کے لئے بھی، حیوانات کے لئے بھی، بشر کے لئے بھی، سب کے لئے رحمت و نعمت ہے۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ لیکن فائدہ اٹھانے کے لئے مومن ہونا شرط ہے۔ جو لوگ آپ پر ایمان لاتے ہیں:

وہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ احسان خاص طور پر مومنین کے لئے ہے۔ ایمان لانے والوں کے لئے ہے۔ جیسا بڑا احسان ہوتا ہے ویسا ہی بڑا اسکا شکر بھی ہوتا ہے۔ ویسا ہی اس کا حق بھی ہوتا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے حقوق بے شمار ہیں، ان کو اگر سمویا جائے تو تین قسم میں سمویا جا سکتا ہے۔ (۱) پہلا حق ہے محبت کا آپ کی ذاتِ مقدسہ سے محبت ہونی چاہیئے۔ خود حدیثِ پاک میں آتا ہے لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ تم میں سے کوئی شخص مومن کہلانے کا حق نہیں رکھتا، مومن کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے جبتک کہ میری محبت اس کے دل میں اس کے ماں باپ سے اس کے اولاد سے سب انسانوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔ لہٰذا پہلا حق محبت کا ہے۔ حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ مقدسہ سے محبت ہونی چاہیئے۔ ہر مسلمان کے قلب میں محبت ہونی چاہیئے۔ محبت جو ہوتی ہے آدمی کو اپنے گھر سے بھی محبت ہوتی ہے، اپنی دوکان سے، اپنے عہدے سے، اپنی اولاد سے، اپنے مال سے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی جو محبت ہے وہ سب محبتوں سے بالاتر اور اعلیٰ ہونی چاہیئے۔ اس کا اندازہ ہوتا ہے مقابلے کے وقت، ایک کی محبت کا تقاضا کچھ اور، حضورِ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضا کچھ اور۔ تو آدمی کس کی محبت اختیار کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبت کو یا کسی اور کی محبت کو۔ اس کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اُس کے لئے تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ صحابہ کرام رضؓ کا حال۔ صحابہ کرام رضؓ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم سے کس طرح محبت کی ہے۔ اور کیسے کیسے مقابلے کے وقت میں کیا کیا نوبت آئی ہے۔ اسلام کا سب سے پہلا جہاد غزوۂ بدر کہلاتا ہے۔ قصہ طویل ہے۔ اس میں تھوڑا

سا ٹکڑا یہاں نقل کرتا ہوں. قرآن پاک میں بھی غزوۂ بدر کا تذکرہ آیا ہے۔ احادیث میں تشریح سے آیا ہے. جب غزوۂ بدر ہوا. ادھر سے چلے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم. کثرت سے پیادہ تھے۔ ایک ایک اونٹ پر تین تین آدمی باری باری سوار ہوئے تھے. ایک دو گھوڑے تھے۔ ایک دو تلواریں تھیں. باقی کسی کے پاس تلوار نہیں، گھوڑا بھی نہیں تھا. وہاں پہونچ کر پہیلا کام کیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے کہ اللہ کے سامنے نماز پڑھ کر دعا کی. اس طرح دعا کی کہ یا اللہ اتنے برسوں کی محنت کے بعد یہ مسلمان تیار ہوئے ہیں، ایمان لائے ہیں۔ ۳۱۳ تھے مسلمان، کُل صحابہ کرام رضہ ۳۱۳ آدمی ایمان لائے ہیں مدتوں کی محنت کے بعد۔ بڑی مشقتوں سے بڑی مصیبتوں سے. اگر آج یہ قتل ہوئے تو کل تیرا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا. اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضہ نے عرض کیا۔ بس بس حضور صلی اللہ علیہ وسلّم دُعا قبول ہوگئی. ایک چھپر ڈالدیا تھا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم اس چھپر میں رہیں. اگر کسی کو کوئی ضرورت پیش آوے. کوئی بات کہنی ہو اس چھپر تک آجاوے۔ پہچاننے کے لئے چھپر ڈالدیا گیا. تلاش نہ کرنا پڑے. اِدھر اُدھر کہاں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم بلکہ چھپر کو دیکھ کر وہاں آجاوے. اور پہرے کے لئے حفاظت کے طور پر حضرت ابو بکر صدیق رضہ تجویز تھے. کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے پاس رہیں. اگر پچاس قدم کے فاصلے پر بھی کوئی شخص حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر اُٹھا کے دیکھتا تو حضرت ابو بکر رضہ تلوار لئے ہوئے شیر کی طرح اس پر جھپٹتے تھے. اس حفاظت کے لئے قدرت کی بات اس جہاد میں حضرت ابو بکر تو ادھر تھے اور ان کے بیٹے حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر مشرکین کے ساتھ کافروں کے ساتھ تھے. وہ اس وقت ایمان نہیں لائے تھے. اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی. ستّر مشرکین قتل ہوئے، ستّر گرفتار

ہو کر قیدی بنا لئے گئے۔ اللہ نے وہ دن کیا کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر بھی ایمان لائے۔ ایک دن کہنے لگے کہ بدر کی لڑائی میں آپ ایک موقع پر آئے تھے، نشانے پر آئے تھے۔ میں چاہتا تو آپ کو قتل کر دیتا۔ لیکن باپ ہونے کا خیال کیا کہ آپ میرے باپ بھی ہیں۔ حضرت ابو بکر رض نے کیا جواب دیا، جانتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ تم نے باپ ہونے کا خیال کیا۔ لیکن اگر تو میرے نشانہ پر آجاتا تو میں تجھے زندہ نہ چھوڑ دیتا۔ میں خیال نہ کرتا کہ تو میرا بیٹا ہے۔ میں تجھے فوراً قتل کر دیتا۔ تیری مجال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں تلوار لے کر آئے۔ یہاں سے اندازہ لگانے کی ضرورت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے بیٹے سے زیادہ تھی۔ ایسے مقابلے کے وقت پتہ چلتا ہے۔ کہ کس کی بات صحیح ہے کس کی نہیں۔

حضرت ابو سفیان رض کی بیٹی حضرت اُمّ حبیبہ رض حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ان کے پاس ان کے باپ ابو سفیان رض آئے۔ ابو سفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ جب باپ آئے ہوئے ہیں تو جو بستر ہ بچھا ہوا تھا جلدی سے لپیٹ کر الگ رکھ دیا۔ باپ نے پوچھا یہ کیا۔ دُنیا کا دستور یہ ہے کہ جب باپ جاتا ہے بیٹی کے پاس تو بیٹی اس کے لئے بستر ہ بچھا دیتی ہے۔ تو نے بچھا بچھایا بستر ہ اُٹھا کے رکھ دیا۔ انھوں نے بتلایا۔ یہ بستر ہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ تم نجس ہو، کافر ہو، مشرک ہو، ایمان نہیں لائے ہو، تم اس قابل نہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بستر ے پر بیٹھ سکو۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت زیادہ تھی باپ کی محبت سے۔

بہت واقعے ہماری زندگی بھری ہے۔ اسی طریقے پر کہ ان حضرات کے یہاں محبت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زیادہ تھی۔ اور اسی سے پتہ چلتا ہے ان واقعات

سے ہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حق ہے محبت کرنا۔ لیکن اتنا یاد رہے کہ خالی محبت بغیر عقیدت کے بغیر اطاعت کے خالی محبت کا دم بھرنا نجات کے لئے کافی نہیں

دوسرا حق ہے عقیدت کا۔ عقیدت کے کیا معنی؟ یہ یقین کرلیں اور یہ فیصلہ کرلیں کہ حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے، جو کتاب لے کر آئے، جو احکام لے کر آئے وہ سب حق ہیں، وہ سب سچے ہیں، ایسے سچے ہیں کہ ان کو اختیار کئے بغیر نجات نہیں، نجات حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں ہے۔ یہ یقین رکھنا، یہ عقیدت رکھنا یہ دوسرا حق ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ چنانچہ چالیس سال کی زندگی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایسی تھی مکہ مکرمہ کی کہ سب لوگ آپ سے محبت کرتے تھے۔ مرد بھی اور عورت بھی۔ آپؐ کو امین کہتے تھے سچے بہت سچے امانت دار۔ لوگ آپؐ کے پاس اپنی امانتیں رکھتے تھے۔ آپؐ کو سچا مانتے تھے سبھی محبت کرتے تھے۔ لیکن ہوا کیا؟ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ کہ آپ اپنے خاندان کے لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیے۔ اللہ کے احکام کی طرف دعوت دیجیے۔ یعنی نبوت کا آپ نے اظہار فرمایا۔ آپ کے ساتھ یہ عقیدت رکھنا کہ آپ کی ہر بات میں نجات ہے۔ آپ بالکل سچے ہیں۔ آپ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر آواز دی۔ اپنے گھر کے لوگوں کو بلایا۔ نام نام لے کر کے پکار کر آواز دی سب کے سب گھبرا گئے۔ یہ کیسی آواز ہے۔ اس سے پہلے تو کسی نے اس طرح تو پکارا نہیں تھا اور آواز سارے مکہ میں پھیل گئی۔ ایک تو وہاں آبادی اور بڑے بڑے محلات مکانات تو اس زمانے میں تھے نہیں۔ اس لئے آواز پہونچی۔ دوسرے یہ کہ وہ آواز تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی آواز تھی جو اللہ کے حکم سے دی گئی تھی۔ اس کو کون روک سکتا تھا۔ کون رکاوٹ بن سکتا تھا۔ کوئی رکاوٹ

نہیں تھی۔ چنانچہ سب لوگ دوڑ کر آئے۔ یہ کیا قصہ پیش آیا ہے۔ کیوں ایسے پکارا جا رہا ہے۔ اور جو خود نہیں آسکا کسی مشغولی کی وجہ سے دوسرے آدمی کو بھیجا کہ دیکھو کیا معاملہ ہے۔ تحقیق کرو۔ جب وہ سارے جمع ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو ان کا امتحان لیا۔ فرمایا اگر میں یہ کہوں تم کو کہ پہاڑ کے پاس دشمن کا لشکر ٹھہرا ہوا ہے جو صبح ہوتے ہی تم پر حملہ کر دے گا، تم رات سے ہی اپنے بچاؤ کا انتظام کرو۔ کیا تم مجھے سچا مانو گے؟ یہ پوچھا۔ سب نے کہا کہ ماجربنا علیک الکذب۔ آپ کے متعلق غلط بیانی کا تجربہ نہ ہوا۔ آپ نے آج تک جو بات فرمائی، سچ فرمائی۔ ہم ضرور مانیں گے۔ تسلیم کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کوئی دشمن کا لشکر تو موجود نہیں۔ لیکن جب آپ فرماتے ہیں تو ہم اپنی آنکھوں کو جھٹلا دیں گے۔ اور آپ کی باتوں کو مانیں گے۔ تب آپ نے فرمایا میں خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ آپ کی طرف آیا ہوں۔ خدا کے عذاب سے ڈرو۔ مرنے کے بعد دوبارہ پھر زندہ ہونا ہے۔ اور ذرّے ذرّے کا حساب ہو گا وہاں پر۔ اس مجمع میں اس مجلس میں جو شخص سب سے زیادہ دعویٰ محبّت کرنے کا دم بھرنے والا تھا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا اس کا نام تھا ابولہب۔ اس نے سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ محبّت تو وہ کرتا تھا لیکن اس عقیدت کے لئے تیار نہیں ہوا۔ کہ آپ کو رسول جانے۔ جو بات آپ اللہ کی طرف سے پہنچائے ہیں اس کو تسلیم کریں۔ وہیں سے الگ ہوا۔ اس نے سخت لفظ کہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں۔ حق تعالیٰ نے اس کے جواب میں سورہ تبّت یدا نازل کی۔ اس کو جہنمی دوزخی فرمایا۔ ابولہب کو اس ساری محبّت کے باوجود محبّت کیسی تھی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے والد تھے عبداللہ۔ ان کے گھر میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی، پیدا ہوئے۔ ابولہب کی ایک باندی تھی ثوبیہ

اس نے آکر ابو لہب کو خوش خوشی اطلاع کی کہ تمہارے گھر بھتیجہ پیدا ہوا ہے۔ ابولہب نے خوشی میں آکر جبھی اس کو آزاد کردیا تھا۔ بعد میں کتنی محبت تھی۔ کیسی خوشی کی بات سُنادی۔ خدا جانے کتنی دفعہ کندھے پہ اُٹھایا ہوگا، گود میں بٹھایا ہوگا۔ بھتیجے کو محبت کی وجہ سے۔ یہ ساری محبت بے کار گئی۔ اس واسطے کہ عقیدت نہیں تھی۔ عقیدت کیا تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول مانیں۔

محبت یہ ہے بنیادی چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو سچا رسول ماننا اور یہ فیصلہ کرلینا جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم فرمائیں گے ہم اس کے ماتحت رہیں گے۔ یہ عقیدت ہے سچا تو سبھی مانتے تھے۔

حضرت سعدرضؓ مدینہ طیبہ میں انصار کے سردار تھے اپنے قبیلے کے۔ ان کا معمول تھا جب مکہ معظمہ آتے تو امیہ بن خلف کے یہاں ٹھہرتے اور اس کے ساتھ تعلقات تھے۔ اُمیہ بن خلف جب مدینہ طیبہ آتا حضرت سعدرضؓ کے یہاں ٹھہرتا۔ جب یہاں سے ہجرت کا قصہ پیش آیا صحابہ کرام رضؓ مدینہ طیبہ میں ٹھہرے۔ ایک مرتبہ حضرت سعدرضؓ آئے اور آکر اپنے معمول اور طرز کے مطابق اُمیہ بن خلف کے پاس ٹھہرے۔ اُمیہ سے کہا میرا جی چاہتا ہے طواف کرنے کو، کونسا وقت مناسب ہے۔ اس نے کہا دن چڑھے مناسب ہے۔ دن چڑھے گئے طواف کرنے کو وہاں ابوجہل بھی تھا۔ ابوجہل نے کہا اُمیہ سے، یہ تیرے ساتھ کون ہے۔ اس نے کہا یہ سعد ہے۔ ابوجہل نے کہا جو لوگ، ہمارے باغی تھے مخالف تھے ان کو تم نے اپنے یہاں پناہ دی، اپنے یہاں ٹھہرایا اور مزے سے طواف کرتے ہو یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ رضؓ کو تم لوگوں نے ٹھکانا دیا، اپنے یہاں ٹھہرادیا۔ یہ ہمارے دشمن ہیں۔ ہم نے ان کو نکالا ہے۔ اور آج تم ہمارے علاقے میں طواف کرتے ہو خوشی خوشی۔ اس پر حضرت سعدرضؓ نے کہا دیکھ اگر تو نے مجھے طواف سے روکا تو میں تیرا شام کا راستہ روکوں گا

دستور یہ تھا کہ قریش مکہ کے رہنے والے ملک شام جایا کرتے تھے۔ ایک سفر تو وہ کرتے تھے یمن کا اور ایک سفر کرتے تھے شام کا۔ قرآن پاک میں بھی اس کا ذکر ہے:

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اٖلٰفِہِمْ رِحْلَۃَ چونکہ قریش خوگر ہو گئے ہیں (یعنی) جاڑے

الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ اور گرمی کے سفر کے خوگر ہو گئے ہیں۔

ایک جگہ جاتے تھے سردی کے زمانے میں اور ایک جگہ جاتے تھے گرمی کے زمانے میں اور سارے سال کی ضروریات وہاں سے خرید کر لاتے تھے مکے والوں کے لئے۔ اور جتنے ڈاکو چور تھے وہ قریش کے قافلے کو کچھ نہیں کہتے تھے۔ شام جانے کا راستہ مدینہ طیبہ کے قریب تھا۔ حضرت سعدؓ نے کہا۔ اگر تو نے مجھے طواف کرنے سے روکا تو میں تمہارا ملکِ شام جانے کا جو راستہ ہے مدینہ طیبہ میں تمہارا وہ راستہ روکوں گا۔ شام نہیں جا سکے گا۔ اُمیہ نے کہا سعد سے زور سے نہ بول ابو جہل کے سامنے یہ قوم کا بڑا آدمی ہے، یہاں کا سردار ہے، انھوں نے اسے بھی ڈانٹا۔ میں نے سُنا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تجھے قتل کریں گے۔ اب اُمیہ نے کہا مجھے۔ سعدؓ نے کہا ہاں۔ کہاں مکے میں کہ کہیں اور۔ کہا یہ نہیں بتایا کہاں۔ بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی بات اس کے دل میں ایسی بیٹھ گئی کہ بالکل غمگین ہو گیا۔ پھر جا کر اپنی بیوی سے گھر میں کہا کہ سعد نے ایسا کہا۔ چنانچہ میں مکّہ سے نکلوں گا ہی نہیں، مکّے میں ہی بیٹھوں گا۔ اس واسطے کہ مکّہ پر ان لوگوں کا اتنا تسلط تھا قبضہ تھا کہ سمجھتے تھے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم یہاں آ ہی نہیں سکتے۔ قتل کی نوبت آئے گی تو باہر ہی آئے گی۔ میں باہر جاؤں گا ہی نہیں۔ یہ بیوی سے بھی کہہ دیا۔ پھر جب بدر کا قصہ پیش آیا۔ ابو جہل لوگوں سے کہتا ہے چلو بدر چلو بدر تو اُمیہ سے بھی کہا۔ اُمیہ نے کہا میں نہیں جاؤں گا۔ سعدؓ نے کہا حضور صلے اللہ علیہ وسلّم تمہیں قتل کریں گے۔ ابو جہل نے پیچھے پڑ جائی۔ اگر تو نے انکار کیا تو

اور لوگ بھی بیٹھ جائیں گے، تو چل تھوڑی دور پھر چپکے سے واپس آ. اس نے کہا اچھی بات ہے۔ بیوی سے کہا ذرا سامان تیار کرنا میں جا رہا ہوں. اس نے کہا یاد نہیں رہا تمہارے دوست سعد نے کیا کہا تھا. کہا مجھے یاد ہے لیکن میں زیادہ دور نہیں جاؤں گا جلدی واپس آؤں گا. گیا اور چلتا رہا چلتا رہا یہاں تک کہ بدر پہنچا اور اللہ نے وہاں قتل کرایا. اس کے جی کے اندر غیر اختیاری طور پر ایسی بات بیٹھ گئی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جو بات فرمائی وہ ہو کے رہے گی لیکن ایمان اس کا نام نہیں. ایمان نام ہے اپنے اختیار سے اپنے آپ کو پیش کر دینا اور طے کر دینا کہ میری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ماتحت گذرے گی. اس فیصلے کا نام ایمان ہے جو اپنے اختیار سے ہوتا ہے۔

دوسرا حق کیا ہے؟ عقیدت کا. عقیدت کا حاصل یہ ہے کہ آپ کو سچا رسول مانے اور یقین کے ساتھ جانے کہ نجات اسی میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں نجات ہے. اور یہ طے کر کے فیصلہ کرے کہ میری زندگی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ماتحت گذرے گی. جو کچھ ارشاد فرمائیں گے وہ کروں گا. یہ عقیدت ہونا ضروری ہے دوسرا حق۔

تیسرا حق ہے اطاعت کا. محبت بھی ہو عقیدت بھی ہو مگر اطاعت نہ ہو. اس کی مذمت آئی ہے. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے زیادہ چہیتی اور لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ رضؓ کو فرمایا اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ میں پیغمبر کی بیٹی ہوں بخشی جاؤں گی، وہاں اپنا عمل کام آئے گا. دنیا میں پیسے روپے کی ضرورت ہو تو مجھ سے لے لے لیکن عمل کرو. اپنا عمل کام آئے گا. ظاہر ہے کہ حضرت فاطمہ رضؓ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی. ایسی محبت تھی جس کو بیان نہیں کر سکتے. اتنی محبت تھی. ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں خدمت اقدس میں:

حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کیسے آنا ہوا۔ فاطمہ رضؓ نے عرض کیا کہ حضرت آج میں نے روٹی پکائی تھی، میرا جی نہ مانا کہ آپ کے بغیر خود کھاؤں۔ اس لئے آپ کے واسطے لے کر آئی۔ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلّم حضرت فاطمہ رضؓ کو دیکھتے تھے تو ان کو گلے سے لگا لیتے، لپٹا لیتے۔ سینے سے لگا لیتے۔ پیار کرتے ان کو، بڑی محبت فرماتے۔ فرمایا اہلِ جنت بیویوں کی فاطمہ سردار ہے، فاطمہ سیدہ ہے، جنت میں جنتی عورتیں جائیں گی، سب کی سردار حضرت فاطمہ رضؓ ہیں۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلے اللہ علیہ وسلّم سے محبت بھی زیادہ تھی، عقیدت بھی، جانتی تھیں کہ سچے رسول ہیں، ایمان لائیں، سبھی کچھ تھا۔ لیکن ان کو بھی فرمایا کہ بغیر اطاعت کے کام نہیں چلے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی پھوپھی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تم دیکھو اس خیال میں نہ رہنا کہ پیغمبر کی پھوپھی ہوں، بخشی جاؤں گی۔ اپنے اعمال کام آئیں گے اس رشتہ داری کی بنا پر کوئی نہیں بخشا جائے گا۔ اگر رشتہ داری کی بنا پر کوئی بخشا جاتا تو حضرت نوح علیہ السّلام کے بیٹے بخشے جاتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے والد کی بخشش ہوتی کہ وہ پیغمبر کے باپ تھے اگر بخشش ہوتی تو حضرت لوط علیہ السّلام کی بیوی کی بخشش ہوتی کہ وہ پیغمبر کی بیوی تھیں لیکن نہیں ایسا نہیں۔

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ۔ انسان کو (ایمان کے بارے میں) صرف اپنی ہی کمائی ملے گی۔ (بیان القرآن)

(النجم آیت ۳۹ پارہ ۲۷)

جو آدمی خود ایمان لایا اس کا ایمان اس کے لئے ذریعۂ نجات ہے۔ اور اگر اسکے خاندان کے دوسرے لوگ ایمان لائیں وہ ذریعۂ نجات نہیں۔ کوئی شخص یوں سوچ کر میں بڑے گھرانے کا آدمی ہوں، بخشا جاؤں گا۔ اس کو سوچنا چاہیئے کہ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کو فرمایا، تو پھر اور کے لئے گنجائش ہے۔

سوچنا چاہیئے کہ کوئی شخص کہے کہ میں بادشاہ کا لڑکا ہوں۔ ہاں بادشاہ کا بیٹا ہے لیکن خود اپنا عمل بھی ہونا چاہیئے۔ اگر اپنے پاس کچھ نہیں تو بادشاہ کونسی گدی پر بٹھا دے گا۔ اس لئے اطاعت کی ضرورت ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ممبر پر۔ آپنے فرمایا:

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِجْلِسُوْا ۔ اے لوگو بیٹھ جاؤ۔

جو جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے۔ یہ نہیں سوچا کہ میں پہلی صف میں بیٹھوں، دوسری صف میں بیٹھوں، جس کے کان میں یہ آواز آئی وہ وہاں پر ہی بیٹھ گیا۔ یہ تھی اطاعت، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس وقت مسجد سے باہر تھے مسجد کے اندر نہیں آسکے ان تک یہ آواز پہنچ گئی، باہر ہی بیٹھ گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو فرمایا ابن مسعود اندر آجاؤ، تو وہ آ گئے۔ انھوں نے یہ نہیں سوچا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جاؤ، مسجد کے اندر بیٹھنے کو کہا۔ یا میں مسجد کے اندر جا کے بیٹھوں گا، یہ نہیں سوچا۔ سوچتے کیسے ان حضرات کو ہر وقت موت کا تصور غالب رہتا تھا۔ اگر یہ سوچتے کہ اندر چل کے بیٹھوں گا۔ کیا خبر تھی کہ اندر پہونچنے سے پہلے پہلے موت آجائے، گردن پکڑ لے۔ کل قیامت میں سوال ہو گا ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تمہارے کانوں میں پڑی کہ بیٹھ جاؤ، تم بیٹھے کیوں نہیں؟ کیا انھوں نے کہا تھا کہ اندر آکے بیٹھ جاؤ۔ اسلئے فوراً حکم کی تعمیل کرنا ان حضرات کا کام تھا۔ اور موت کا تصور ان حضرات کو ایسا رہتا تھا۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنی دیوار کو لیپ رہے تھے، ان کی والدہ بھی لیپ رہی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا کر رہے ہو۔ عرض کیا حضرت دیوار لیپ رہے ہیں پرانی

ہو گئی ہے. گر جانے کا اندیشہ ہے. اس لیے لیپ رہے ہیں تاکہ کچھ روز کھڑی رہے دیوار۔ فرمایا کہ موت اس سے قریب ہے. دیوار کے متعلق تو تم انداز لگا رہے ہو اتنی دیر تک کھڑی رہے گی. لیکن موت اس سے قریب ہے. موت نہیں دیکھتی، جلدی سے جلدی بھی آجاتی ہے۔

ایک مرتبہ اونٹوں پر سوار تھی صحابہ کرام رضؓ کی جماعت، حضور صلے اللہ علیہ وسلّم بھی موجود، تشریف لے جارہے ہیں. سرخ چادریں یمنی اونٹوں پر پڑی ہوئی ہیں اور ایک عجیب منظر تھا خوشنما. حضرت ؐ نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگوں کی طبیعتیں سُرخی کی طرف مائل ہوتی جارہی ہیں. بس فوراً سے کود ے، اونٹوں سے چادروں کو پھاڑ پھاڑ کر ختم کیا. جو چیز آقائے نامدارؐ کو ناپسند ہو اس کو رکھنے کے لیے تیار نہیں. یہ تھا اطاعت کا مادہ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ایک جبہ پہن کر خدمت اقدسؐ میں حاضر ہوئے. ریشمی جبہ تھا. حضرتؐ نے فرمایا ریشم تو مرد کے لیے ناجائز ہے. اُٹھے جبے کو اُتارا. سامنے تنور تھا روٹی پکانے کا. جا کے تنور میں ڈالا جبے کو آگ میں. دوسرے وقت حاضر ہوئے. حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اس جبے کا کیا ہوا. عرض کیا حضرت میں نے اس کو جلا دیا. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں تمہارے لیے ہی تو ناجائز تھا. بچیوں کے لیے کپڑے بنوا دیتے. اُن کے لیے درست تھا. لیکن بھائی جس شخص کے دل میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی محبت جمی ہوئی ہے ہر چیز کی محبت پر غالب ہے. جب وہ دیکھتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ لباس ناپسند ہے. وہ تو یہ سوچتا بھی نہیں کہ کسی اور کام آسکتا ہے کہ نہیں. وہ تو یہ سمجھے گا کہ وہ چیز آگ میں جلانے کے قابل ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو ناپسند ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا داعیہ یہاں تک تھا کہ حضرت علی رضؓ اونٹ پر سوار ہوئے سفر میں جانے کے لئے۔ آپ نے چند کلمات پڑھے سُبْحَانَ اللّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اونٹ کو قمچی ماری، ہنسے۔ کسی نے پوچھا یہ کیوں کیا؟ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ اسی طرح اونٹ پر سوار ہوئے تھے اسی طرح یہ کلمات پڑھے۔ اسی طرح اونٹ کو قمچی ماری اور ہنسے۔ اتنی اتنی باتوں پر حضورؐ کا اتباع کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے راستے میں سفر کرتے ہوئے ایک جگہ اونٹ سے اُترے اور ایک درخت کے نیچے ذرا دیر لیٹے۔ آرام کیا اور اس کے بعد سوار ہوئے چلدیے۔ کسی نے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟ فرمایا میں نے دیکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ اتنی دیر آرام فرمایا ہے۔ ایک جگہ اُترے اپنے اونٹ سے۔ اونٹ کو بٹھایا، خود بیٹھ گئے جیسے آدمی پیشاب کرنے کے لئے بیٹھتا ہے۔ پیشاب تو نہیں کیا۔ بس بیٹھ گئے پیشاب کرنے کی ہیئت بنائی۔ کسی نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ کہا کہ اس جگہ پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کیا تھا۔ تو انھوں نے پیشاب تو نہیں کیا۔ ہاں وہ ہیئت بنا کر بیٹھے۔ یعنی جو چیزیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے طور پر نہیں کی تھی، اپنی ضرورت کے لئے کیں، ان میں بھی یہ لوگ اتباع کرتے تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، سے کسی نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دن رات میں کیا عمل کرتے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا صبح اٹھو اور آجاؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، کے پاس، تو دیکھتے رہو جس طرح یہ وضو کرتے ہیں سمجھ لو اسی طرح حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تھے،

جس طرح یہ نماز پڑھتے ہیں، نماز میں قیام، رکوع، سجدہ، قعدہ کرتے ہیں، سمجھ لو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح سے کرتے تھے۔ جس طرح یہ چلتے ہیں سمجھ لو کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اسی طرح چلتے تھے۔ جس طرح کسی کے سلام کا جواب دے کر مصافحہ کرتے ہیں، جس طرح یہ بیٹھتے ہیں، کسی کے سوال کا جواب دیتے ہیں۔ اسی طرح۔ غرضکہ ہر چیز میں انھوں نے اپنے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگ لیا تھا، ڈھال لیا تھا۔

یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حق۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نمونہ بنا کر بھیجا ہے اس دنیا میں۔ اور کہا کہ ہم کو ایسی زندگی چاہیے جیسے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ آج ہم اپنے گھروں میں بیٹھ کر، مجلس میں بیٹھ کر چاہے محبت کے دعوے کریں کہ ہم کو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت محبت ہے۔ لیکن دیکھنا چاہیے کہ اس محبت کا اثر ہمارے دلوں پر کتنا ہے؟ تو ہم اپنے گھر میں اپنی مجلس میں بیٹھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ بہت محبت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن کیا ہماری صورت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت کے مطابق ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص آیا جس کی داڑھی منڈی ہوئی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ مبارک پھیر لیا۔ وہ ادھر آیا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اُدھر منہ پھیر لیا۔ معلوم ہوا کیا بات ہے کہ تمہاری داڑھی منڈی ہوئی ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کا چہرہ دیکھنا پسند نہیں فرمایا اور ناخوش ہو کر چہرہ مبارک پھیر لیا۔ آج ہمارا جو حال ہے، ہمارے دل میں کبھی خیال بھی آتا ہے اس کا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند تھا داڑھی کا منڈانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

اَعْفُوا اللُّحیٰ اور اَرْخُوا اللُّحیٰ۔ داڑھی بڑھاؤ۔ داڑھی لٹکاؤ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا تو یہ حکم ہے اور ہم کٹ کٹ کے منڈا منڈا کے اسے ختم کردیں۔ یہ محبت کا تقاضا نہیں، یہ عقیدت کا تقاضا نہیں، یہ اطاعت کا تقاضا نہیں۔ لہٰذا بغیر عقیدت اور اطاعت کے جو شخص محبّت کا دعویٰ کرتا ہے اس کا دعویٰ کب قابلِ قبول ہے؟ قابلِ قبول نہیں اس کا دعویٰ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی احادیث بے شمار بھری ہوئی ہیں۔ ہر چیز کے متعلق ہدایات موجود ہیں حتیٰ کہ جو لوگ زیادہ عبادت کریں ایسی جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے ثابت نہیں، اس کو بھی پسند نہیں فرمایا۔

تین شخص آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے مکان پر۔ اور پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم رات بھر کیا عمل کرتے ہیں، دن بھر کیا کرتے ہیں؟ بتلایا کہ رات میں یہ عمل کرتے ہیں، دن میں یہ عمل کرتے ہیں۔ ان تینوں نے آپس میں یہ معاملہ طے کرلیا، عہد کرلیا۔ ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، کبھی بے روزہ نہیں رہوں گا۔ ایک نے کہا میں ساری رات نماز پڑھوں گا بالکل نہیں لیٹوں گا۔ بالکل نہیں سوؤں گا۔ ایک نے کہا کہ میں شادی نہیں کروں گا، عورتوں کے پاس نہیں جاؤں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے سب کو بلا کر فرمایا۔ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، تم سے زیادہ تقویٰ مجھ کو حاصل ہے۔ لیکن میں رات میں سوتا بھی ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں، ایسا نہیں کہ ساری رات جاگوں بلکہ رات میں کچھ حصہ سوتا ہوں، کچھ نماز پڑھتا ہوں، میں روزہ بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، ایسا نہیں کہ ہمیشہ روزہ رکھوں۔ عامۃً معمول تھا پیر کو اور جمعرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم روزہ رکھتے تھے اور فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے روز بندے کے اعمال اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کیے جاتے ہیں اور گنہ گار لوگوں کو معاف فرماتے ہیں۔ میں

چاہتا ہوں کہ میرے نامۂ اعمال ایسے حالات میں پیش ہوں کہ میں روزہ دار ہوں۔
اور فرمایا کہ میں شادی بھی کرتا ہوں۔ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔
جو شخص میری سُنّت سے اعراض کرے وہ مجھ میں سے نہیں۔ یعنی اگر ساری رات
جاگنا، ساری رات عبادت کرنا اور پھر نکاح نہ کرنا۔ اگر ان چیزوں کو کوئی اختیار
کرتا تو وہ قابلِ قبول نہیں۔ تو جو چیزیں گناہ کی ہیں تو وہ گناہ ہیں ہی۔ جو چیزیں طاعت
اور عبادت ہوں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی منشا کے مطابق نہ ہوں وہ بھی اللہ کے
یہاں مقبول نہیں۔ مقبول وہ چیزیں ہیں جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے طریقے
پر ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح نماز میں قیام کرتے ہیں وہ مقبول۔
جس طرح رکوع کرتے تھے وہ مقبول، جس طرح سجدہ کرتے تھے وہ مقبول، جس طرح
قرآن پاک پڑھتے۔ لباس پہنتے وہ مقبول۔ جیسی صورتِ مبارک وہ مقبول۔ اور جو
چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے طریقہ کے خلاف ہوں وہ اللہ کے یہاں مقبول نہیں۔

اس لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم جیسا بڑا نبی، بڑا انعام ہم کو ملا۔ اس کے مطابق
شکر ادا کرنے کی ضرورت ہے اور شکر کرنے کے لئے یہ تین چیزیں ضروری ہیں جو میں نے
بیان کی۔ کہ محبت اعلیٰ درجہ کی ہو، عقیدت اعلیٰ درجہ کی ہو کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کسی
بات پر یقین نہیں۔ اپنے اعمال پر یقین نہیں، حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد پر یقین
ہے، تیسری چیز اطاعت، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کی بجا آوری، حضور صلی اللہ
علیہ وسلّم کے طریقہ پر زندگی اختیار کرنا۔ یہ تین حق ہیں۔ اگر ان تین حقوق کو ادا
کیا تو اللہ کے یہاں مقبول۔ اگر ادا نہیں کیا تو اللہ کے یہاں مقبول نہیں۔ دُنیا میں
بھی بڑی عزت، آخرت میں بھی بڑی عزت اطاعت سے ہی ہے۔ صحابۂ کرام رضی
اللہ عنہم میں کیا بات تھی؟ یہی بات تھی کہ ہر ایک ان میں سے اطاعت کرتے تھے
کہ ہر کام حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے طریقے پر ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی

اطاعت میں ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں ہو۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اعلیٰ اور اشرف بنایا، باکمال بنایا، انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام رض کا درجہ ہے۔ صحابہ کرام رض میں سے چھوٹے سے چھوٹے صحابی ہوں یا بڑے سے بڑے۔ صحابہ رض میں بھی فرق ہے کوئی باپ تھے، کوئی بیٹے، کوئی دادا، کوئی استاذ تھے، کوئی شاگرد، کچھ خدمتِ اقدس میں زیادہ حاضر ہوئے کچھ کم ہوئے۔ یہ صحیح ہے۔ لیکن ہمارے لئے سب کے سب سارے صحابہ واجبُ التعظیم ہیں۔ اور کسی کی شان میں کسی گستاخی، کسی بے ادبی کا کوئی حق نہیں پہونچتا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے جو کچھ ان کے دلوں میں ڈالا، جو کچھ طریقہ انھوں نے اختیار کیا ہم کو وہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہنے والے کو بھی اور سننے والے کو بھی۔ آمین!

حقوق مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔ **اما بعد**

إِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ الخ

حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا فرض عین ہے اسی آیت کی وجہ سے آیتِ شریفہ میں حکم ہے، امر کا صیغہ ہے پڑھو اس لئے فرض عین ہے زندگی میں کم ازکم ایک مرتبہ پڑھنا بالاتفاق فرض ہے اس کے بعد جب جب نام مبارک زبان پر آئے کان میں پڑے صلوٰۃ وسلام پڑھنا واجب ہے۔

ایک مجلس میں بار بار نام مبارک آتا ہے مثلاً بخاری شریف کا سبق ہو رہا ہے اس میں بار بار آتا ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ مشکوٰۃ کا سبق ہو رہا ہے اس میں حدیثیں موجود ہیں یا وعظ ہو رہا ہے اس میں بار بار نام مبارک آتا ہے اس میں فقہاء کے دو قول ہیں ایک قول یہ ایک دفعہ درود شریف پڑھ لیا تو کافی ہو جائے گا تو تداخل ہو جائے گا۔ واجب ادا ہو جائے گا۔ جیسے ایک آیت سجدہ کو ایک آدمی ایک مجلس میں بار بار پڑھتا ہے تو ایک ہی سجدہ سے سب کی کفایت ہو جاتی ہے اسی طرح یہاں بھی دوسرا قول ہے کہ نہیں بلکہ ہر مرتبہ واجب ہے پہلے قول میں توسع ہے اور دوسرے قول میں تورع ہے احتیاط اور احترام کا تقاضہ ہے کہ ہر مرتبہ درود شریف پڑھا جائے اللہ تعالیٰ بھی صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں ملائکہ بھی پڑھتے ہیں اور انسانوں کو جو حکم ہے وہ بھی پڑھتے ہیں۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ

علماء نے اس پر ... بحث کی ہے کہ کیا سب کا صلوٰۃ وسلام ایک ہی معنیٰ میں ہے۔ لفظ صلوٰۃ کی اسناد جب حق تعالیٰ کی طرف کی جائے تو اس کے معنی کچھ اور ہیں ملائکہ کی طرف

نسبت کی جائے تو اس کے معنی اور ہیں اور افراد بشر افراد جن کی طرف کی جائے تو اس کے معنی کچھ اور ہیں کچھ بھی معنی ہوں علماء کی تحقیقات میں لیکن صلوٰۃ وسلام پڑھنا ہر ایک کے لئے ضروری ہے پڑھنا چاہیئے حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی نے ترجمہ کیا صلوٰۃ کا اللہ صاحب کا دلار محمد صاحب پر۔

ملائکہ صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں اس کے معنی کچھ اور ہوں گے انسان اور جن جو صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں اس کے معنی کچھ اور ہونگے مقصود یہ کہ رحمت کاملہ اور سلامتی دارین کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا ہے سب کو کرنا لازم ہے پہلے دستور تھا کہ بادشاہ کے لئے سب دعا کرتے تھے رعیت کے آدمی دعا کرتے تھے امیر غریب ملازم ہو سب دعا کیا کرتے تھے۔

حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں

نگہدار یارب بچشم خودش — بپرہیز ز آسیب چشم بدش
خدایا در آفاق نامی کنش — بتوفیقِ طاعت گرامی کنش
مقیمش در انصاف وتقویٰ بدار — مرادش بدنیا و عقبیٰ بر آر
غم از دشمنے ناپسندت مباد — ز دورانِ گیتی گزندت مباد

ایک قاضی صاحب تھے گاؤں میں تبلیغ کے جوش میں آکر جتنے ان کی رعیت میں لوگ بستے تھے سب کو حکم فرما دیا نماز پڑھا کریں اگر کسی نے نماز نہیں پڑھی تو گاؤں سے نکال دونگا لوگوں نے پڑھنی شروع کر دی ایک بوڑھیا تھی وہ اپنے کسی عزیز کو وضو کے وقت کہتی ارے لوٹا اٹھالا پانی کا قاضی کی جان کو رولوں قاضی کو رونے کے لئے پانی کا لوٹا منگاتی تھی یہ اس کی جان کا رونا تھا۔ اتنا مشکل کام ہوگیا اس کے لئے۔

حرم شریف میں دیکھا سلطان آئے اس زمانہ میں مصر سے تعلقات بہت اچھے تھے بار بار مصری لوگ ینصرک اللہ، ینصرک اللہ دعائیہ کلمہ کہہ رہے ہیں بادشاہ سلطان سعود کے لئے اللہ تیری مدد کرے تو جس کو جتنی گہری محبت ہوتی ہے اور جس کے دل میں جتنی زیادہ عظمت

ہوگی اسی قدر اس کے لئے دعائیں کرے گا، آداب بجالائے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق بیشمار ہیں اولاً تو گننا دشوار ہے، کتنے حقوق ہیں۔ کیوں یہ آسمان زمین کس کیلئے ہے چاند سورج ستارے کس کے لئے بنے ہیں ہوائیں کس کے لئے درخت اور قسم قسم کے جانور کس کیلئے ہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمانا نہ ہوتا تو کچھ نہ ہوتا ہر چیز کا جو وجود ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر، شیخ اکبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہتے ہیں کہ آپ سید الوجود ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سید الوجود کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

نیز لکھا ہے جس مادہ سے جسم تیار ہوتا ہے، قلب کا مادہ اس کے اعتبار سے لطیف ہوتا ہے انسان کے بدن میں جتنے اعضاء ہیں ان میں احساسات سب میں یکساں نہیں فرق ہے پیر میں احساس اور ہے پتھر پر بھی چلتا ہے گرم ریت پر بھی چلتا ہے کبھی کانٹا چبھ جاتا ہے جتنا کام پیر سے لیا جاسکتا ہے ہاتھ سے نہیں لیا جاسکتا۔ ہاتھ میں پیر کے مقابلہ میں برداشت کا مادہ کمزور ہے پیر میں تحمل کا مادّہ زیادہ ہے۔ آنکھ میں ایک تنکا ذرا سا گرجائے آنکھ برداشت نہیں کرسکتی۔ قلب سب سے زیادہ لطیف ہے، پیر کچھ دیر چلے گا تھک جائے گا، ایک حد تک چلنے کی طاقت دی گئی ہے۔ اسی طرح ہاتھ بوجھ اٹھاتا ہے ایک کلو دو کیلو پانچ کلو پچاس کلو نہیں اٹھا سکتا زبان سے آدمی بولتا ہے اپنی آواز کو آدمی دور تک پہنچاتا ہے۔ آواز ایک حد تک پہنچتی ہے اس کے آگے نہیں پہنچتی آنکھ سے دیکھتا ہے دور تک کی چیز نظر آجاتی ہے آسمان کے ستارے بھی نظر آجاتے ہیں جتنی سرعت سے آدمی پیر سے چلتا ہے اس سے کہیں زیادہ آنکھ کی رفتار سریع ہے۔ یہ تو ظاہری چیزیں ہیں لیکن انسان کے جسم میں جو قلب رکھا ہوا ہے جو انسان کے جسم کے تمام اعضاء کا بادشاہ اس کی قوۃ سب سے زیادہ قوی ہے اس کا مادہ سب سے زیادہ لطیف ہے، آنکھ کی جتنی قوت ہے اس سے کہیں زیادہ قلب کی ہے آنکھ آسمان پر جاتی ہے قلب اس سے آگے پہونچتا ہے عرش تک بھی پہنچ جاتا ہے، لوح محفوظ پر بھی پہونچ جاتا ہے۔ جتنی سرعت سے آنکھ چلتی ہے اس سے کہیں زیادہ سرعت سے قلب چلتا ہے تو قلب کا مادہ زیادہ لطیف ہے اس لئے اس کا

ادراک بھی زیادہ قوی ہے اور جس مادہ سے عوام کے قلوب بنائے جاتے ہیں اس مادہ سے خواص کے اجسام بنائے جاتے ہیں تو ان کے قلوب اور زیادہ لطیف ہوتے ہیں اور جس مادہ سے خواص کے قلوب بنائے جاتے ہیں اس سے انبیاء علیہم السلام کے اجسام بنائے جاتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے قلوب اور زیادہ لطیف ہوتے ہیں اور جس مادہ سے دیگر انبیاء علیہم السلام کے قلوب بنائے گئے اس مادہ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر بنایا گیا لہٰذا آپ کا قلب مبارک اور زیادہ لطیف ہے جو شئی جس قدر زیادہ عزیز جس قدر زیادہ لطیف جس قدر محسن ہوتی ہے اسی قدر اس کا شکریہ ادا کرنا بھی لازم ہوتا ہے اس کی شان کے موافق مقولہ مشہور ہے ۔ شکر المنعم واجب "منعم کا شکر واجب ہے ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انعامات کو دیکھا جائے تو ساری کائنات سارا عالم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے بنایا گیا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے ۔

السّلام اے سید اولاد آدم السّلام ؛ السّلام اے باعث ایجاد عالم السّلام

اس کے علاوہ قرآن کس کے طفیل میں ملا ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں نماز روزہ کس کے طفیل میں حضور اکرم صلی اللہ کے طفیل میں ۔ دنیا کی اور آخرت کی جتنی نعمتیں ملی ہیں حضور اکرمؐ کے طفیل میں ملی ہیں لہٰذا حضورؐ کے حقوق سب سے زیادہ ہیں ۔ تلاش کرنے سے بنیادی طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کو تین قسموں میں سمویا جا سکتا ہے ۔

ایک محبت ، دوسرے عقیدت ، تیسرے اطاعت یہ تین چیزیں ہیں ان تین چیزوں کو اگر نبھالیا جائے تو انشاء اللہ سارے حقوق اس میں آجائیں گے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے محبت کرنا ہر ایک کے لئے لازم ہے پھر محبت دو قسم کی ہوتی ہے ۔ ایک طبعی جو غیر اختیاری ہوتی ہے ، ایک عقلی ہوتی ہے ان کے احسانات کو کمالات کو انکی بڑائی کو دیکھ کر سوچ کر سمجھ کر کی جاتی ہے ۔

ایک شخص ہے اس کی بچی ہے تین برس کی وہ شخص سفر سے گھر گیا ہے بچی آئی ابا ابا

کبھی ننھی بچی کو گود میں اٹھالیا اس کے گال کو بوسہ دیا اس کے واسطے بسکٹ لے گیا تھا اس کو نکال کر بچی کے منھ میں رکھدیا۔ ایک محبت یہ ہے محبت کا تقاضہ چھوٹے بچوں کے ساتھ یہ ہے اور وہ ہی بچی بڑی ہو جائے جوان ہو جائے وہ بات نہیں رہی کہ اس کے منھ میں نوالہ دیا جائے اس کو گود میں بٹھایا جائے محبت کا رنگ بدل گیا محبت کا لحاظ دوسرے عنوان سے ہوتا ہے باپ کے ساتھ محبت اور طرح کی ہے، اولاد کیساتھ محبت اور طرح کی ہے۔ تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کے ساتھ محبت کیسی ہونی چاہیئے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ نرالی ہے نہ آپ جیسا کوئی ہوا نہ ہوگا۔ یعنی ویسے تو اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ ہے۔ بشریت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کے مثل ہیں لیکن جو کمالات حق تعالیٰ نے آپ کو عطا رفرمائے ہیں وہ کمالات کس کے پاس ہیں، کسی کے پاس نہیں ہیں اسی واسطے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ایکم مثلی مجھ جیسا تم میں کون ہو سکتا ہے یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ رَبِّیْ میرا رب مجھے کھلا بھی دیتا ہے، پلا بھی دیتا ہے غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو محبت ہے نرالی ہونی چاہیئے جو سب سے جداگانہ محبت ہو جس کا نمونہ صحابہ کرام رضؓ کی زندگیوں میں پھیلا ہوا ہے اسکو الفاظ سے تعبیر کرنا دشوار ہے اس کی تعبیر کے واسطے صورت یہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حق بیان کیا گیا ہے یعنی عقیدتؔ اس کے اندر آجائے جو محبت ہو وہ محبت عقیدت کی شکل میں ہونی چاہیئے عقیدت کی شکل میں ہونے کا کیا مطلب۔

عقیدت کی شکل میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قلوب کے اندر پختہ طور پر یہ بات جمی ہوئی ہو کہ ہمارے سب سے بڑے محسن مخلوقات میں سب سے بڑے منعم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمادیا سب حق اور سچ ہے۔ دنیا کے بڑے سے بڑے لیڈروں، ڈاکٹروں، اور دانشوروں کی بات غلط ہو سکتی ہے۔ مگر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمادیا وہ صحیح ہے عقیدت کا حاصل یہ ہے، ہماری زندگیوں کو جو کامیاب بنانے والی چیز ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت ہے۔ اگر

حضورِاکرمؐ کے ساتھ عقیدت ہوگی تو ہماری زندگی کامیاب ہے ، عقیدت نہیں ہے تو زندگی ناکام ہے ۔ یہ عقیدت ہونی چاہیئے ۔ پہلی عورت کو حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت تھی چالیس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کو انھوں نے دیکھا بچپن میں وہ کھیل کھیلتے نہیں تھے ۔ جو کھیل دوسرے بچے کھیلتے تھے بڑے ہوکر وہ شوخی نہیں کی جو اور بچے کرتے ہیں ۔ اور بڑے ہوکر جو بچّے کے دل میں جذبات ہوتے ہیں وہ جذبات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں نہیں تھے ۔ دیانت داری سب کو مسلم تھی سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امین کہتے تھے صدوق کہتے تھے اپنی امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھتے تھے کبھی کسی کے پیسہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط جگہ خرچ نہیں کیا کبھی زبان مبارک سے کوئی غلط لفظ نہیں نکلا کبھی کسی کو ذلیل حقیر کرنے کے لئے کوئی لفظ نہیں فرمایا ۔ نگاہ مبارک سے کسی کو حقیر چھوٹا نہیں سمجھا یہ سارے کمالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تھے ، اور اہل عرب کو تسلیم تھے ۔ پھر بھی جس وقت میں غار حرا میں وحی نازل ہونا شروع ہوئی اور پھر کچھ عرصہ کے بعد آیت مبارکہ نازل ہوئی وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے حق تعالیٰ کی جانب سے سب سے پہلے جو تبلیغ کا حکم ہوا تو وہ قریبی رشتداروں کے لئے ہوا اور وجہ اس کی یہی تھی کہ جو آدمی حق تعالیٰ کے احکام کو پہنچاوے بحیثیت نبوت ، بحیثیت رسالت اس کی زندگی نہایت پاک وصاف ہونی چاہیئے اور اس کا تجربہ گھر والوں کو سب سے زیادہ ہوتا ہے وہ دیکھتے ہیں جانتے ہیں ، سمجھتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کیلئے بلائیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر جاکر آواز دی ، نام لے لیکر خاندان کے لوگوں کو پکارا ، اس زمانہ میں بلڈنگیں اتنی نہیں تھیں جتنی اب ہوگئیں مکّہ مکرمہ کی اتنی آبادی نہیں تھی جتنی اب ہوگئی اور اللہ کے رسول کی آواز تھی اللہ تعالیٰ نے پہنچادی اگر یہ براہ راست بھی ہوتا اور اللہ کو پہنچانا منظور ہوتا تو بھی پہنچادیتے ۔ بہرحال وہ آواز پہنچ گئی لوگ گھبرا گئے اس آواز کو سن کر اس لئے کہ کسی معمولی شخص کی آواز نہیں تھی یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تھی اور اللہ کے حکم سے تھی ۔

شانِ جلالت کی یہ آواز تھی لوگ گھبرا گئے اور آئے جلدی جلدی اپنا کام چھوڑ کر آئے اور جو کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں آسکتا تھا دوسرے آدمیوں کو بھیجا کہ تم جاؤ وہ آئے جمع ہوگئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی حکمت اور دانشمندی سے پہلے بطور امتحان ایک بات کا اقرار لیا فرمایا بتاؤ اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ یہاں دامن کوہ میں ایک دشمن پڑا ہوا ہے صبح ہوتے ہی تم پر حملہ آور ہوگا کیا تم مجھے سچا جانوگے عرب میں دستور یہ تھا دشمن اخیر شب میں شبخون مارا کرتا تھا۔ جب غفلت کا وقت ہوتا ہے تب دشمن لوگ شبخون مارتے تھے پہلے سے پتہ چل جائے تو پہلے سے انتظام کرلیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا تم مجھے سچا مانوگے سب نے ایک ہو کر کہا آپ کے متعلق کبھی غلط بیانی کا تجربہ نہیں ہوا۔

چالیس سال کی اتنی پاکیزہ زندگی کبھی زبان مبارک سے کوئی غلط لفظ نہیں نکلا یعنی آپ کو سچا مانیںگے چاہے دشمن نظر آوے یا نہ آوے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا یہ لوگ مجھے سچا مانتے ہیں میری سچائی کا انھوں نے اقرار کر لیا تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے عذاب سے ڈرایا اس مجمع میں جو سب سے زیادہ محبت کا دم بھرنیوالا محبت کا نعرہ لگانے والا تھا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ابولہب تھا سب سے پہلے ابولہب نے تکذیب کی اور کہا تیرا ہاتھ ٹوٹے، تو نے اس واسطے یہاں جمع کیا تھا نعوذ باللہ عزت خداوندی جوش میں آتی ہے اور اللہ تعالٰے اس کا جواب خود عنایت فرماتے ہیں تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خالی محبت پر اکتفا کرنا اور یہ سمجھنا کہ محبت ہی ہمارے لئے کافی ہے، غلط ہے ابولہب کو کتنی محبت تھی خدا جانے کتنی دفعہ گود میں لیا ہوگا۔ چچا تھا یہاں تک کہ ابولہب کی ایک باندی تھی جس کا نام ثویبہ تھا اس نے آکر اطلاع دی ابولہب کو بھتیجا پیدا ہوا عبداللہ کے گھر میں بچہ پیدا ہوا اس کو بڑی خوشی ہوئی اور اس

بشارت کے صلہ میں اس نے اس باندی کو آزاد کر دیا ہاتھ کے اشارہ سے اور پھر ایک زمانے کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سنائی کچھ لوگ ایمان لائے کچھ لوگوں نے انکار کیا حضرت عباسؓ نے خواب میں دیکھا اس کے مر جانے کے بعد پوچھا کیا حال ہے کیسے گذر رہی ہے کہا سخت عذاب میں مبتلا ہوں صرف وہ انگلی جسکے اشارے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر سنکر باندی کو آزاد کیا تھا وہ عذاب سے بچ گئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے جس انگلی سے اشارہ کیا تھا وہ انگلی عذاب سے بچ گئی بھائی لوگ اس کو خوب رو رو کر بیان کرتے ہیں محبت کی وجہ سے ابولہب بھی بچ گیا ہاں بچ گیا، کہاں سے قرآن میں ہے "سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ" پھر خواب بھی کس کا حضرت عباسؓ کا بیداری کی حالت نہیں ہے خواب کی حالت ہے، نبی کے خواب کی ضمانت لی گئی ہے کسی اور کے خواب کی نہیں اور یہ کہنا کہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں کیا یہ بھی بچنا ہے اور پھر یہ بھی کہتے ہو صرف ایک انگلی بچ گئی اور باقی سارا جسم اور پھر کندھوں پر اٹھایا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور گود میں لیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں کچھ بھی نہیں بچا خالی محبت کافی نہیں ہے محبت کے ساتھ ساتھ عقیدت بھی ہونی چاہیئے۔ ابولہب کو عقیدت نہیں تھی ابوجہل سے پوچھا اخنس ابن شریق نے ابوجہل اب بتا اب تو کوئی اور نہیں ہے سچ سچ بتا کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹ بولتے ہیں تو اس نے کہا دیکھ بھائی بات یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹ بولتے نہیں جو بولتے ہیں سچ بولتے ہیں جو وحی آتی ہے وہ جھوٹ ہے کیونکہ اس کا تجربہ نہیں تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چالیس سال تک تجربہ کیا تھا ان کے اوپر جھوٹ کے الزام کی ہمت ہوئی نہیں اسی لئے دیکھئے ایمان کی بنیاد میں شہادتین کو رکھا صرف توحید کافی نہیں ہے بلکہ رسالت بھی ضروری ہے اگر رسالت پر ایمان نہ ہوگا تو نجات نہیں ہوگی۔

مولانا جامیؒ نے کتاب نفحات الانس لکھی ہے اس میں لکھا ہے سفر میں جاتے ہوئے ایک جگہ مسجد میں ٹھہرنا ہوا خواب میں دیکھا مسجد کے دوسرے حصے میں مجمع ہے پوچھا کیسا مجمع ہے

کہاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں میں بھی پہنچ گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی میں نے چند آدمیوں کے متعلق پوچھا فلاں شخص جس کا دنیا سے انتقال ہو چکا تھا اس کا کیا حال ہے۔ امام غزالی کے متعلق پوچھا امام غزالی کہاں ہیں فرمایا رجل فاز بالمقصود وہ مقصد میں کامیاب ہوگئے کسی نے ابن سینا کے متعلق پوچھا ابن سینا کہاں ہے فرمایا اس نے چاہا تھا میرے بغیر اللہ تعالےٰ تک رسائی ہو جائے اس کو دکھا دیا گیا جہنم میں جائے گا اس لئے کہ اللہ تک رسائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر ہو یہ ممکن نہیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے ساتھ ساتھ عقیدت لازم ہے۔ تب ہی جاکر محبت کار آمد ہے ابو لہب کو محبت تھی سارے عرب کو محبت تھی۔ مگر عقیدت نہیں تھی لہذا وہ محبت نجات اخروی کا ذریعہ نہیں بنی جب تک عقیدت حاصل نہیں ہوئی۔

تیسری چیز ہے اطاعت، عقیدت کے ساتھ ساتھ اطاعت بھی ہونی چاہئے جب دو چیزیں اعلیٰ درجہ کی ہونگیں ایک محبت ایک عقیدت تو اطاعت بھی اعلیٰ درجہ کی ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اطاعت کے واسطے بھی فرمایا، محبت عقیدت کے واسطے بھی ان سب چیزوں کو صحابہ کرام رضؓ کی زندگی میں دیکھنے کی ضرورت ہے احادیث میں آتا ہے سب سے پہلا جہاد غزوۂ بدر ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چھپر بنا دیا تھا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھپر میں رہیں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا ہو چھپر دیکھ کر آجائے اور حضرت ابوبکر رضؓ کو پہرہ دار مقرر کیا تھا حضرت ابوبکرؓ پہرہ پر رہتے۔ اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دشمنوں میں سے نظر اٹھا کر دیکھتا تو حضرت ابوبکر رضؓ تیر کی طرح اس کی طرف دوڑتے تھے پہرہ کا حق ادا کرنیکے لئے جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کیلئے تلوار لیکر آئے تھے۔ ان میں حضرت ابوبکر رضؓ کے بیٹے بھی تھے وہ ایمان نہیں لائے تھے۔ ایک وقت آیا کہ انھوں نے بھی ایمان قبول کرلیا ایک روز کہنے لگے ابا بدر کے دن آپ میرے نشانے پر آگئے تھے میں چاہتا تو قتل کر دیتا باپ ہونے کا خیال کرلیا حضرت ابوبکر رضؓ نے فرمایا کہ تو نے تو باپ ہونے کا خیال کرلیا۔ اگر تو میرے نشانے پر

آتا تو میں تجھے ضرور قتل کرتا حدیث میں ہے لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ الخ
ایمان وہی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اولاد، والد سب سے زیادہ ہو اور اس
کا انداز ہوتا ہے مقابلہ سے ایک صحابی کے والد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں
نامناسب کلمہ کہہ دیا برداشت نہیں کر سکے، ایک تھپڑ مار دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں گئے حضور اس طرح سے ہو گیا۔ ایک بات کہدی تھی اس پر میں نے والد کو تھپڑ
مار دیا برداشت نہیں کر سکا آپ دعا کر دیجئے میرے والد کو اللہ تعالیٰ ایمان دے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور وہ مشرف باسلام ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حق اس طرح ادا کیا کہ ناشائستہ کلمہ کہنے پر باپ کو
تھپڑ مار دیا اور باپ کا حق اس طرح ادا کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرائی ایمان
کی اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان کی توفیق دی ابوسفیانؓ جب تک ایمان نہیں لائے
تھے فوج کی کمانڈری کیا کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں۔

ابوسفیان گئے ہیں اپنی بیٹی کے پاس ان کی بیٹی ام حبیبہؓ نے حضرت معاویہؓ کی بہن
جب دیکھا ابوسفیان آئے ہیں تو انھوں نے فوراً بستر لپیٹ کر رکھدیا کہنے لگے بیٹی یہ کیا
طریقہ دنیا کا دستور یہ ہے کہ بیٹی باپ کے لئے بستر بچھاتی ہے بیٹی نے صاف جواب
دیدیا۔ بستر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے تم ناپاک ہو اس پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہو معلوم
ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت زیادہ تھی پہلے مختلف کئی کئی شادیاں کرتے تھے ایک
کے نکاح میں دس دس عورتیں تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا چار سے زائد
رکھنے کی اجازت نہیں ہے کتنے گہرے تعلقات تھے ان سے راحت بھی پہنچتی تھی لیکن حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کو چار سے زائد رکھنے کا اختیار نہیں رہا۔ سب نے چار پر کفایت کی
بقیہ کو فوراً الگ کر دیا۔

حضرت خبیبؓ کو گرفتار کر لیا گیا تھا جہاد میں۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو

کہ تم کو چھوڑ دیا جائے اور تمھاری جگہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے کہا بدنصیبو! تم اس بات کو پوچھتے ہو مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنی جگہ پر آرام سے رہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک میں کانٹا بھی چبھے۔ غزوۂ احد میں حضرت طلحہ رضؓ ہاتھ سے تیر کو روکتے تھے، جس کی وجہ سے ہاتھ شل ہو گیا تھا تیر روکتے تاکہ دشمن کا تیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات اپنی جان سے زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت فرماتے تھے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ چہیتی بیٹی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت بھی بہت رکھتی تھیں عقیدت بھی اعلیٰ درجہ کی رکھتی تھیں۔ محبت کی دلیل تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي مَنْ اٰذَاهَا فَقَدْ اٰذَانِي۔ اور عقیدت کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔ اس اعلیٰ درجہ کی محبت اور اعلیٰ درجہ کی عقیدت کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خطاب کرکے فرمایا۔ اے فاطمہ! دنیا میں سے جو کچھ چاہے مجھ سے لیلے آخرت میں تو اپنا عمل کام آئے گا، اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ میں نبی کی بیٹی ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبت و عقیدت کیساتھ اطاعت بھی ضروری ہے اور محبت و عقیدت پر بھروسہ کرتے ہوئے طاعت سے بے پروا ہو جانا محض نادانی ہے۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے ارشاد فرمایا یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِجْلِسُوْا جس نے یہ سنا فوراً بیٹھ گئے۔ حتیٰ کہ عبداللہ بن مسعود رضؓ مسجد سے باہر تھے یہ آواز سنکر وہیں بیٹھ گئے۔ انھوں نے یہ نہیں سوچا کہ یہ خطاب تو اہل مسجد کو ہے میں جب مسجد میں پہنچوں گا بیٹھ جاؤں گا، ان حضرات کو موت کا بہت استحضار رہتا تھا خطرہ یہ بھی تھا کہ خدا جانے مسجد میں پہنچ بھی پاؤں یا اس سے پہلے پہلے موت آجائے۔ اور قیامت میں سوال ہو ہمارے نبی کی آواز تمھارے کان میں پہنچی "اجلسوا" اور تم نے عمل نہیں کیا۔ کیا نبی نے یہ فرمایا تھا کہ مسجد میں اندر آکر بیٹھو۔

پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ان پر پڑی تو ارشاد فرمایا ابن مسعود آئے آجاؤ

اعلیٰ درجہ کی محبت اعلیٰ درجہ کی عقیدت کے ساتھ ان حضرات صحابہؓ کی اطاعت کا یہ حال تھا۔
اللہ پاک ہم کو بھی اس کا کچھ حصہ نصیب فرمائے۔ (آمین)

آدابِ صلوٰۃ وسلام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یَا اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ الی قولہ تعالیٰ اَکۡثَرُھُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا بڑی سعادت بڑے ایمان کے تقاضے محبت کے تقاضے کی بات ہے جتنا زیادہ سے زیادہ پڑھا جائے کشمیر کے علاقے میں دیکھا وہاں دستور یہ ہے۔ نماز کے لئے جارہے ہیں مسجد بھری ہوئی ہے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں دو چار منٹ باقی ہیں نماز شروع ہونے میں ایک شخص کونہ سے کھڑا ہوا اس نے کہا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔ دوسرے نے اس کے جواب میں کہا الصلوٰۃ والسلام یارسول اللہ اسی طریقہ پر ایک اِدھر سے پڑھتا ہے، دوسرا اُدھر سے پڑھتا ہے، بعض دفعہ سب ملکر پڑھنے لگتے ہیں، درود شریف زور سے پڑھنا آہستہ پڑھنا سب درست ہے۔ دور سے پڑھنا، نزدیک سے پڑھنا سب درست ہے چاہے نائب کے صیغے سے پڑھے چاہے حاضر کے صیغے سے پڑھے وہ بھی درست لیکن بعض جگہ لوگوں کے عقائد ایسے خراب ہوگئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ کو اللہ تعالیٰ کی طرح ہر جگہ حاضر ناظر جاننے لگے۔ جسطرح اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر ناظر ہے، سب کی پکار سنتا ہے بلاواسطہ بالکل اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ناظر ہیں اور بندے امتی جس طریقے پر پکارتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست انکے کلام کو سنتے ہیں اور بعضوں نے آگے بڑھ کر کچھ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر ناظر نہیں ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر ناظر ہیں جو صفت خاصہ تھی حق تعالیٰ کی اس کو خاص کر دیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس صفت کو ختم کر دیا۔ استغفر اللہ۔

چنانچہ ایک کتاب جاء الحق میں اس کی تشریح کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر ناظر ہیں۔ حق تعالیٰ ہر جگہ حاضر ناظر نہیں اور ایک مقام میں دیکھا مسجد کے محراب میں کلمہ اس طرح لکھا ہوا ہے کہ دائیں جانب محمد رسول اللہ اور بائیں جانب لاالہ الااللہ پہلے محمد رسول اللہ بعد میں لاالہ الااللہ۔ یہاں تک نوبت پہنچ گئی اور پارٹیاں بن رہی ہیں ایک خدا پارٹی ایک رسول پارٹی۔ لڑائی آپس کی سامنے کرتے ہیں خدا اور رسول کو ایک جماعت اس بات کی دعویدار کہ ہم حضور اقدس کی امت کرتے ہیں

جو کچھ لینا ہے لینگے محمدؐ سے ۔ اللہ کی جھولی میں وحدت کے سوا کیا ہے

اللہ کے پاس تو وحدت رہ گئی اور کچھ نہیں۔ باقی حضورؐ کے پاس سب کچھ ہے وہاں سے لینگے۔

غرض یہ افراط و تفریط ہو رہی ہے دنیا میں بہت پریشانی کی بات ہے۔ اس واسطے عقائد کی تصحیح کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ عقیدے پر مدار نجات ہے ایمان کا مدار عقیدے کی صحت پر ہے۔ عقیدہ غلط ہوگا، ایمان خراب ہوگا، نجات نہیں ہوگی اس واسطے اگر کوئی آدمی دور سے صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے اور صیغۂ مخاطب کو حرف ندا کے ساتھ پڑھتا ہے۔ مثلاً ایک شخص یہاں سے پڑھتا ہے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ اس طرح پڑھے اور عقیدہ یہ ہے کہ ملائکہ کے واسطے سے یہ صلوٰۃ وسلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سنکر مسرور ہوتے ہیں اور جواب بھی رحمت فرماتے ہیں یہ عقیدہ ہو تو درست ہے۔ کوئی مضائقہ نہیں۔

اسی طریقہ پر ایک شخص اپنے ذہن میں صورت مبارکہ کو متصور کرکے یا روضۂ اقدس کو متصور کرکے یہ محسوس کرے میں گویا مدینہ طیبہ میں روضہ اقدس کے سامنے کھڑا ہو کر وہاں سے پڑھ رہا ہوں اس تصور سے پڑھے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں درست ہے۔ ایسے ہی جیسے کوئی آدمی اپنے باپ کو خط لکھتا ہے اس میں خطاب کا صیغہ استعمال کرتا ہے ظاہر ہے باپ اس کو پڑھ رہا ہے سن نہیں رہا ہے۔ البتہ ڈاک کے ذریعہ سے باپ تک پہنچے گا باپ سنے گا خطاب باپ کو ہے لیکن ایک شخص باپ کو خطاب کرتا ہے حاضر ناظر جان کر تو یہ غلط طریقہ ہے۔

ایک دفعہ سفر میں تھا خیال آیا جمعہ کا دن ہے فلاں جگہ اتر کر جمعہ کی نماز ادا کرلوں اور فلاں گاڑی میں جو اتنے بجے آتی ہے اس میں چلا جاؤں گا تو کوئی خرابی نہیں آئیگی۔ چنانچہ راستے پٹنہ ہوگئی اتر کر پہنچ گیا۔ جامع مسجد پوچھتے پوچھتے پہنچ گیا وہاں کے امام صاحب نے صورت شکل کر دیکھکر یہ تو مولوی ملا آدمی ہے کہا کہ مولوی صاحب کچھ دیر بیان کر دو، اچھی بات اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ ابھی وقت تھا بیان کرنا شروع کیا شروع ہی سے پتہ چل گیا کسی اور طرح کا آدمی ہے اس واسطے کہ اس نے مجمع سے نہیں کہا کہ تم سب صلوٰۃ وسلام پڑھو درود پڑھوایا ہی نہیں۔ مجمع میں برابر والے ایک شخص کو امام صاحب نے سوال سمجھایا کہ ان سے اسطرح سوال کرو۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھنا کیسا ہے اگر یہ دیوبندی ہیں تو جائز کہنے کے نہیں اور اگر دیوبندی نہیں ہیں بریلوی ہیں تو جائز کہدینگے پس صاف بات ہو جائے گی پتہ چل جائےگا چنانچہ انھوں نے فوراً سامنے آکر سوال کیا کسی نے روک دیا کہ یہ کیا طریقہ سوال کرنے کا اس کو میں نے روکدیا آپ کو کیا آپ سے نہیں پوچھ رہے ہیں مجھ سے پوچھ رہے ہیں مجھے نماز کے بعد جانا ہے مجھے وقت ملے یا نہ ملے پوچھ لیجئے انھوں نے پوچھا کیوں مولوی صاحب الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھنا کیسا ہے؟ میں نے جواب دیا دیکھئے اگر آپ اپنی زندگی کے تمام گوشوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے منور کر رہے ہیں اور اعلیٰ درجے کا آپ کو سنت سے تعلق ہے سارا عمل سنت کے موافق ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت پیدا ہوگئی اور محبت آگے بڑھ کر عشق کے درجہ تک پہنچ گئی اور یہاں سے مدینہ منورہ تک جتنے حجابات تھے سارے آپ کے لئے اٹھا دیئے گئے اور آنکھوں سے کھڑے کھڑے روضۂ اقدس علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نظر آرہا ہے تو بلا تکلف پڑھئے الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کسی کے روکنے سے نہ رکئے اور اگر حجابات نہیں اٹھے یہاں سے روضہ مقدسہ آپ کو نظر نہیں آتا تو معلوم ہوتا ہے عشق میں کمی ہے لہذا آپ یہاں سے پڑھئے۔ اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ الخ

تکلیف کیجئے اور سفر کیجئے مدینہ پاک پہنچکر روضۂ اقدس کے سامنے کھڑے ہوکر نہایت ادب واحترام کے ساتھ دھیمی آواز سے وہاں پڑھئے الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ دور سے بڑوں کو چلا چلا کر پکارنا یہ بے ادبی ہے کھیت والوں کا طریقہ ہوتا ہے، کھیت والے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں، اے فلانے کوئی جواب دیتا ہے ہاں بڑوں کو اس طرح نہیں پکار سکتے. بڑوں کے سامنے حاضر ہو کر عرض کیا جاتا ہے،

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق موجود ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ اپنی آواز کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند مت کرو۔ بعضے آدمی کی آواز قدرتًا بلند تھی بات کرنے میں آواز بلند ہو جاتی تھی۔

جیسے وہاں آیت نازل ہوئی اپنی آواز کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند مت کرو، وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ نبی کے سامنے ایسے زور سے نہ بولو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بولا کرتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہوجائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے، جو لوگ آواز دھیمی اور ہلکی کرتے ہیں نبی کے سامنے یہ لوگ ایسے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کا امتحان لے لیا ان کے دلوں میں تقوی موجود ہے۔ لہٰذا اس آیت کے نزول کے بعد بعضے صحابہؓ تو اس طریقہ سے بولتے تھے کہ بار بار پوچھنے کی نوبت آتی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈر کے مارے کہ زور سے بولنے سے کہیں اعمال حبط نہ ہوجائیں اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَاۗءِ الْحُجُرٰتِ، جو لوگ دور سے کھڑے ہو کر زور زور سے چلا کر پکارتے ہیں ان کو قرآن نے بے وقوف کہا۔ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔ یہاں سے یا کسی اور مقام سے آواز دے کر چلانا یارسول اللہ اس طرح سے چلانے والے کو قرآن نے بیوقوف کہا ہے۔

لہٰذا دور سے کھڑے ہو کر چلا نا آواز لگانا، دور سے اس طرح صلوٰۃ وسلام پڑھنا جیسے اسکول کے بچے پہاڑے پڑھا کرتے ہیں، ایک نے ایک لفظ کہا پھر سب نے ملکر وہی کہا غلط ہے، نہ قرآن کریم سے ثابت نہ حدیث پاک سے نہ صحابہؓ نے کیا نہ ائمہ مجتہدین نے کیا آپ درود شریف

پڑھے ایک کونہ میں بیٹھ کر پورے انہماک ۔ اور یکسوئی کے ساتھ ہر طرف سے دل کو ہٹا کر آپ
آپ پڑھے جتنا جی چاہے پڑھے کوئی آپ کو روک نہیں سکتا اگر روکے تو نہ رکئے اس کا کہنا
وحی تو نہیں ہے نہ رکئے۔

اتنی بات ہوئی اور پھر جتنا کچھ بیان کرنا تھا بیان کیا کبھی موقع نہیں ملتا تھا، اللہ نے موقع
دیدیا اس واسطے صلوٰۃ وسلام صیغۂ خطاب کے ساتھ یا ندا کے ساتھ یا نبی سلام علیک یا رسول
سلام علیک کہے یا رسول اللہ صلوٰت اللہ علیک یہ زور زور سے چلا کر پڑھنا ایک آواز ملا کر گا کر
یہ غلط طریقہ ہے اور یہ بھی ساتھ ساتھ تصور ہو کہ براہ راست آپ یہاں تشریف فرما ہیں اور
زیادہ غلط ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ پڑھنا چاہئے اور ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو روزانہ
چار ہزار یا پانچ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھتے ہیں راتوں میں کثرت سے پڑھتے ہیں۔ اور اس کے
منافع آخرت میں بھی ہیں دنیا میں بھی،

نسائی شریف کی روایت میں ہے اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی مَلَائِکَۃً سَیَّاحِیْنَ فِی الْاَرْضِ اللہ تعالی کیطرف
سے فرشتے مقرر ہیں جو تمام روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہیں میری امت میں سے جو شخص بھی سلام
پڑھتا ہے وہ فرشتے میرے پاس لا کر پہنچاتے ہیں۔

اور بیہقی کی روایت میں ہے مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ۔ جو شخص میرے قریب
میری قبر کے سامنے صلوٰۃ وسلام پڑھے گا میں خود اس کو سونگا اور جو دور سے پڑھے گا وہ مجھے
پہنچا دیا جائے گا دور سے پہنچایا جاتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی خوشی ہوتی ہے
جب کوئی شخص صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک فرشتہ مستقلاً
وہیں موجود رہتا ہے، ہر وقت جس نے سلام پڑھا اسکا نام لیکر باپ کا نام لیکر بتاتا ہے فلاں بن فلاں نے
صلوٰۃ وسلام بھیجا ہے اب کسی کے دل میں خیال پیدا ہو کہ صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے تو تمام
دنیا سے تمام روئے زمین سے ہر وقت پڑھتے ہیں، ہر وقت فرشتہ پہنچاتا ہے ہر وقت
حضور صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو جواب سے فرصت ہی نہیں

ملتی ہوگی، کتنوں کے جوابات دیتے ہیں۔ اپنے اوپر قیاس نہیں کرنا چاہیئے کہ پانچ سات کا سلام آگیا تو جواب دینا مشکل ہوگیا اور پھر وفات کے بعد عالم برزخ میں پہنچکر احساسات بہت زیادہ قوی ہوجاتے ہیں جوکیفیت احساس وادراک کی اس دنیامیں رہتے رہتے ہے اُسکے اعتبار سے برزخ میں پہنچکر احساسات بہت قوی ہوجاتے ہیں حضرت نانوتویؒ نے فرمایا ہے.......

.......کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو وفات ہوئی اس طرح نہیں جیسے اور لوگوں کی وفات ہوتی ہے کہ روح کو جسم سے جدا کردیا۔ ایسا نہیں بلکہ روح مبارک کو وہیں محفوظ کردیا گیا ہے۔ جیسے چراغ جل رہا ہو آپ اس کو زمین پر رکھکر اس کے اوپر طشت رکھدیں چراغ کی جو روشنی دور دور تک پھیل رہی تھی وہ محفوظ ہوگئی، طشت کے اندر محفوظ رہ گئی فائدہ اس کا یہ ہے کہ پہلے جو روشنی پھیل رہی تھی وہ ہلکی تھی اب وہ روشنی ایک جگہ مجتمع ہوکر زیادہ قوی ہوگئی ان کی تحقیق یہ ہےکہ وفات اس طرح ہوئی اوروں کی جطرح وفات ہوتی ہے اس طرح نہیں ہوئی قرآن میں ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ دونوں کی میّت کو الگ الگ ذکر کیا گیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور طرح ہے اور دوسروں کی وفات اور طرح ان کے معارف میں یہ ہے۔ بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر منکشف فرماتے ہیں اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سننا اور سب کا جواب دینا اور ہرایک کا پہچاننا، ہرایک سے مسرور ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کوئی دشواری نہیں۔

بہت آسان ہے امام رازیؒ نے تو فرمایا ہی ہے قیاس الغائب علی الشاہد لایجوز جو غائب ہے اس کو حاضر پر کیسے قیاس کرتے ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری نظروں سے غائب ہیں ان کو اپنے اوپر کیسے قیاس کرسکتے ہیں۔

اس لئے وہاں کے حالات کو یہاں کے حالات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اللہ تعالیٰ

نے اپنے نبی کو جو جو چیزیں عطا فرمائی عجیب عجیب ہیں، ایک بزرگ روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے صلوٰۃ وسلام عرض کیا درود شریف پڑھا کچھ اشعار پڑھے۔
ان کا حاصل یہ تھا کہ اب تک تو میں اپنی روح بھیجا کرتا تھا روح آتی تھی زیارت کے لئے صلوٰۃ وسلام پڑھتی تھی آج جسم کی باری آگئی جسم حاضر ہوگیا۔ لہذا دست مبارک بڑھایئے تو دست مبارک روضۂ اقدس ؐ سے نکلا کالشمس فی نصف النہار اتنی اس کی روشنی جیسے دوپہر میں سورج سب مجمع نے دیکھا انھوں نے بڑے احترام کے ساتھ دست مبارک کو بوسا دیا اور وہ پھر قبر کے اندر چلا گیا۔
یہ واقعہ ۵۵۵ھ کا ہے اور اس وقت مسجد میں بڑے بڑے اولیاء اللہ موجود تھے۔ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحؒ بھی موجود تھے اور لوگ بھی اس کے بعد لوگوں نے ان کی بڑی تعظیم وتکریم کی جس کی خاطر مبارک قبر سے نکلا انھوں نے کہا اچھا یہ بات ہے، لیٹ گئے اور کہا میرے اوپر کو چلو لوگ چلے مان لی بات، ایک صاحب کشف بزرگ تھے وہ نہیں چلے کسی نے پوچھا کیا بات ہے آپ نے ان کی بات کیوں نہ مانی انھوں نے کہا، جو لوگ گذرے وہ اندھے تھے لوگوں کو ان کے رتبے کا علم نہیں میں اگر چلتا تو آتش قہر مجھے جلا ڈالتی اس پایہ کے بزرگ تھے کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے اس حیوۃ کے اثرات باہر والوں کو بھی دکھلا دیئے جاتے ہیں کسی کسی کو سب کو نہیں ہر ایک کو نہیں۔
حضرت شیخ الحدیث رحؒ نے سنایا تھا مسلسلات پڑھاتے ہوئے کہ کہنے کی بات نہیں آدمی ادھر سے منھ پھرا کر دیکھے آنکھیں بند کرے پھر دیکھے اس پر کیا کیا کھلتا ہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحؒ نے تراویح میں حضور اقدس ؐ کو قرآن شریف سنایا کیسے سنایا ہم نہیں جانتے نہ ہم نے پوچھا نہ انھوں نے بتایا، ہوسکتا ہے اقدام عالیہ میں کھڑے ہو کر سنایا ہو کہیں اور جگہ کھڑے ہو کر سنایا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب صلوٰۃ وسلام کو سنتے ہیں تو قرآن پاک کو سننے میں کیا اشکال ہے، ایک صاحب نے دریافت کیا تھا کہ وہاں کے قاضی القضاۃ کے بیٹے کو بہت

شوق تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اس کے لئے وظیفے عملیات بہت سارے پڑھے۔ ایک مرتبہ زیارت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روضۂ اقدس سے باہر تشریف لائے پوچھا حضورؐ کہاں کا ارادہ ہے، ارشاد فرمایا خلیل احمد ہندی کا انتقال ہوگیا ہے ان کے جنازہ میں شرکت کے لئے جارہا ہوں چونکہ مولانا خلیل احمد صاحب نے وصیت فرمائی تھی میرے جنازہ کی نماز مسجد میں نہ پڑھی جائے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے اس لئے مسجد سے باہر پڑھی گئی تھی تو وہاں تشریف لائے۔ تو مبتدعین نے کہا تھا کہ نماز جنازہ مسجد میں میسر نہ آئی۔ یہ گستاخِ رسول تھے، ایسے تھے۔ مگر ساتھ ساتھ یہ نہیں دیکھتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جنازہ میں شرکت کے لئے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر بنفس نفیس روضۂ اقدس سے باہر تشریف لائیں اللہ کی طرف سے اجازت ہو، غلط نہیں ہوسکتا ہے کسی کو بیداری کی حالت میں نظر آجائے یہ بھی ہوسکتا ہے، ممکن ہے۔ لیکن وہ جو عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر ہیں اس کا کہیں کچھ ثبوت نہیں خرقِ عادت کے طور پر جنازہ میں شرکت کے لئے جاسکتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کی کتاب میں ہے کہ فلاں میرے پیر بھائی کا انتقال ہوا میں نے اس کو قبر میں دفن کے لئے رکھا تو بلا مبالغہ مجھے وہ ہی خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی مرتبہ روضۂ اقدس پر حاضری کے وقت محسوس ہوئی تھی۔ میں نے ایک صاحب سے پوچھا یہ خوشبو یہاں کہاں آگئی مدینہ طیبہ کی کہا ہم سُنیوں کا عقیدہ ہے کہ مومن کی قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ لائے ہوں گے، خوشبو محسوس ہوئی ہوگی، اس میں کیا بات ہے۔ آگے میں نے کہا جب سوال کیا جاتا ہے "ماھذا الرجل؟" جب کہا جاتا ہے جب کہ لوگ دفن کر کے واپس چلے جاتے ہیں اس وقت منکر نکیر آتے ہیں اٹھاتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ابھی تو

رکھا ہی ہے۔ رکھتے ہی کیسے خوشبو محسوس ہوئی۔ میں نے پوچھا واقعی آپ لوگوں کا عقیدہ ہے .... جب عقیدہ ہے تو قرآن میں کہیں ہوگا۔ آگے کچھ بولے نہیں۔ میں نے کہا اچھا علم عقائد میں جو کتابیں ہیں شرح عقائد، شرح مقاصد ہے، شرح مواقف ہے وغیرہ ان میں کہیں ہوگا۔ ان بیچارہ نے ان کا نام بھی نہیں سُنا تھا۔ میں نے کہا کہ اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی مومن کی قبر پر تشریف لانا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں تو اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ بس جتنی گالیاں اس کی ڈکشنری میں تھیں ساری دے دیں کہ وہ کافر ہے مرتد ہے زندیق ہے، ملعون ہے، جہنمی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے۔ یہ مذہب ہے۔ میں نے کہا۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب کی کتاب میں ہے۔ بریلی شریف سے چھپی ہے۔ اس میں لکھا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی مومن کی قبر پر تشریف لانا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں۔ اُپنے ان کو تو لگا دیا ٹھکانے۔ اس واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے جوش میں آکر عقائد خراب نہ ہونے پائیں۔ عقائد کو صاف صحیح رکھنا ضروری ہے۔ آخر صحابہؓ نے جو عرب سے باہر عجم میں سفر میں تشریف لے گئے تھے وہاں سے واپس آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ وہاں دیکھا اپنے چودہری کو اپنے بڑے کو سجدہ کرتے ہیں۔ حضورؐ آپ زیادہ مستحق ہیں۔ یہ محبت کی وجہ سے تھا خدانخواستہ یہ سجدہ عبودیت نہیں تھا۔ شرک تھوڑا ہی یہ کر رہے تھے محبت کی خاطر سجدہ تعظیمی کرنا چاہتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا میرا انتقال ہو جائے تو میری قبر پر تم لوگ اسی طرح سجدہ کروگے؟ کہا، نا! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر غیر اللہ کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے اس واسطے سجدہ کسی اور کے واسطے جائز نہیں۔

جوش اور محبت میں آکر صحابہؓ نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جو شانِ اقدس کے خلاف ہو جس میں عقائد کا خطرہ ہو اس کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ ورنہ جوش محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ یہودیوں نے حضرت عزیرؑ کو پوجا تھا، نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو اور جتنے بت پرست ہیں جن چیزوں کو معبود قرار دیتے ہیں جوش محبت ہی کا نتیجہ ہے اس لئے اسلام میں جوش اور محبت کی حدود قائم کر کے ان حدود کو مقید کیا گیا ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کے خلاف چیزیں پھیل گئی ہیں پھیل رہی ہیں ان کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ مایوس ہرگز نہ ہونا چاہیئے نرمی سے پیار محبت سے شفقت سے سمجھایا جائے تو طبیعتیں ایسی ہیں جو مان جائیں گی۔ ضد بھی ہوتی ہے مزاج میں خاص کر یہ معلوم ہو جائے آپ وہابی ہیں آپ دیوبندی ہیں تو اور دقت پیش آتی ہے۔ اگر آپ نرمی سے سمجھائیں۔ کتابیں دکھلائیں، حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو بیان کریں جس قدر بھی زیادہ سیرت بیان کی جائے ایجابی پہلو ہو۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق ہیں، یہ کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے ہیں، یہ کام اُمت کو سپرد کیا ہے، ان کے مطابق انجام دینا۔ اتنی چیز ہو اس سے بہت لوگوں کی اصلاح ہوگی۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ مداہنت کی جائے غلط چیزوں کے متعلق۔ نہیں! مداہنت اور چیز ہے۔ اور اگر شروع ہی سے ان کی ایک ایک بات لے کر کہا جائے کٹ جائیں گے اور کوئی بات نہیں سُنے گا اور بہت سختی سے پیش آئیں گے عقائد آپ کے متعلق خراب ہوں گے آپ کے بڑوں کے متعلق خراب ہونگے لکھنؤ میں ایک بزرگ تھے شاہ وارث حسن صاحب، حضرت گنگوہی رح

کے یہاں بھی رہے اور دیوبند میں تعلیم پائی تھی مولانا فخرالدین حسن صاحب فرماتے تھے انھوں نے میری عمر میں کلام پاک حفظ کر کے حضرت گنگوہی رہ کو سنایا تھا اور مشکوٰۃ شریف حفظ کر کے حضرت شیخ الہندرہ کو سنائی تھی انکے صاحبزادے ہیں ٹیلہ والی مسجد میں بھورے میاں کہلاتے ہیں پیری مریدی کرتے ہیں اپنے والدصاحب کی طرف سے مجاز ہوں گے۔ ایک شخص آئے انھوں نے کہا میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ مگر دیکھیئے یہ جو بڑے بڑے ہیں حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی، حضرت سہارنپوری، حضرت تھانوی رح کے نام لے لے کر بہت بیہودہ الفاظ سے نام لئے، میں ان کو مسلمان نہیں سمجھتا۔ اس کے ساتھ آپ مجھے بیعت کرنا چاہیں تو کر لیجئے۔ اچھی بات ہے۔ بیعت کرلیا اس کے بعد پھر ایک روز روتا ہوا کانپتا ہوا پریشان ہوتا ہوا آیا۔ پوچھا کیا بات ہے۔ کہا میں نے خواب میں دیکھا حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح بھی۔ حضرت بھی کہتا ہے مولانا بھی کہتا ہے حضرت ان کے سامنے دوزانو بیٹھے ہیں اور جھکے ہوئے بیٹھے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر مبارک پر دونوں ہاتھ رکھے ہیں اور عرض کر رہے ہیں حضورؐ! مجھے بتا دیجئے میرا قصور کیا ہے یہ لوگ مجھے کیوں برا کہتے ہیں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے دونوں ہاتھ گٹوں سے پکڑ کر اسطرح اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا لپٹا لیا اور فرمایا: "میں تو برا نہیں کہتا"۔

اس واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو اُن کا معاملہ تھا، توبہ کرنے کے لئے آیا ہوں آئندہ ان کو برا نہیں کہوں گا یہ بہت اونچے لوگ ہیں۔

اس واسطے جن کے مقدر میں ہدایت لکھی ہے اللہ تعالےٰ نے ان کو ہدایت بھی نصیب ہو جاتی ہے اور جن کے مقدر میں ہدایت نہیں ابولہب کو ابوجہل کو

ہدایت نہیں ملی اس واسطے بتانے سے سمجھانے سے اصلاح کی امید ہے۔ اور کسی کی ہدایت سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔

ایک صاحب سے میں نے کہا تھا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ مجمع عام میں اختلافی مسائل کو کھول کھول کر بیان کر دیا جائے کہ اصل مسئلہ اس طرح ہے اس میں ان کے دلائل یہ ہیں مگر دوسرے لوگوں نے اس طرح بگاڑا ہے۔

انھوں نے کہا اس کا ..... کیا ہوگا دہاں تو نفی جحد ہے۔ وہ لوگ جو انکار کرتے ہیں وہ نفی جحد ہے۔

میں نے کہا دیکھیئے اولاً یہ فیصلہ کہ یہ نفی جحد ہے کون کرے جو قلب کے حالات سے واقف ہے وہ فیصلہ کرے۔ دوسرے یہ کہ نفی جحد ہے تو نفی تاکید بلن تو نہیں ہے۔ نفی جحد کا مطلب اب تک نہیں کیا نہیں مانا۔ یہ تو نہیں کہ آئندہ کام ہی نہیں کریں گے۔ مگر اس کی طرف لوگ آتے نہیں۔ جو مسائل کتابوں میں لکھے ہیں وہ کتابیں وہ لوگ پڑھتے نہیں اور جو ہمارے اکابر کی کتابیں ہیں وہ بحر فارس بحر عرب سے ہو کر آئی ہیں اس میں عربی فارسی کے اتنے الفاظ ملتے ہیں جو اُن سے حل نہیں ہوتے۔

تاہم کوشش تو کی جارہی ہے اور آسان آسان زبان میں کتابیں لکھی جارہی ہیں۔ اللہ پاک صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ (آمین)

اتّباعِ سُنّت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بعد خطبۂ مسنونہ!

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

قرآن کریم کی ایک آیت ہے، اس میں ایک واقعہ کے متعلق بیان کیا ہے۔

مدینہ طیبہ میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرما ہیں۔ صحابۂ کرام بھی ہیں، ان حضرات میں ایک صحابی ہیں جن کا نام حضرت زبیر رض ہے۔ زبیر ابن العوام رض یہ ایسے صحابی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہر نبی کے لئے کوئی حواری ہوتے ہیں، میرے حواری زبیر ہیں۔ مخصوص طور پر ان کے لئے یہ امتیاز حاصل ہے۔ ایک دوسرے شخص تھے، ان کا ان سے ایک معاملہ ہوگیا۔ باغ میں پانی دینے کے سلسلہ میں، جس جگہ سے پانی آتا تھا اس کے قریب میں پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، کا باغ تھا اس کے بعد دوسرے شخص کا۔ وہ کہتا تھا کہ پہلے مجھے پانی چاہیئے اپنے باغ کے لئے۔ حضرت زبیر رض نے فرمایا کہ میرا باغ قریب ہے پانی کے۔ اس لئے پہلے مجھے پانی لینے دو اس کے بعد تم اپنے باغ میں پانی لے لینا۔ طے پایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلیں۔ اس لئے کہ صحابۂ کرام کا حال یہ تھا کہ جس بات میں بھی ذرا سا اختلاف ہوا یا کوئی تردد ہوا کوئی شبہ ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ اس لئے کہ آقائے نامدار سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم روحانی باپ

بھی تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اور حاکم اور بادشاہ بھی تھے اور محبوب بھی تھے، ساری باتیں جمع تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو دیکھا جائے تو آپ بادشاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپران کی نہایت کو دیکھا جائے تو آپ محبوب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے درمیان فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔ یہ جب دونوں گئے ہیں فیصلے کے لئے درخواست کی، دونوں کا حال معلوم کرکے بیان سُن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ زبیر پہلے پانی دیدے اپنے باغ کو تھوڑا تھوڑا پانی اس کے بعد پانی چھوڑ دیں تاکہ پڑوسی کے باغ میں پانی چلا جائے۔ حضرت زبیر رضی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے۔ اس دوسرے شخص نے کہا جی ہاں چونکہ یہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہوتے ہیں اس لئے آپ نے ان کے متعلق یہ فیصلہ کر دیا تو بھائی ایک چیز ہے کہ جس کے خلاف فیصلہ ہوتا ہے اس کا دل اس کو مشکل سے قبول کرتا ہے۔ بڑی دشواری پیش آتی ہے، بعض دفعہ سارے تعلقات پر پانی پھیر دیتا ہے آدمی۔ سارے دلائل سارے شواہد سب ایک طرف رکھے رہ جاتے ہیں اور وہ اپنی کہنا شروع کر دیتا ہے کہ صاحب میرے خلاف فیصلہ کر دیا۔ اس پر محدثین نے کلام کیا ہے کہ وہ کون شخص تھا دوسرا آدمی۔ کسی نے کہا کہ یہ منافقین میں سے تھا، کسی نے کہا کوئی بدّو تھا۔ واللہ اعلم۔ نام اس کا کہیں نہیں آتا۔ یہ بھی بات ہے۔ جو حدیث کے شرح کو تلاش کرکے دیکھا تو اس دوسرے شخص کا نام نہیں آتا۔ ایک دوسرا آدمی بس اتنا ہی لکھتے ہیں، نام متعین کرتے ہی نہیں کون تھا۔ خیر جس وقت یہ واقعہ پیش آیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جو میں نے ابھی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی۔ معاملہ اس طرح نہیں جو کچھ یہ کہا اور کہا قسم ہے تیرے رب کی لا یؤمنون۔ یہ لوگ مومن کہلانے کے حقدار نہیں ہیں۔ " حتیٰ یحکموک " یہاں تک کہ آپ کو حَکم تجویز کرلیں۔ فِیمَا شَجَرَ بَیْنَہُمْ۔ ان میں جو ان کے درمیان اختلافی چیز ہے، جس چیز میں اختلاف اور نزاع

ہے اس کے فیصلے کے لئے، جب تک یہ آپ کو حکم تجویز نہ کرلیں اس وقت تک یہ مومن کہلانے کے حقدار نہیں ثُمَّ لَا يَجِدُوا پھر اپنے جی کے اندر بھی تنگی محسوس نہ کریں آپ کے فیصلے کے متعلق جو کچھ آپ فیصلہ فرمادیں اس کے متعلق دل کے اندر بھی تنگی محسوس نہ کریں کہ آپ نے ایسا فیصلہ کیوں فرمایا۔ چہ جائیکہ اعتراض کرنا، نہ ماننا، کوئی طعن کرنا، کوئی فقرہ کہنا اس کی کیا گنجائش ہے۔ اور پورے طور سے یقین کرنا۔

اُمتی ہونے، مومن ہونے، محب ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم معلوم ہو جائے کہ فلاں معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے فوراً تسلیم کرلینا چاہیئے۔ اور اگر تسلیم نہ کریں اور اپنے معاملات کے واسطے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تجویز نہ کریں اور آپ کے فیصلے سے دل کے اندر تنگی محسوس نہ کریں۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ وہ شخص مومن کہلانے کا مستحق نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے اوپر آپ کیا حکم لگائیں۔ لیکن ایمان کی بات تو یہ ہے کہ وہ مومن کہلانے کا حقدار نہیں۔ یہ اس آیت کا ترجمہ اور مطلب ہے۔ ترجمہ اور مطلب اتنا واضح ہے کہ اس میں زیادہ کچھ وکاوش کی ضرورت نہیں۔ یعنی ہر شخص کے لئے ایک کسوٹی بیان کردی اپنے مومن ہونے کی، ویسے تو دعویٰ میں بھی کروں آپ بھی کریں اور سب مسلمان کہتے ہیں کہ ہم بھی مومن ہیں۔ لیکن اس آیتِ شریفہ میں ایک کسوٹی بیان فرمادی۔ وہ یہ کہ ہر شخص اس کسوٹی پر اپنے ایمان کو کس کر پرکھ کر دیکھ لے کہ میرا ایمان کتنا مضبوط ہے، کتنا قوی ہے۔ کسوٹی کیا ہے۔ جب انسان کا اختلاف اور نزاع ہو، چاہے اپنے نفس سے نزاع ہو چاہے کسی اور سے نزاع ہو۔ جو بھی بات شک اور تردد کی ہو اس کو جاکر حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کردیں، جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ فرمادیں، بس اس کو تسلیم کرلیں، جی کے اندر تنگی محسوس نہ کریں۔ یہ ہے چیز جس سے صحابۂ کرام رضہ کی زندگیاں بھری ہوئی ہیں۔ شوہر اور بیوی کے درمیان کسی

بات میں اختلاف ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر فیصلہ قائم کرلیا۔ باپ بیٹے کے درمیان اختلاف ہوا تو فیصلہ طلب کرلیا۔ ایک پڑوسی کا دوسرے پڑوسی سے اختلاف ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ طلب کرلیا۔ غرض یہ کہ اپنے معاملات کا دارومدار جو کچھ تھا نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے اوپر تھا یہی ایمان کی بات ہے، یہی ایمان کی نشانی ہے۔

ایک یہودی کا ایک مسلمان سے کسی بات میں اختلاف ہوا۔ یہودی نے کہا کہ چلو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ کرانے کے لئے۔ آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کا بیان سُنا۔ سُن کر فیصلہ کردیا یہودی کے موافق، اس لئے کہ فیصلہ تو وہاں حق کا کرنا ہے، جس کا حق ہے اس کو دلایا جائے گا۔ یہ تو نہیں کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کے حق میں فیصلہ کرلیا جائے اور یہودی کو ملزم قرار دے دیا جائے، اس کے اوپر ظلم ہو جائے، ایسا نہیں، بات سچی ہونی چاہیئے، حق ہونی چاہیئے، طرفداری سے اپنی پارٹی اور اپنی رشتہ داری کی وجہ سے غلط بات نہیں کہنی چاہیئے، نہ گواہی غلط دی جائے نہ فیصلہ غلط کیا جائے، بات سچی پکّی ہونی چاہیئے۔ چنانچہ یہودی کے موافق فیصلہ ہوگیا۔ اس نے تو قبول کرلیا، کیونکہ اس کے تو موافق تھا ہی۔ اور جو مسلمان تھا بے چارہ۔ میں کہہ رہا ہوں، مسلمان تھا ورنہ اللہ جانے کیا تھا۔ اس نے کہا کہ نہیں، فلاں شخص کون تھا، ایک منافق تھا، اس زمانے میں اس کا نفاق سب کو معلوم تھا کہ اس کے پاس چلو، اس سے فیصلہ کرائیں گے۔ یہودی نے کہا کہ نہیں حضرت عمر رضؓ کے پاس چلو حضرت عمر رضؓ سے فیصلہ کرائیں گے۔ اچھا صاحب حضرت عمر رضؓ کے پاس آئے۔ آکر یہودی نے کہا کہ صاحب میرا اور اس مسلمان کا معاملہ یہ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا تھا، یہ اس کو تسلیم نہیں کرتا، یہ شخص فلاں کے پاس فیصلہ لے جانا چاہتا ہے، میں آپ کے

پاس آیا ہوں۔ تو حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا کیوں بھائی یہ بات صحیح ہے؟ تو اس مسلمان نے کہا کہ ہاں صحیح ہے۔ ایسا ہی ہے تو کہا اچھا ٹھہرو، گھر میں گئے، گھر میں سے تلوار لائے، اور تلوار لا کے فرمایا جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ تسلیم نہ کرے اس کے واسطے یہ فیصلہ ہے، تلوار اس کا فیصلہ کرے گی۔ ایمان کی بات تو یہی ہے کہ جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ اور ان کے حکم کو نہ مانے بلکہ کسی منافق کے پاس حکم لے جانے کے لئے کہے، اس کو حکم قرار دینے کے لئے کہے اس کا فیصلہ تو واقعی تلوار سے ہی مناسب ہے۔ اور بہت سے واقعات ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرما دیا صحابہؓ کرام رضی نے مان لیا، یہ ہی شان تھی اور جس شخص نے نہیں مانا معلوم ہوتا ہے کہ اسکے اندر کچھ کھوٹ ہے، نفاق ہے، ایمان نہیں۔ ایمان کی کسوٹی یہ ہے کہ ہر چیز میں یہ دیکھ لیں کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر دل پورے طور پر رضا مند ہے یا نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ایک بزرگ گذرے ہیں، مدینہ پاک میں رہا کرتے تھے، ترکی النسل تھے، صاحبِ حضوری تھے، صاحبِ حضوری ان حضرات کی اصطلاح میں وہ شخص کہلاتے ہیں جن کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ اقدس میں روزانہ حاضری کا موقع ملتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ارشاد فرمایا کہ ہندوستان جاؤ۔ غور کیجئے آپ حضرات اللہ کے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری ہدایت کے واسطے، ہماری رہبری کے واسطے مخصوص جاں نثار خادم کو بھیج رہے ہیں کہ وہاں جاؤ، یہ بھی فرمایا کہ غریبانِ ہند پر نظرِ کرم رکھنا، نظرِ شفقت رکھنا۔ چنانچہ انھوں نے عرض کیا حضور یہاں تو روزانہ حاضری کا موقع ملتا ہے۔ ہندوستان میں اتنی دور چلا جاؤں گا حاضری کا موقع کیسے میسر ہوگا؟ ارشاد فرمایا کہ تم کو وہاں سے بھی موقع دیا جائے گا۔ وہ ہندوستان آئے دہلی میں آکر قیام کیا، یہاں

حدیث شریف کا پڑھنا پڑھانا، شرح کرنا شروع کیا۔ مشکوٰۃ شریف کی دو شرحیں لکھیں ایک عربی میں ایک فارسی میں۔ اور تصوف کی کتابیں لکھیں۔ حضرت خواجہ باقی باللہ صاحبؒ اونچے درجے کے بزرگ اور اپنے زمانہ کے قطب تھے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مجدد الف ثانی رہ کا دور بھی وہی ہے، جہاں کہیں خبر ہوتی حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ کو کہ وہاں کوئی اللہ اللہ کرنے والا موجود ہے اس کی زیارت کے لئے جاتے۔ ان کو معلوم ہوا کہ ایک درویش آیا ہے، ایک فقیر آیا ہے۔ لوگ بہت اس کی طرف متوجہ ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق رہ بھی تشریف لے گئے۔ وہاں جاکر کے دیکھا اس فقیر کے یہاں ایک مجمع ہے، فقیر بیٹھا ہوا ہے انھوں نے جاکر سلام کیا یہ بھی جاکر بیٹھ گئے۔ فقیر نے ان کی طرف دیکھا اور دیکھ کر کہا کہ یہ پیالہ پی لے، پیالہ کیا تھا اس میں شراب تھی، تب ان کو معلوم ہوا کہ یہ تو شرابی آدمی ہے۔ لوگ اس کے بڑے معتقد و مرید ہیں انھوں نے انکار کیا کہ میں شراب نہیں پیوں گا، شراب تو حرام ہے۔ اس نے بھی کچھ اصرار نہیں کیا۔ رات کو خواب میں حضرت شیخ عبدالحق رہ نے دیکھا کہ کچھ لوگ جارہے ہیں، جانے والوں سے پوچھا بھائی کہاں جارہے ہو۔ کہا فلاں مکان میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں زیارت کے لئے جارہے ہیں۔ یہ بھی چلے۔ آکر دیکھا کہ دروازے پر وہی فقیر کھڑا ہے۔ اوروں کو تو اندر جانے کی اجازت دیدی۔ انھوں نے جانا چاہا تو ڈنڈا اُٹھایا ان کے اوپر، کہا کہ تونے پیالہ تو پیا نہیں تھا تجھے اجازت نہیں اندر جانے کی۔ گھبرا کر ان کی آنکھ کھل گئی۔ عالم تھے، زبردست عالم تھے، حدودِ شرع کو جانتے تھے، فوراً لاحول ولا قوۃ الخ پڑھا۔ تلبیسِ ابلیس ہے، شیطانی دھوکا ہے۔ یعنی شراب پئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو، حاضری کا موقع ملے، شراب سے انکار کردیں تو حاضری سے محروم رہیں، یہ تلبیسِ ابلیس ہے۔ اگلے روز پھر گئے فقیر کے پاس، اسی طرح سے مجمع لگا ہوا ہے۔ جاکر کے

بیٹھے تو اس نے کہا اب تو پی لے، کہا اچھا۔ انھوں نے سمجھا کہ یا تو اس نے تصرف کیا تھا اس رات کو یا کشف ہوا اس کو۔ انھوں نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ایسے شعبدے کسی اور کو دکھانا میں نہیں پیوں گا، نہیں پیا۔ آج پھر اسی طرح سے خواب میں دیکھا کہ لوگ جا رہے ہیں پوچھا کیا بات ہے کہاں جا رہے ہیں۔ کہا فلاں مکان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں زیارت کے لئے جا رہے ہیں۔ شیخ عبدالحق بھی تشریف لے گئے دیکھا تو پھر وہی فقیر دروازے پر کھڑا ہوا ہے، اس نے ڈنڈا اٹھایا اور اجازت نہیں دی اندر جانے کی، پھر ان کی آنکھ کھل گئی گھبرا کر، پھر انھوں نے کہا لاحول الخ۔ حدیث پاک میں بھی آتا ہے کہ کوئی شخص وحشت ناک خواب دیکھے، ڈراونا خواب دیکھے، گھبراہٹ کا خواب دیکھے تو اُسے چاہیئے کہ لاحول پڑھ کر بائیں طرف تھو تکار دے اور دعا کرے کہ اے اللہ پریشان خواب اور اس کے بُرے اثر سے محفوظ رکھ تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ پھر دن میں گئے فقیر کے پاس اس نے کہا دیکھو دو روز ہو گئے حاضری سے محروم ہو زیارت سے محروم ہو اب تو پی لو۔ انھوں نے فرمایا ساری عمر بھی محروم رہوں گا تو بھی نہیں پیوں گا۔ یہ فیصلہ حضرت شیخ عبدالحق نے کیوں کیا حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت اعلیٰ درجے کی تھی، ان کو ان کی جدائی گوارا نہیں تھی۔ ہندوستان سے یہی اعزاز کیا کم تھا لیکن اس کے باوجود پی لیتے تو زیارت نصیب ہو جاتی، دل کو ٹھنڈک پہنچ جاتی، لیکن نہیں پیا کیوں نہیں پیا۔ اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کو حرام قرار دیا ہے۔ جب فقیر نے کہا دو روز ہو گئے حاضری سے محروم ہو۔ انھوں نے فرمایا کہ عمر بھر بھی محروم رہوں گا تو نہیں پیوں گا۔ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کر کے حاضری منظور نہیں۔ اگر میں حاضری سے محروم ہوں تو کیا ہوا میری خدمات تو قبول ہیں یہ بات سوچ لینے کی ہے۔ ایک وہ شخص ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

مشغول ہے۔ چاہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا اس کو موقع نہیں، دور دراز ہے۔ ایک وہ شخص ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتا ہے مگر نافرمان ہے تو کون افضل ہے۔ افضل وہ ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں، اگرچہ وہ حاضر نہ ہو دُور رہو۔ چنانچہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی بناکے بھیجا ہے مدینہ طیبہ سے یمن کے لئے۔ دور تک ان کے ساتھ ہدایات دیتے ہوئے تشریف لائے۔ اور رُخصت کرتے وقت فرمایا کہ دیکھو میرے دوست وہ ہیں جو تقویٰ اختیار کریں اگرچہ کتنے ہی دور ہوں، کسی جگہ رہتے ہوں، کوئی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان دلا دیا۔ یعنی معاذ تم یمن جا رہے ہو میں مدینہ طیبہ میں ہوں شاید میری تمہاری ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ آئندہ سال تم آؤ تو شاید تمہارا گذر میری قبر پر ہو یعنی وفات ہو جائے گی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ آپؐ نے فرمایا میرے دوست میرے ولی وہ ہیں جو متقی ہوں اور تقویٰ اختیار کریں (این کانوا من کانوا) جہاں بھی ہو جو بھی ہو۔ تو دور رہتے ہوئے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص سے مسرور اور خوش ہوں حضورؐ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں اپنی زندگی گذارتا ہو اعلیٰ مقام رکھتا ہے بہ نسبت اس کے کہ جو پاس ہو، سامنے ہو لیکن نافرمان ہو۔ کیوں بھائی منافقین تھے، کیا یہ خدمتِ اقدس میں حاضر نہیں ہوتے تھے، حاضر ہوتے تھے، نماز کے لئے بھی آیا کرتے تھے۔ ایک سورۃ مستقل ان کے حکم کے متعلق نازل ہوئی۔ اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ الخ۔ قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے ان کو جھوٹا قرار دیا۔ وہ جو شہادت کا کلمہ پڑھتے تھے اس کا انکار کیا کہ یہ جھوٹے ہیں شہادت کا کلمہ پڑھنے میں ان کا اعتبار نہیں، بخلاف اس کے کہ جو دور رہتے دور ہونے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مسرور، حضورؐ کے یہاں ان کی خدمات مقبول، ان کا مقام بہت بلند۔ اس لئے حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ نے دور رہنا پسند کیا۔ اس واسطے حضرت شیخ عبدالحق؟

نے پینے سے انکار فرما دیا، میں نہیں پیوں گا۔ ساری عمر بھی محروم رہوں گا زیارت سے کیا ہوا میری خدمات تو قبول ہے۔ یہ میرا انکار کر دینا تو قبول ہے، پینا تو مقبول نہیں ہے حضورؐ کے یہاں۔ جو میں نے شراب پینے سے انکار کر دیا یہ تو مقبول ہے۔ تیسری رات پھر اسی طرح سے خواب میں دیکھا کہ لوگ جارہے ہیں، یہ بھی گئے دیکھا تو پھر فقیر کھڑا ہوا ہے دروازے پر اب ان کو بڑا تردّد ہوا کہ کون ہے دروازے پر آکر کھڑا ہو گیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ شراب پیوں تو اندر جانے کی اجازت ملے نہ پیوں تو اجازت نہ ملے۔ سوچ رہے تھے کیا تدبیر اختیار کروں۔ اندر سے آواز آئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرما رہے ہیں دو روز ہو گئے عبدالحق نہیں آئے، خود وہاں سے انتظار ہو رہا ہے ذکر ہو رہا ہے کہ دو روز ہو گئے عبدالحق نہیں آئے، ان کے کان میں آواز پہونچی تو انھوں نے وہیں سے زور سے کہا کہ حضور میں حاضر ہونا چاہتا ہوں مگر یہ فقیر دروازے پر کھڑا ہوا ہے آنے نہیں دیتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کون ہے کیا بات ہے۔ وہاں کسی نے بتایا کہ حضور فقیر شرابی کھڑا ہوا ہے دروازے پر۔ آپ نے فرمایا دور ہوا ہے کتے۔ اور جناب ایک صحابی وہیں سے تلوار لے کر دوڑے۔ وہ پیر وہاں سے بھاگا، دروازہ کھولا راستہ صاف ہوا شیخ عبدالحق حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دو روز ہو گئے تم کہاں تھے؟ کہا کہ جی حضور دو روز ہو گئے آتے ہوئے۔ یہ فقیر کہتا ہے کہ شراب پی لو تو اندر جانے کی اجازت ہے ورنہ نہیں۔ بھلا حضورؐ نے تو شراب حرام فرمائی میں کیسے پیوں۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا کیا تم نے شراب نہیں پی شفقت اور مہربانی فرمائی۔ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے معاملہ کو حضورؐ کے سپرد کیا، حضورؐ کی ہدایات میں تلاش کیا، اس میں شراب کی حرمت تھی لہٰذا اس کے لئے تیار نہ ہوئے کہ حاضری نہ سہی لیکن حرام چیز کو استعمال نہیں کروں گا، نہیں کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے

ان کے درجات کو بلند فرمایا۔ اب جب صبح کو اٹھے تو بہت خوش تھے۔ پھر آئے فقیر کے یہاں، دیکھا مجمع تو موجود ہے اس کے مریدین کا لیکن خود موجود نہیں۔ مجمع سے پوچھا پیر کہاں ہے؟ مریدین نے کہا اندر کمرہ میں ہیں۔ حضرت شیخ رہ نے کھڑے ہو کر کمرہ پر دستک دیا۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ دروازہ کھول کر دیکھا اس کمرے میں کوئی نہیں۔ پوچھا کیوں بھائی تم کہتے تھے کہ اندر کمرہ میں ہیں یہاں تو کمرہ خالی ہے۔ کھڑکی کوئی دروازہ بھی نہیں کہ اندر سے چلا جائے کوئی۔ اور مریدین نے بھی دیکھا کہ پیر صاحب تو اندر ہی تھے اور اندر سے نکلے بھی نہیں۔ پھر شیخ نے پوچھا دروازے سے کوئی نکلا بھی ہے تو بتلایا کہ کُتّا تو نکل کر بھاگا تھا۔ تب حضرت شیخ رہ نے فرمایا وہی تمہارا پیر تھا جس نے شریعت کو مسخ کرنا چاہا، جس نے شریعت کو بگاڑنا چاہا اللہ تعالیٰ نے اس کو مسخ کر دیا۔ اللہ کے رسول صلعم کی زبانِ مبارک سے نکلا "دُور ہوا کُتّے"، جس کو حضور صلعم نے کُتّا فرما دیا وہ پھر انسان کیسے رہتا۔ اللہ نے اس کو کُتّے کی صورت میں مسخ کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نہایت پاک صاف ستھری نکھری ہوئی روشن شریعت ہے جس کے اندر کسی قسم کا تذبذب اور تردّد نہیں۔ شیطان یا شیطان نُما انسان اس کے اندر کوئی گڑبڑ کرنا چاہتا ہے حق تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتے ہیں۔ یہاں اس نے گڑبڑ کرنا چاہا، شراب پینا جو حرام تھا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ دس۱۰ آدمیوں پر لعنت ہے۔ شراب پینے والے پر بھی لعنت، شراب بنانے والے پر بھی لعنت، شراب بیچنے والے پر بھی لعنت، شراب خریدنے والے پر بھی لعنت، شراب لاد کر لے جانے والے پر بھی لعنت، سب پر لعنت فرمائی، لعنت کے معنی خدا کی رحمت سے دور ہو جانا، پھٹکار پڑ جانا۔ حضور صلعم تو فرما دیں کہ شراب پینے سے اللہ کی پھٹکار ہوتی ہے اور رحمت سے دور ہوتا ہے۔ اور یہ فقیر کہتا ہے کہ شراب پی لو، تو حضور صلعم کا قُرب حاصل ہوگا، پہنچ جاؤ گے اندر۔ یہ مسخ

کرنا چاہا تھا اس نے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کی صورت کو مسخ کر دیا۔ اس واسطے ہر معاملے میں ہر شخص کو اپنی جگہ غور کر لینا چاہیئے کہ اس معاملے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کیا ہے۔ جو کچھ ارشادِ عالی ہو بس اس کے سامنے سر کو جھکا دے اور اس کو پورے طور سے تسلیم کرلیں چاہے اس میں ہزاروں لاکھوں کا نقصان کیوں نہ ہو۔ لیکن ہزاروں لاکھوں خرچ کرکے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور رضامندی حاصل ہو جائے بہت سستی ہے۔

حضرت سیّدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بہت اونچے درجے کے بزرگ ہیں ان کو پیرانِ پیر بھی کہا جاتا ہے۔ بڑے پیر صاحب جن کو غوثِ پاک بھی کہا جاتا ہے بہت سارے ان کے نام ہیں۔ گنے چنے ہی ایسے ایسے حضرات پیدا ہوئے ہیں جتنے اونچے وہ تھے۔ ایک مرتبہ اپنے مراقبہ میں تھے ان کو محسوس ہوا کہ باری تعالیٰ کا خاص قرب حاصل ہے، انوار اور برکات کی بارش ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ قریب ہے، سامنے ہے۔ اسی حال میں ان کو پیاس محسوس ہوئی۔ ارادہ کیا کہ پانی پیوں، جونہی پیاس محسوس ہوئی فوراً سامنے ایک صورت نمودار ہوئی ہاتھ میں اسکے کٹورہ رکھا ہوا ہے سونے کا چھلکتا ہوا پانی وہ پیش کیا گیا خدمت میں، کیونکہ غیب سے انکے پاس کھانے پینے کی چیزیں بڑی کثرت کے ساتھ آتی تھی، کرامات ہوتی تھی ارادہ کیا پینے کا سوچا سونے کا برتن تو استعمال کرنا حرام ہے۔ میں نہیں پیتا سونے کے برتن میں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے چاندی کے برتن کا استعمال کرنا حرام ہے۔ اپنی پیاس کو بجھانے کے لئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے کیا کیا؟ حضورؐ کے اوپر محوّل فرمایا کہ حضورؐ اجازت دیں تو پیوں ورنہ نہیں۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ سونے کے برتن کا استعمال کرنا ناجائز ہے۔ لہٰذا پینے سے انکار کر دیا۔ فوراً طبیعت کے اندر ایک بات آتی ہے۔ حرام کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں، وہی دے رہے ہیں پلا رہے ہیں، نہیں پیوگے تو ناشکری اور ناقدری

ہوگی اللہ کی نعمت کی۔ نا قدری کرنے کے وبال میں پکڑے جاؤگے۔ پھر ارادہ کرتے ہیں پینے کا پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نے جو احکام بیان فرما دیئے وہ تو قیامت تک کے لئے بیان فرما دیئے۔ ایسا نہیں کہ کچھ مدت کے لئے تھے پھر ختم ہو جائے۔ ایسا نہیں کہ کسی کے لئے حرام ہو کسی کے لئے حلال ہو جائے۔ یہ تو شیطانی دھوکا معلوم پڑتا ہے۔ انھوں نے فوراً لاحول پڑھی۔ لاحول پڑھنا تھا کہ نہ وہ انوار و برکات باقی رہے نہ وہ صورت رہی نہ وہ سونے کا پیالہ رہا نہ اس کے اندر چھلکتا ہوا پانی رہا، سب غائب۔ شیطان نے ایک اکھاڑا بنایا تھا، شیطان نے ایک پنڈال بنایا تھا اتنے بڑے ولی اللہ کو پھانسنے کیلئے۔ اتنے بڑے بزرگ کو مبتلا کرنے کے لئے شیطان نے یہ سب کچھ کیا تھا۔ لاحول سے شیطان بھاگتا ہے، بڑا زبردست گولہ ہے شیطان کے واسطے۔ انھوں نے لاحول پڑھی تو بھاگ گیا۔ بھاگتے بھاگتے کہہ گیا ایک بات۔ اتنے بڑے ولی اللہ کو اس مقام پر لاکر میں نے جہنم میں ڈھکیلا ہے تم اپنے علم کے ذریعہ بچ گئے۔ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ نے پھر سوچا شیطان کو تو قرآن نے کہا ہے کہ اِنَّ الشَّیْطَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔ انسان کے لئے شیطان کھلا ہوا دشمن ہے، دشمن تو کوئی خیر خواہی کی بات کہہ نہیں سکتا، کوئی تعریف کی بات نہیں کہہ سکتا۔ ضرور دھوکہ میں ڈال رہا ہے۔ پھر فرمایا انھوں نے تو جھوٹ کہتا ہے علم کے زور سے نہیں بچا، حق تعالیٰ کے فضل سے بچا۔ علم بچانے والا نہیں۔ بہت سے اہل علم نافرمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، بہت سے اہلِ علم بد اعتقادی میں مبتلا ہو کر ارتداد اختیار کر لیتے ہیں۔ اللہ کا فضل شاملِ حال ہوتا ہے تو ہی حفاظت ہوتی ہے۔

مَغفِرَت

اتباعِ سُنّت میں ہے

بیان جامع مسجد نوشہرہ بعد نمازِ مغرب
۴/۸/۸۹ء مطابق ۳/۱/۱۴۱۰ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریمؐ

۵۳

حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تولّد ہوئے اور ترپّن سال تک وہاں رہے۔ پھر ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر وہ دن دکھایا کہ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ حیثیت سے تشریف لائے اس روز لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے شروع ہو گئے، جماعتوں کی جماعتیں آ گئیں، آس پاس سے، اللہ نے اسلام کو غلبہ نصیب فرمایا۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب خدا کی مدد اور (مکہ کی) فتح (مع اپنے آثار کے) آ پہونچے (یعنی واقع ہو جائے) اور (آثار جو اس پر متفرع ہونے والے ہیں یہ ہیں کہ) آپ لوگوں کو اللہ کے دین (یعنی اسلام) میں جوق درجوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں۔ (بیان القرآن)

فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوگئے۔ ایک شخص جن کا نام وحشی رضؓ تھا۔ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا کہ میں ارادہ کرتا ہوں کہ ایمان لے آؤں۔ ان کے گاؤں اور بستی کے سب لوگ ایمان لے آئے تھے۔ انھوں نے خط لکھا لکنہا تمنعنی آیۃ نزلت الیک۔ کہ آپ کے اوپر ایک آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے ایمان لانے سے روکتی ہے۔ میں ایمان لانا چاہتا ہوں، دل میں خواہش ہے۔ لیکن ایک آیت کی وجہ سے ہمت نہیں پڑتی۔ آیت کیا ہے۔ یہ ہے کہ

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا	اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی
اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ	پرستش نہیں کرتے۔ اور جس شخص (کے قتل کرنے)
حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ	کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اسکو قتل نہیں کرتے
(فرقان آیت ۶۸ پارہ ۱۹)	ہاں مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے (بیان القرآن)

کہ تین گناہ ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے آدمی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ہے۔
(۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا (۲) زنا کرنا (۳) ناحق کسی کو قتل کرنا۔
یہ تین گناہ ہیں نہایت شدید قسم کے۔ حدیث میں بھی آیا ہے:
لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ۔ جو آدمی زنا کرتا ہے تو زنا کرتے وقت ایمان اس کے اندر نہیں رہتا۔ ایمان اس سے نکل جاتا ہے۔ بہت سخت گناہ ہے۔ پس تین گناہ ایسے ہیں جن کی وجہ سے انسان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں جاتا ہے اور مجھ سے تینوں گناہ ہوئے ہیں۔ انھوں نے خط میں لکھا:
ھَلْ لِیْ مِنْ تَوْبَۃٍ کیا اب میرے لئے توبہ کی کوئی گنجائش ہے؟
حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت پر اتنی شفقت تھی کہ کسی ماں کو اپنے بچے پر اتنی شفقت نہیں ہوتی جتنی شفقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت پر تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعتِ مبارک میں، قلبِ مبارک میں پریشانی

لاحق ہو گئی کہ ایک بندہ اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہے اس کے لیے کوئی راستہ بتادے تو آیت نازل ہوئی:

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ (فرقان آیت ۶۹)	مگر جو (کبیرہ معاصی) توبہ کرے اور ایمان (بھی) لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (گزشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا۔ (بیان القرآن)

ہاں یہ تین گناہ اتنے ہی سخت ہیں جن کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم ہے لیکن پھر بھی اگر کوئی شخص ایمان لے آئے توبہ کرے نیک عمل کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بھلائیوں سے بدل دیتا ہے جو اس نے گناہ کئے ہیں ان گناہوں کے بدلے میں بھلائی عطا فرما دیتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک کھل گیا کہ بندہ کے لئے راستہ مل گیا آنے کا، اور یہ بات فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا أُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ۔

ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب حساب کتاب ہوگا۔ ایک بندے کے چھوٹے چھوٹے گناہ گنائے جائیں گے کہ چھپ چھپ کے تو نے فلاں گناہ کیا فلاں گناہ کیا، انکار تو کر نہیں سکتا۔ اس واسطے کہ دائیں بائیں جو فرشتے کندھے پر بیٹھے ہوئے ہیں سب لکھتے رہتے ہیں اللہ کے سامنے سب موجود ہیں انکار کیسے کریں؟ ڈرتے ڈرتے اقرار بھی کرتا ہے ہاں یہ گناہ بھی ہو گیا مجھ سے۔ یہ گناہ بھی ہو گیا۔ اُسے یہ فکر ہے کہ یہ جو چھوٹے چھوٹے گناہ گنے جا رہے ہیں کہیں بڑے گناہ بھی نہ گنے جائیں۔ وہاں سے ایک رحمت نازل ہوگی۔ فرمائیں گے کہ ہر گناہ کے بدلے میں میں نے تمہیں جنت میں ایک مقام بلند کیا۔ اب اس سے

خوش ہوا اور کہے گا۔ اے اللہ میاں! میں نے بڑے بڑے گناہ بھی تو کئے وہ کیا ہوئے؟ جب دیکھا کہ گناہوں کے بدلے میں جنت کے مقامات بلند ہو رہے ہیں تو کہے گا کہ میں نے بڑے بڑے گناہ بھی تو کئے وہ کہاں گئے؟ ان کی وجہ سے تو میرے اور مقام بلند ہونے چاہئیں۔ یعنی جن گناہوں سے ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ سامنے نہ آجائیں خود بخود بتانے لگا۔ تو اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے۔ ایک عدل ہے۔ کسی بندے پر فضل ہوتا ہے، ہم نہیں جانتے ہیں کہ کس طریقے پر فضل ہوتا ہے؟ کیا نکتہ ہے اس میں؟ خداوند تعالیٰ کسی بھی قانون کے پابند تو ہیں نہیں۔ جس پر فضل فرمادیں اس کے گناہوں کے بدلے میں بھی جنت کے درجے بلند فرمادے اور پکڑنے پر آئے تو ذراسی چیز پر بھی پکڑ لے۔ اس لئے حضرت اقدس مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے جب کسی بڑے سے بڑے بزرگ کا انتقال ہوتا ہے اس پر ڈر لگتا ہے کہ ذراسی بھی کوتاہی پر پکڑ لے۔ اور جب کسی فاسق فاجر کا انتقال ہوتا ہے کہ کیا معلوم خدا تعالیٰ کسی بھی نقطہ پر اس کی بخشش کردے۔ اس کی پکڑ بھی ایسی سخت اور بخشش بھی ایسی عام۔

خیر۔ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ یہ تین گناہ کرتے ہیں واقعی ایسے ہیں جن کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کا جہنم ہے۔ لیکن اگر توبہ کرلے ایمان لائے، نیک عمل کرلے تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس لکھ کر بھجوا دیا۔ انھوں نے پڑھا، غور کیا۔ پھر خط لکھا کہ حضور! اس میں تو ایک شرط لگی ہے کہ ایمان کے بعد عمل صالح بھی کرے، نیک اعمال کرے تب ہوگا یہ۔ میں نہیں جانتا کہ میری موت مجھے مہلت دے گی یا نہیں۔ کبھی ایسا ہوگا کہ میں ایمان لاؤں اور موت فوراً آکر میری گردن دبالے اور عمل صالح کرنے کا موقع بھی مجھے میسر نہ آئے۔ کیا اب بھی میرے لئے توبہ کی گنجائش ہے۔ اس واسطے کہ ڈرے

ہوئے تھے اور موت کا استحضار ایسا تھا ان حضرات کو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک آیت نازل فرمائی:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔

بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا جتنے گناہ ہیں جس کیلئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے (بیان القرآن)

جس شخص کا خاتمہ شرک کی حالت میں ہو مشرک رہتے ہوئے اس کی بخشش نہیں۔ لیکن اس سے بڑے بڑے جتنے بھی گناہ کئے اللہ تعالیٰ سب کو معاف فرما دیں گے۔ پھر یہ آیت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس بھجوا دی۔ انھوں نے پڑھا پھر خط لکھا کہ اس میں یہ قید لگائی کہ "لمن یشاء" جس کو چاہیں گے، مغفرت کر دیں گے۔ میں نہیں جانتا کہ میری مغفرت چاہیں گے اللہ تعالیٰ یا نہیں۔ چونکہ ڈرے ہوئے تھے کہ گناہ بہت سارے کر رکھے ہیں۔ تب پھر یہ آیت نازل ہوئی:۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ

(پارہ ۲۴ الزمر آیت ۵۳)

آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے (کفر و شرک کرکے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو۔

کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنھوں نے اسراف کیا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اللہ پاک سارے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ غفور رحیم ہے۔ بندہ اگر سو مرتبہ گناہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ پھر فرماتا ہے کہ آجا ابھی توبہ کرلے، ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ توبہ کر، توبہ قبول کرنے والا میں ہوں۔ اسی وجہ سے جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جنت سے نکالا۔ تو اس

نے کہا کہ مجھے اس آدمؑ کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا میں بھی اس کی اولاد کو جنت میں داخل نہیں ہونے دوں گا. گناہ کراؤں گا اس سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو ان سے گناہ کرائے گا میں ان کو توبہ کی توفیق دیتا رہوں گا جس سے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے. شیطان کو بڑی مایوسی ہوئی کہ میں ایک شخص پر محنت کروں گا اس سے گناہ کراؤں گا پھر وہ توبہ کرے گا. گناہ تو اس سے معاف ہو جائیں گے اور میری محنت بیکار ہوئی۔

انسان کے پیچھے یہ شیطان لگا رہتا ہے کسی طرح سے اس کو چھٹکارا نہیں ہر وقت مسلط ہے. انسان کو ظاہری دشمنوں سے حفاظت کا خیال تو رہتا ہے. اگر چلتے چلتے راستے میں کوئی سانپ نظر آئے کہ سانپ اس کی طرف کو آرہا ہے تو وہ اس سے بچنے کے لئے فکر کرتا ہے یا بھاگے گا یا لاٹھی کہیں سے ڈھونڈ کے لائے گا اس کو مارے گا. اسی طرح سے اگر شیر سامنے آگیا تو پریشان ہو جاتا ہے. اس کا تو مقابلہ بھی کرنا مشکل ہے. لاٹھی سے کیا مقابلہ کرے اس کا. یہ تو ظاہری دشمن ہے. اگر کسی ملک نے حملہ کر دیا اور اس کی فوج آگئی. وہاں سے بندوقوں اور توپوں کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں تو سارے کے سارے پریشان ہو جاتے ہیں بھاگ جاتے ہیں. سب مکان. باغ، کھیت وغیرہ چھوڑ چھاڑ کے بھاگ جاتے ہیں. لیکن جو دشمن نظر نہیں آتا اور وہ اتنا قابو یافتہ ہے کہ انسان کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے ہے خون کی طرح. حدیث شریف میں موجود ہے:

إِنَّ الشَّيْطٰنَ يَجْرِي مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرٰى الدَّمِ ۔ جیسے انسان کے جسم میں خون سرایت کرتا ہے اسی طرح سے شیطان سرایت کرتا ہے۔

تو جو شیطان کہ نظر نہیں آتا کہ ہم اس سے کیسے بچیں؟ اس کے حملے سے بچنے کی ترکیب ہے اتباعِ سنت۔ جس قدر آدمی اتباعِ سنت کرے گا اسی قدر وہ شیطان کے حملوں

سے محفوظ رہے گا۔ جو کام کرے یہ سوچ کر کرے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے یا موافق۔ اگر خلاف ہے تو اس کو چھوڑ دے اس کے پاس نہ جائے۔ اور اگر موافق ہے تو اس پر عمل کرے۔ یہ کسوٹی ہے شیطان کے حملے سے بچنے کے لئے۔ شیطان کے حملے سے محفوظ رہنے کی۔

غرض جب حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھا کہ اس میں کوئی شرط نہیں۔ تو آئے اور آکر اسلام قبول کرلیا۔

یہ وحشی کون ہیں؟ ایک عورت کے غلام تھے۔ اس عورت کے بڑوں کو غزوۂ بدر میں قتل کیا گیا تھا۔ اس عورت نے خنجر زہر میں بجھا کر ان حضرت وحشی کو دیا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کردو۔ ان کا جگر نکال کر لادو اور میرے پاس کان ناک کاٹ کر لادو۔ یہ گئے اُحد کے موقع پر اور ایک پتھر کے پیچھے چھپ گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دشمن پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے ان کی فوج میں گھستے چلے گئے۔ لوگ ہٹتے گئے جیسے بھاگتے گئے۔ اس طریقہ پر فوج ہٹتی گئی۔ پھر جب وہاں سے واپس ہو رہے تھے دیکھا کوئی غلام بیٹھا ہے پتھر کے پیچھے۔ ان کی عادت نہیں تھی غلام پر حملہ کرنے کی۔ غلام کمزور ہوتا ہے اس کے اوپر کیا حملہ کریں۔ وہ تو حملہ کے لئے بہادر کو اپنے مقابل کے لئے تلاش کیا کرتے تھے کہ کوئی میرے برابر والا آئے تو اس پر حملہ کردوں۔ انھوں نے اس غلام کو کچھ نہیں کہا۔ ان کے گھوڑے کا پیر پھسلا۔ یہ گرے۔ گھوڑا بھی گرا۔ پس وہ غلام جلدی سے اُٹھ گیا۔ خنجر تھا ہی اس کے پاس۔ تو اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو خنجر مارا۔ وہ گر گئے۔ اور ایسی بے دردی سے سینہ پر خنجر مارا۔ پیٹ کو چاک کرکے پاخانہ کے مقام تک لے گئے۔ چاک کیا لاش کو۔ دل نکالا، جگر نکالا۔ کان کاٹے، ہونٹ کاٹے اور لے کر گئے اس عورت کے پاس۔

اس عورت نے دل اور جگر کو دانتوں سے چبایا۔ کان اور ہونٹوں کو تاگے سے باندھ کر ہار بنا کر گلے میں ڈال کر اچھلتی کودتی تھی کہ میں نے آج بدلہ لے لیا۔ یہ حضرت وحشی رضؓ وہ تھے جنھوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، کے ساتھ ایسا معاملہ کیا۔ جب یہ آکر مسلمان ہوگئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو یاد آیا۔ فرمایا تم ہی ہو جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، کو اس طرح قتل کیا تھا، دل جگر نکالا تھا۔ کہا حضور! آپ تک جو بات پہنچی ہے صحیح ہے۔ انکار نہیں کیا کہ میں نے ایسا نہیں کیا۔ آپ کا غم تازہ ہوا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کے دودھ شریک بھائی (رضاعی بھائی) بھی تھے اور چچا بھی تھے۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اسلام میں وہ سب سے بڑے شہسوار بھی تھے۔ بہت بڑے بہادر بھی تھے۔ اور ایسے بہادر تھے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اسلام لے آئے اس وقت تک مسلمان ایک مکان (دارارقم) میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم بھی اور آپ کے ساتھی بھی۔ ہمت اتنی نہ ہوتی تھی کہ باہر آکر مسجد میں نماز پڑھیں۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ، غصّہ میں بھرے ہوئے آئے اس نیت سے کہ (العیاذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو شہید کردیں گے۔ تلوار لئے ہوئے گئے۔ کواڑ کی (دروازوں کے) سوراخوں میں سے مسلمانوں نے دیکھ کر کہا کہ عمر رضؓ آرہے ہیں۔ عمر آرہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بُرا ارادہ ہے۔ سب گھبرا گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، نے کہا کہ آنے دو۔ کچھ مُضائقہ نہیں۔ اگر اچھی نیّت سے آرہے ہیں تو اچھا ہے۔ سر آنکھوں پر۔ اور اگر خراب نیت سے آرہے ہیں تو ان ہی کی تلوار ہوگی اور ان ہی کی گردن۔ میں ان کی گردن اُڑا دوں گا۔ اتنے بہادر تھے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کی گردن اُڑانے کے لئے تیار ہو گئے۔ جبکہ ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر پا رہا تھا۔ بہرحال حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، کے ساتھ

خصوصیات بھی تھیں۔ ان کو اس طرح سے زخمی کیا تھا، قتل کیا تھا، لاش کی بے حرمتی کی تھی، تو سب قصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد آگیا۔ غم تازہ ہوگیا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا۔ جب غم تازہ ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال آگیا کہ جب جب یہ سامنے آئیں گے جب ہی غم تازہ ہوگا اور یہ فیضِ نبوت سے محروم رہیں گے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

هَلْ تَسْتَطِيعُ اَنْ تَغِيْبَ وَجْهَكَ عَنِّيْ۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تم اپنا چہرہ میرے سامنے نہ کرو۔

عرض کیا۔ جی ہاں۔ یہ کہہ کر اُٹھ کر چلے گئے۔ اور ساری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر نہ ہوئے۔ اس خیال سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میری صورت سے اذیت ہوتی ہے یہ اتباع ہے۔ یہ نہیں کہا انھوں نے کہ حضور! میں تو حاضر ہوں گا۔ حضور! جس طرح سے ہو سکے معاف فرما دیں۔ میں تو حاضر ہو جاؤں گا۔ نہیں۔ ایسا نہیں کیا، بلکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا منشا یہ تھا کہ سامنے نہ آئے تو بہت اچھا۔ اس میں بھی ان کی خیر خواہی مد نظر تھی۔ وہ یہ کہ فیضِ نبوت دور اور نزدیک سب کو پہنچتا ہے بشرطیکہ کسی طرف سے دل میں کدورت نہ ہو۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے مخلص صحابہ تھے، کے متعلق منافقین شکایات حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آتے تھے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ میرے صحابہ کی شکایتیں میرے پاس مت لاؤ۔ میں چاہتا ہوں کہ جب اپنے صحابہ کے پاس آؤں تو نہایت ہی سلیم الصدر ہو کر آؤں۔ کہ میرے سینے میں کسی کی طرف سے کدورت اور میل کچیل نہ ہو۔ سب کی طرف سے سینہ صاف ہو کر سینہ صاف ہوگا تو نبوت کا فیض صاف پہنچے گا۔ اور اگر سینہ صاف نہیں ہے تو فیض صاف نہیں پہنچتا۔ اس میں کدورت

رہتی ہے۔ اس واسطے ان (وحشی رضؓ) کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی خیر خواہی کی اور انھوں نے اعلیٰ درجے کے اتباع کا ثبوت دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چلے جاؤ تو وہ چلے گئے۔ اور ساری زندگی بھر ان کے سامنے نہ آئے، اور ساری زندگی ملک شام میں جاکر گذاری۔ مدینہ طیبہ میں بھی نہیں رہے کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں راستے میں آتے جاتے سامنا ہو جائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گرانی ہو۔ اس لئے وہاں سے نہیں گذرے اور پھر اس فکر میں رہے کہ اسلام کے ایک بہت بڑے جانباز کو انھوں نے شہید کیا ہے۔ اس کے بدلے میں کسی کافر کو اسی طریقہ پر ماریں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، خلیفہ ہوئے تو مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تو خاتم النبیین تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کا دعویٰ نبوت کرنا کہاں جائز تھا۔ اس لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے ان سے قتال کیا۔ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، کو سپہ سالار بناکر بھیجا۔ اس وقت یہ حضرت وحشی رضؓ آئے۔ انھوں نے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا۔ چنانچہ جب لوگ ان سے کہتے تھے کہ اَنْتَ قَاتِلُ حَمْزَۃَ۔ کہ اے حضرت وحشی رضؓ تم تو حضرت حمزہ رضؓ کے قاتل ہو، تم وہی ہو ناجس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، کو قتل کیا تھا۔ تو یہ کہتے تھے کہ ہاں اور میں تو مسیلمہ کذاب کا بھی قاتل ہوں۔ تِلْكَ بِتِلْكَ۔ اس کا کفارہ تو میں نے اس طرح ادا کر دیا۔

یہ تو حضرت وحشی رضؓ تھے جن کے ساتھ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ معاملہ فرمایا۔ اس میں دو سبق ملتے ہیں، ہمیں۔ ایک قلب میں دل آزار چیز سے گرانی پیدا ہونا۔ یہ سُنّت کے خلاف نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں گرانی پیدا ہوئی، چچا کے قتل کی وجہ سے اور اس کی گرانی کا علاج یہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا، اس پر حضرت وحشی رضؓ کا اتباع کرنا، بات کو مان لینا،

اس طرح فرمایا کہ بہت اچھا اور ساری زندگی بھر سامنے نہیں آئے۔ کون مسلمان ایسا ہے کہ جس کے اندر ایمان ہو اور اس کا جی نہ چاہتا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے ان بھائیوں کو دیکھوں کہ ایک وقت ایسا آئے گا آدمی یہ تمنا کرے گا کہ میرا مال روپیہ سارا ہی لے لیا جائے اور مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے۔ لوگ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے خواب میں بھی متمنی رہتے ہیں کہ کسی طرح زیارت نصیب ہو جائے۔ اور وہ بیداری میں ساری عمر سامنے نہیں آئے۔ یہ ہے اتباع۔

اتباع۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جس چیز کو فرمائیں اس کا اتباع کرنا چاہیے۔ اپنی طرف سے کوئی دلیل اس کے اندر نکالنا ٹھیک نہیں۔ رائے زنی کرنا ٹھیک نہیں ہے

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا۔ یمن کے دو ڈویژن تھے۔ ایک ڈویژن پر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، کو بھیجا تھا اور ایک ڈویژن پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، کو بھیجا تھا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، کو جو بھیجا تو اس طرح سے کہ ان کو سوار کرایا۔ وہ اونٹ پر سوار ہوئے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ اور نصیحتیں کرتے جا رہے تھے کہ کیا کرنا ہے، کس طرح کرنا ہے؟ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، کے دل پر کس قدر بوجھ ہوا ہوگا کہ وہ تو اونٹ پر سوار اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ساتھ ساتھ پیدل چل رہے ہیں۔ انھوں نے کچھ نہیں کہا کہ جس طرح سے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا منشاء تھا، اسی طرح سے عمل کیا۔ یہاں تک کہ جب نصیحتیں پوری ہو گئیں اور واپسی کا ارادہ فرمایا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے معاذ! اب تم

جب آؤگے یمن سے، شاید تمہارا گذر میری قبر پر کو ہو۔ یعنی ملاقات نہ ہو سکے۔ بس تو انھوں نے سوچا کہ اب تو یہ آخری دیدار ہے۔ اس کے بعد دیدار نہیں ہوگا۔ ان کا دل بھر آیا۔ آنکھیں ٹپک پڑیں، آنسو جاری ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر سے منہ پھیر لیا اور مدینہ طیبہ کی طرف منہ کر لیا واپسی کے لئے اور حضرت معاذ رضہ سے فرمایا۔ دیکھو! میرے دوست اور میرے محبوب وہ ہیں جو تقویٰ اختیار کریں۔ اَیْنَ کَانُوْا مَنْ کَانُوْا۔ کوئی ہو کہیں بھی ہو، دور نزدیک۔ جو بھی ہوں گے تقویٰ اختیار کریں گے وہ میرے دوستوں میں ہوں گے۔

کوئی شخص جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرنا چاہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں محبوب بننا چاہے، حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا دوست بننا چاہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کرے۔ تقویٰ کیا چیز ہے؟ اللہ اور اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچنا، جن چیزوں کو اللہ نے منع فرما دیا، اللہ کے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔ ان چیزوں سے محفوظ رہنا اور دُور رہنا۔ یہ ہے تقویٰ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، سے ایک صحابی نے دریافت فرمایا کہ بھائی تقویٰ کیا چیز ہے؟ جس کا قرآن پاک میں بار بار تذکرہ آیا ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ کبھی کٹیلے راستے پر سے چلے ہو، جہاں جھاڑ جھنکاڑ ہوں۔ ایسے راستے پر چلے ہو، وہاں کیسے چلا کرتے ہیں کہ کپڑوں کو اور اپنے بدن کو بچا کر چلا کرتے ہیں کہ ادھر سے کانٹا نہ چبھ جائے، ادھر سے کپڑا نہ اٹک جائے۔ ادھر سے پیر نہ چبھ جائے۔ کہا بس تقویٰ یہی چیز ہے کہ زندگی ایسے طریقے پر گذارے آدمی جیسے خاردار راستہ میں وہ جا رہا ہے۔ چلتے چلتے سامنے دیکھا عورتیں بے پردہ چلی جا رہی ہیں آنکھیں نیچی کر لیں۔ کان میں آواز آئی غلط قسم کی، گانے بجانے کی، ادھر متوجہ نہ ہو۔

کوئی شخص بیہودہ باتیں کرتا ہے، گالیاں دیتا ہے، بُرے الفاظ بکتا ہے، اس کے جواب میں زبان کی حفاظت کرے، کچھ نہ کہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے جو اعضاء عطا فرمائے ہیں، دل ہے، دماغ ہے، آنکھ ہے کان ہے پیر ہے ہاتھ ہے پیٹ ہے شرمگاہ ہے۔ ان سب چیزوں کی حفاظت کرنا ضروری ہے، خدا کے قانون کے خلاف کوئی چیز نہ ہو۔ یہ ہے تقویٰ۔

لہٰذا اس طریقہ پر آدمی تقویٰ اختیار کرے۔ یہ طریقہ بتا دیا ہے۔ اور وہ یہی ہے کہ جو معلوم ہو جائے کہ منشاءِ نبوی یہ ہے، بس اس سے گریز نہ کرے۔ اس کا خیال کرے۔

ہمارے بزرگوں میں خاص طور پر یہی چیز تھی۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا حال یہ تھا کہ جمعہ کے دن کپڑے بدلے، جو کپڑے بدن سے اُتارے وہ بھی میلے نہیں۔ وہ بھی صاف سُتھرے ہی ہیں ان کو پوٹلی بناکر باندھ کر رکھ دیا۔ ان کے حجرے میں ایک کھونٹی دیوار میں گڑی تھی، اس پر ٹانگ دیتے (لٹکا دیتے) تھے۔ ایک شخص کو دیا کہ اس کو کھونٹی پر ٹانگ دو۔ وہاں حجرے میں ایک تپائی بھی رکھی ہوتی تھی، کبھی اس تپائی پر کتاب رکھی ہوتی تھی۔ فرمایا دیکھو۔ تپائی پر دیکھو کہ اس پر کوئی کتاب نہ ہو۔ اگر اس تپائی پر کوئی کتاب ہو تو یہ میلے کپڑے کھونٹی پر نہیں لٹکانا، نیچے رکھنا۔ یعنی اس کے بھی روادار نہیں تھے کہ میلے کپڑے اوپر ٹانگ دیئے جائیں اور کتاب نیچے رہے۔ بہت احتیاط برتتے تھے۔ ایک ایک چیز میں اتنا ادب تھا۔ اتنی اتنی باتوں کی یہ حضرات رعایت رکھتے تھے۔ اتباعِ شریعت اتباعِ سنت کرتے تھے۔

ایک شخص حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے۔ انھوں نے خود مجھ سے بیان کیا کہ میں ان کی خدمت میں گیا۔ جب وہاں سے واپسی کا

وقت آیا۔ حضرت سبق پڑھانے بیٹھ گئے بخاری شریف کا۔ میں نے مصافحہ کیا اور کہا کہ مجھے ذرا مشورہ بھی کرنا ہے۔ حضرت فوراً اس جگہ سے الگ ہو گئے۔ الگ آکر کھڑے ہوئے کہ کہو کیا مشورہ ہے؟ میں نے کہا کہ حضرت ایک منٹ کی بات ہے وہیں بیٹھ کر سُن لیتے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ یہ دری (چٹائی) ہمیں مدرسے نے اس واسطے دی ہے کہ ہم اس پر بیٹھ کر سبق پڑھائیں حدیث شریف کا۔ اس واسطے نہیں دی کہ دوستوں سے مشورہ کریں۔ بس جو چیز جس کام کے لیے دی گئی اس کو اسی کام میں استعمال کرنا چاہیے۔ اسکے خلاف نہیں۔

اتنا لحاظ رکھتے تھے یہ حضرات ایک ایک چیز کا۔ پورا پورا خیال رکھتے تھے کہ کہیں غلط استعمال نہ ہو۔

حالت یہ تھی کہ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے روضۂ اقدس کے پاس۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو تراویح میں قرآن شریف سُنایا اور ادب کا اتنا خیال فرماتے تھے کہ جب صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے لیے حاضر ہوتے تھے، تو سارا بدن کانپتا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے تھے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ روضہ اقدس کے سامنے ایک گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ کھڑے ہوتے تھے گردن جھکائے ہوئے خاموشی کے ساتھ، ادب کے ساتھ۔ جو ساتھی ہوتے وہ تھک جاتے۔ اِدھر اُدھر بیٹھ جاتے۔ وہیں مدینہ طیبہ میں حضرت سبق پڑھا رہے ہیں۔ مسئلہ آیا حیاتُ النبی ص کا کہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم اپنی قبرِ مبارک میں زندہ ہیں حیات ہیں۔ طلبہ نے اس کے اوپر اعتراض کیا۔ مولانا نے اس کا جواب دیا۔ پھر اعتراض ہوا پھر جواب دیا۔ پھر مولانا نے ایک دم سے دیکھا روضہ اقدس کی طرف سر اُٹھا کر۔ طلبہ نے سوچا کیا بات ہے؟

گیا دیکھ رہے ہیں، سارے طالب علموں نے دیکھا ادھر کو، تو روضۂ اقدس کی عمارت نہیں اس جگہ پر۔ وہاں جگہ صاف ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں وہاں۔ اس کے بعد کتاب کی طرف نظر کی پڑھانے کے لئے۔ پھر طلباء نے دیکھا اس طرف (روضہ اقدس کی طرف) تو وہی عمارت موجود۔ یہ ان حضرات کے حالات ہیں۔

ایک ایک چیز کی یہ حضرات رعایت کرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے خلاف ہو جائے۔

مسلمان اپنے آپ کو اُمتی کہلاتا ہے کہ ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں۔ کہاں کے اُمتی۔ گنہگار بھی ہیں اور اُمتی بھی۔ امتی کی زندگی کا منشاء یہ ہونا چاہیئے کہ ہمارا کوئی کام حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی منشا کے خلاف نہ ہو۔ اس کی ضرورت ہے۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے سود دینے کو سود لینے کو۔ فرمایا سود دینے والے پر بھی لعنت، سود لینے والے پر بھی لعنت، سود کھانے والے پر بھی لعنت، سود کا رقعہ لکھنے والے پر بھی لعنت، سود کی گواہی دینے والے پر بھی لعنت۔ مسلمان کا کام یہ ہے کہ سود کے پاس بھی نہ جائے۔ اسی طرح پر جھوٹ بولنے سے منع فرمایا ہے۔ جھوٹ بولنے سے ایسی بدبو آتی ہے کہ فرشتہ اس سے میلوں دُور بھاگتا ہے۔

وعدہ خلافی سے بھی منع فرمایا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو وعدہ کرتا ہے اور اس کی نیت یہ ہو کہ وعدہ خلافی کروں گا وہ منافق ہے۔ نفاق کی علامت اس میں ہے۔ لہٰذا مسلمان کی زندگی اوروں کی طرح سے نہیں ہونی چاہیئے کہ مسلمان یہ سوچے کہ جھوٹ بولنے سے تجارت میں ترقی ہوگی۔ سود لینے سے تجارت میں ترقی ملے گی۔ فلاں فلاں قوم نے تجارت کی۔ فلاں فلاں قوم کے پاس مال و دولت زیادہ ہے۔ ان کے پاس

حکومت ہے، ان کے پاس سازوسامان ہے۔ مسلمان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ مسلمانوں کو ان کی حرص نہیں کرنی چاہیئے۔ مسلمانوں کو اگر حرص کرنی ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کیسی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کیسی تھی، ان کی حرص ان کا اتباع کرنا چاہیئے۔ جس چیز کو دیکھے مسلمان عبرت کی نگاہ سے دیکھے۔ شکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے انسان بنایا۔ سانپ کو دیکھے تو شکر کرے کہ اے اللہ تو نے مجھے انسان بنایا، سانپ نہیں بنایا۔ جو شخص سانپ کو دیکھتا ہے وہ اس کو مارتا ہے، کیونکہ وہ اس کو کاٹتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تم دُنیا میں کسی کو دیکھو تو اس کو جو تم سے گرا ہوا آدمی ہے اس کو دیکھو۔ تمہارے پاس کپڑا نہیں، کھانے کو نہیں، رہنے کے لیئے مکان نہیں، دکان نہیں۔ لہٰذا جو تم سے گیا گزرا ہے اس کو دیکھو۔ اس کو دیکھ کر سوچو کہ یہ بھی دُنیا میں بستا ہے، ان کے پاس کچھ نہیں میرے پاس بہت کچھ موجود ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں دُنیا کی مصیبتوں سے کبھی تنگ نہیں آیا۔ صرف ایک مرتبہ کہ میرے پیروں میں جوتا نہیں تھا، ننگے پیر جا رہا تھا۔ میں بازار کو جا رہا تھا وہاں ایک آدمی کو دیکھا اس کے پیر ہی نہیں۔ شکر کیا کہ اے اللہ میرے پاس پیر تو ہے اس کے پاس پیر بھی نہیں۔

میں نے خود دیکھا مکہ مکرمہ میں ایک شخص کو طواف کرتے ہوئے کہ لیٹا ہوا ہے کپڑے سے اس کو باندھ رکھا ہے طواف کرتا تھا اور کروٹیں بدل بدل کر طواف کرتا تھا۔ یہ کیفیت تھی۔ لہٰذا جب دُنیا کے اعتبار سے دیکھو تو ہمیشہ اپنے سے کمزور آدمیوں کو دیکھو۔ کسی کے پاس رہنے کو گھر نہیں، کسی کے پاس پہننے کو کپڑا نہیں۔ کوئی دکان کے تختے پر لیٹا ہوا ہے۔ کسی کے ہاں کھانا نہیں، بھیک مانگتا پھرتا ہے،

کسی کی صحت ٹھیک نہیں۔ چلنے پھرنے سے عاجز قاصر، کسی کے چہرے پر آنکھیں نہیں، کسی کے سُننے کے لیے کان نہیں، بولنے کے لیے کسی کے پاس زبان نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ایسی ایسی مخلوق موجود ہے۔ ہمیشہ اسی مخلوق کو دیکھنا چاہیے۔ یہ نہیں دیکھنا چاہئے کہ فلاں کے پاس اچھی بلڈنگ ہے میرے پاس نہیں۔ فلاں کے پاس گاڑی ہے میرے پاس نہیں۔

اور دین کے اعتبار سے ہمیشہ اپنے سے بڑوں کو دیکھنا چاہیے کہ وہ بھی تو ہمارے جیسے آدمی ہیں، کتنی عبادت کرتے ہیں، کتنے اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ روزانہ ایک ختم قرآن پاک کرتے ہیں۔

خلیفہ ہارون رشید بادشاہ تھے۔ بہت بڑی حیثیت کے آدمی تھے۔ پانچسو نفلیں روزانہ پڑھتے تھے۔ وہ بھی تو انسان تھے، ہمارے جیسے انسان تھے۔ یہی ہاتھ پیر یہی ناک کان۔ ایسے نہیں کہ دو ناک ہوں چار کان ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن شریف پڑھا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جب بیتُ اللہ شریف گئے وہاں کھڑے ہو کر نماز کی نیت باندھی، دو رکعت میں پورا قرآن شریف پڑھا۔ وہ بھی تو آدمی ہیں۔ کتنے لوگ ایسے ہیں کہ کھانے کو نہیں ملا تو پیٹ پر پتھر باندھے۔

خود نبیِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا حال یہی تھا کہ صبح نماز کے بعد اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔ پوچھا کچھ کھانے کو ہے؟ معلوم ہوا کہ نہیں ہے۔ تو کہا اچھا میرا روزہ۔ روزہ رکھ لیا۔ پیٹ پر پتھر باندھتے تھے۔

ایک دفعہ سخت ترین گرمی کا زمانہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک صحابی حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس گرمی میں کیوں آئے۔ کیا ضرورت پیش آئی؟ کہا۔ حضرت! بھوک بہت لگ رہی ہے۔

بے تاب تھا۔ میں اس واسطے حاضر ہوا کہ آپ کی صورتِ مبارک کو دیکھ کر قلب کو سکون و اطمینان حاصل کروں۔

ایک دوسرے شخص آئے۔ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا تم کیسے آگئے؟ انھوں نے جواب دیا کچھ کھانے کو نہیں ہے اس لیے آیا کہ شاید آپ کے پاس کھانے کو کوئی چیز مل جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا بینکما کما بَیْنَ جَوَابَیْکُمَا۔ تم دونوں میں ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ تمہارے جوابوں کا۔ ایک کا جواب ہے کہ آپ کی صورتِ مبارک کو دیکھ کر اطمینان ہو جائے۔ دوسرے کا جواب ہے کہ کھانے کو کچھ مل جائے۔

یہ تینوں (دونوں صحابی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم) گئے ایک انصاری کے پاس باغ میں۔ کھجوروں کے پکنے کا زمانہ تھا۔ ایسے موسم میں وہ لوگ اپنے بیوی بچوں کو بھی باغ میں لے جایا کرتے تھے۔ بوریا کھڑا کرکے ایک مکان کی شکل بنا یا تھا۔ ان کے بال بچے بھی وہاں تھے۔ وہاں پہونچے تو معلوم ہوا کہ انصاری باغ میں موجود نہیں ہیں۔ کہیں سے ٹھنڈا پانی لینے کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ میٹھا ٹھنڈا پانی کہیں فاصلے پر تھا۔ وہ پانی لینے کے لیے گئے۔ یہ حضرات جا کے کہیں درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں وہ انصاری صحابی آگئے۔ انھوں نے کہا۔ اوہو دو جہاں کے سردار میرے باغ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ کتنی خوش قسمتی ہے یہ میری۔ وہیں سے ایک بانس اُٹھایا اس سے کھجوروں کا ایک گچھا توڑا اور لا کر ان کے سامنے رکھ دیا۔ اس میں بعض کھجوریں بالکل پکی تھیں اور بعض کچھ کچی اور کچھ پکی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ یہ کچھ کچی پکی کیوں توڑ لائے۔ جو بالکل پکی تھی وہ لاتے۔ انھوں نے کہا کہ حضور! بعض کو یہ پسند ہے اور بعض کو وہ پسند۔ جونسی پسند ہو وہ کھالیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے ساتھیوں نے

کھجوریں کھائیں اور پانی پیا۔ اس کے بعد فرمایا:

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ۔ قیامت میں نعمتوں کا سوال بھی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ دریافت فرمائیں گے، ہمارے پیدا کئے ہوئے درختوں کے سائے میں تم بیٹھ گئے۔ ہمارے پیدا کئے ہوئے درختوں کی کھجوریں کھائیں۔ ہمارا پیدا کیا ہوا ٹھنڈا پانی بھی پیا۔ کیا نیک عمل کر کے لائے۔ ہم سوچیں کتنے اچھے اچھے کپڑے پہنے، کتنے اچھے اچھے مکانات میں رہتے ہیں۔ کیسا ٹھنڈا پانی پیتے ہیں، کئی کئی قسم کا کھانا کھاتے ہیں۔ کبھی خیال بھی آتا ہے کہ حساب بھی دینا ہے اللہ کے یہاں۔ کیسی غلط زندگی گذر رہی ہے۔ ہمیں اپنی زندگی پر غور کرنا چاہیے۔ نظر کرنی چاہیے کہ کس کام کے لئے دنیا میں ہم بھیجے گئے ہیں۔ اس کام میں لگیں۔ آج مسلمان سارے کام اور ساری ترقیات کے باوجود مطمئن نہیں۔ اس کے قلب کو سکون واطمینان نہیں۔ اس کشمیر کے علاقے میں آنے پر اتنے لوگوں نے آکر بیان کیا کہ ہمیں سکون نہیں، پریشانی ہی پریشانی ہے۔ ہم کو یاد بھی نہ رہا کہ کتنوں نے بیان کیا۔

اور سکون ہم نے کس چیز میں سمجھ رکھا ہے، غلط جگہوں میں سمجھ رکھا ہے۔ آپ بتائیے کہ آپ کو پیاس لگ رہی ہے۔ کیا اس مائیک سے پانی لیں گے۔ کرسی سے پانی لیں گے۔ دیوار سے پانی لیں گے۔ نہیں پانی اپنی جگہ پر ملے گا۔ نل میں ملے گا۔ دریا میں ملے گا۔ کنویں میں ملے گا۔ ہر چیز اپنی جگہ پر ملتی ہے۔ نمک کی ضرورت ہو تو نمک مائیک سے کرسی سے دیوار سے نہیں ملے گا۔ نمک اپنی جگہ سے ملے گا۔

اسی طرح سے آج مسلمان اطمینان کو تلاش کر رہا ہے بے جگہ۔ جہاں اس کی جگہ نہیں۔ یوں سمجھتا ہے کہ مجھے گاڑی مل جائے تو اطمینان ملے گا۔ مجھے میری پریشانی دور ہو جائیگی خدا جانے کتنے روپے اُدھار بنک سے لئے۔ سود کا معاملہ کیا۔ کس کس طرح سے کوشش کرکے گاڑی حاصل کی۔ گاڑی بھی حاصل کی تو کیا اطمینان ملا۔ ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ گاڑی بھی گئی۔

ڈرائیور بھی گیا خود بھی گیا۔ اس میں کہاں اطمینان رکھا ہے۔

کوئی شخص سمجھتا ہے کہ مجھے ریل گاڑی مل جائے تو مجھے اطمینان مل جائے گا۔ ریل گاڑی کی ٹکر ہو جائے تو سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کی ہلاکت کا باعث بن جائے۔ کوئی سمجھتا ہے کہ مجھے ہوائی جہاز مل جائے اس سے بہت آمدنی ہو گی لیکن ایک ٹکرے ہوائی جہاز نیچے گر پڑتا ہے تو سب ہلاک ہوتے ہیں۔ غرض انسان بے جگہ اطمینان تلاش کرتا ہے وہاں اطمینان نہیں ہے۔ کوئی سمجھتا ہے مجھے وزارت مل جائے میں وزیر اعظم بن جاؤں گا تو اطمینان ہو جائے گا۔ کیا وزیر اعظم ہونے سے اطمینان ہوتا ہے۔ کتنے وزیر اعظموں کو دیکھا کہ ان کا کیا حلیہ بنا۔ کس کس طرح سے ان کو ختم کیا گیا۔ کوئی سمجھتا ہے کہ مجھے روپیہ مل جائے، نوٹوں کی گڈی مل جائے مجھے اطمینان ہو جائے گا۔ اگر نوٹوں کی گڈی پر ایک دیمک کا کیڑا مسلط ہو جائے تو سارے نوٹوں کو کھا کے ختم کر دے گا۔ کیا وہ بھی اطمینان ہے جو ذرا سے کیڑے سے ختم ہو جائے گا۔ اطمینان ان جگہوں میں کہاں ہے۔ یہاں اطمینان مسلمان بے جا تلاش کر رہا ہے۔

اطمینان ہے تو اللہ کے ذکر میں ہے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اللہ کے تعلق میں اطمینان ہے۔ اللہ کے ساتھ جتنا تعلق ہو گا اسی قدر اطمینان حاصل ہو گا۔ آدمی یہ سمجھے گا کہ کہیں سے مجھے کچھ ملے یا نہ ملے۔ میرا رزاق حق تعالیٰ ہے۔ کسی پر میرا دارومدار نہیں ہے۔ ایک شخص ملازمت کرتا ہے اور رات دن فکر رہتی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے میرا افسر ناراض ہو۔ مجھے رد کر دیں تو کیا ہو گا۔ کہیں میری روزی اس پر موقوف ہے۔ روزی دینے والا حق تعالیٰ ہے۔ یہ دروازہ بند ہو جائے گا تو دوسرا دروازہ حق تعالیٰ کھولے گا۔ اور ان کے خزانے میں کمی نہیں آئے گی۔ اسی طریقے پر رات دن قسم قسم کے اوہام اور وساوس میں مبتلا ہے۔ یہ ہو جائیگا وہ ہو جائیگا

ہو جائیگا تو کیا ہو گا۔ لیکن اگر تعلق حق تعالیٰ کی ذات عالی کے ساتھ ہو تو سمجھے گا کہ میری حفاظت کرنے والا وہ ہے۔ نہ مجھے کوئی بندوق مار سکتی ہے نہ توپ مار سکتی ہے نہ بم کا گولہ ختم کر سکتا ہے۔ میری حفاظت کرنیوالا اللہ تعالیٰ ہے۔

چور مال لے جائے، دوکان خراب ہو جائے، بنک فیل ہو جائے تو کیا ہوا میرا تعلق حق تعالیٰ سے ہے اس کے خزانے میں کمی نہیں آتی اسکے خزانے میں جو کل تھا وہی موجود ہے۔

ایک بزرگ کے پاس آکر ان کے خادم نے عرض کیا کہ حضرت! فلاں بادشاہ نے جو آپ کے پاس ایک موتی یا ہیرا بھیجا تھا۔ ایسا قیمتی۔ وہ کھو گیا۔ انھوں نے ذرا آنکھ بند کی۔ گردن جھکائی اور کہا الحمدللہ۔ لیکن خادم تلاش کرنے میں لگ گئے۔ تلاش کرتے کرتے مل گیا۔ پھر خادم نے آکر عرض کیا کہ حضرت وہ ہیرا مل گیا۔ حضرت نے آنکھ بند کی۔ گردن جھکائی تو فرمایا الحمدللہ۔ کسی نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ تو فرمایا کہ جب آپنے خبر دی کہ موتی کھو گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ میرا اطمینان تو نہیں کھو گیا۔ میرے قلب میں تو کوئی پریشانی نہیں۔ دیکھا تو میرے قلب کا اطمینان بالکل اسی طرح سے ہے۔ تو میں نے کہا الحمدللہ۔ پھر جب خبر دی کہ پا گیا تو دیکھا کہ میرے دل کو کچھ خوشی تو نہ ہوئی۔ تو دیکھا کہ کوئی خوشی نہیں۔ بالکل اسی طرح مطمئن ہے۔ اس پر کہا الحمدللہ کہ میرے قلب کا اس کے وجود سے کچھ تعلق نہیں۔ ہو تو خوشی نہیں چلا جائے تو کوئی غم فکر نہیں۔ مسلمان کی زندگی کا حال یہی ہونا چاہیے۔

اس کی نظیریں صحابہ کرام کی زندگی میں کثرت سے ملیں گی۔ اللہ الصمد۔ صحابہ جیسا ایثار، صحابہ جیسی ہمدردی، صحابہ جیسی سخاوت کہاں کسی کو نصیب ہو گی، ان کو اپنے اللہ پر اتنا اعتماد تھا کہ دُنیا کی کسی چیز پر نہیں۔

ایک صاحب ہیں حضرت زرارہؓ بن ادنی۔ جہاد کرنے گئے۔ گھوڑے پر سوار

اور طریقہ جہاد اس زمانے میں یہ تھا کہ ادھر ایک لشکر پڑا ہوا اُدھر دشمن کا لشکر ہے درمیان میں میدان ہے ایک آدمی اِدھر سے مقابلہ کیلئے نکل آتا ہے ایک آدمی اس کے مقابلے میں اُدھر سے آتا ہے۔ یہ دونوں لڑتے ہیں ان میں ایک ختم ہو جائے تو پھر دوسرا آدمی آیا کرتا ہے۔ ادھر سے تیسرا اور چوتھا۔ یہاں تک کہ گھمسان کی لڑائی ہو جاتی۔ تو ان کو اپنے دشمن سے لڑتے لڑتے بہت دیر ہو گئی یہاں تک کہ گھوڑا بھی تھک گیا۔ تو قریب تھا کہ گھوڑا بیٹھ جائے۔ تو انھوں نے گھوڑے کی گردن کے بال پکڑ کر کہا۔ دیکھ اگر آج تو نے دغا دی تو کل قیامت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تیری شکایت کروں گا۔ بس ان کا یہ کہنا تھا کہ گھوڑے نے پھریری لی، ہنہنایا، انھوں نے یکدم جو حملہ کیا تو دشمن کو ختم کر دیا۔ تو گھوڑا بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نام سے اتنا متأثر ہوا۔ افسوس آج مسلمان متأثر نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کا اتباع نہیں کرتا۔ صورتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے خلاف ہیں، لباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے خلاف، رہنا سہنا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے خلاف۔ ہر چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے خلاف۔ اطمینان کا مرکز کیا ہے؟ اتباعِ سُنّت ہے۔ جس قدر اتباعِ سُنّت کیا جائے گا، اسی قدر اس کو اطمینان مل جائیگا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ کہنے والے کو بھی، سُننے والے کو بھی۔ آمین!

اعمالِ صالحہ میں حیات ہے

بتاریخ ۴ ذوالقعدہ ۱۴۱۲ھ بروز جمعرات

بمقام خانقاہ محمودیہ

ریٹ فینٹن، یامریج، ٹرانسوال، ساؤتھ افریقہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ وَاَنَّہٗٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ ○ وَاتَّقُوْا فِتْنَۃً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْکُمْ خَآصَّۃً ج وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ○

اس آیت شریفہ میں یہ ارشاد ہے کہ اے ایمان والو تم قبول کرو اللہ کی دعوت کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو اس چیز کے لئے جس میں تمہارے لئے حیات ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جس چیز کی طرف تم کو دعوت دے رہے ہیں بلا رہے ہیں۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کی طرف تم کو دعوت دے رہے ہیں بلا رہے ہیں اس کو قبول کرو۔ لبیک کہو۔ ان کی دعوت پر حاضر ہو جاؤ۔ لِمَا یُحْیِیْکُمْ ایسی چیز کی طرف دعوت ہے جس میں تمہارے لئے حیات ہے۔ تمہارے لئے زندگی ہے۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ حائل ہو جاتے ہیں آدمی اور اس کے دل کے درمیان اور اسی کی طرف تمہارا حشر ہوگا۔ اور ایسے فتنے سے ڈرو جو صرف

انہی لوگوں کو نہیں پہونچے گا جو تم سے خاص آدمی ہے بلکہ سب کو پہونچے گا۔ جنھوں نے تم میں سے ظلم کیا ہے خاص طور پر انہی کو فتنہ نہیں پہونچے گا بلکہ سب کو پہونچ جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔ اس آیت میں یہ خطاب ہے کہ اللہ نے جس چیز کی طرف تم کو بلایا ہے، دعوت دی ہے کہ اے ایمان والو! فلاں کام کرو۔ اے ایمان والو فلاں کام کرو۔ اس دعوت پر تم تیار ہو جاؤ۔ اس دعوت کو تم قبول کرو۔ اس پر عمل کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ اس چیز کو اختیار کر لو جس چیز کی طرف اللہ نے دعوت دی ہے اور اللہ کے رسول نے دعوت دی ہے۔ جس جس چیز کی بھی دعوت ہے سب کو اختیار کرو۔ قرآن کریم میں اور حدیث شریف میں کیا ہے۔ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کے ذریعہ سے عقائد کو پختہ کرنا ہے۔ اللہ صرف ایک ہے اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام کو بھیجا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرشتے ہیں۔ یہ تمام عالم کا نظام اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ روزی دینے والا صرف اللہ ہے۔ مدد کرنے والا صرف اللہ ہے۔ نفع اور نقصان سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ موت اور حیات کا مالک صرف اللہ ہے۔ یہ سب چیزیں یقین کے پختہ کرنے کے لئے ہیں۔ ان چیزوں پر لبیک کہو۔ ان چیزوں کو قبول کرو۔ تسلیم کر لو کہ ہاں واقعہ اسی طرح سے ہے۔ کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ اخلاق درست کرنے کے لئے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ میں ہمدردی کرو۔ حسد نہ کرو، تکبّر نہ کرو، سخاوت کرو، بخل نہ کرو، نرمی کرو، تشدّد نہ کرو۔ یہ اخلاق کی چیزیں ہیں۔ کچھ چیزیں اعمال سے متعلق ہیں۔ اعمال میں کچھ عبادات ہیں۔ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو، زکوٰۃ دو، حج کرو۔ اور کچھ چیزیں معاملات سے متعلق ہیں۔ نکاح کا طریقہ یہ ہے۔ طلاق کا طریقہ یہ ہے۔ کسی گھر میں بچہ پیدا ہو تو اس پر کیا کرنا چاہیے۔ کسی کے گھر میں موت واقع ہو تو کیا کرنا چاہیے۔ تجارت کا لین دین ہو تو اس طرح سے ہو۔ ملازمت ہو تو اس طرح سے ہو۔ یہ چیزیں ہیں۔ انہی سب چیزوں سے مل جل کر

حیات بنتی ہے۔ جس شخص کے اندر یہ سب چیزیں موجود ہیں۔ اللہ نے جس کو یہ سب چیزیں عطا فرمادیں تو اس کی زندگی اعلیٰ درجہ کی زندگی ہے۔ اور جس شخص کے اندر ان چیزوں میں سے جتنی کمی ہے اتنی ہی اس کی زندگی میں کمی ہے۔ ویسے تو زندہ رہنے کو کافر بھی زندہ ہیں دنیا میں۔ اور اونچی اونچی بلڈنگیں بناکر بہت بڑا کاروبار پھیلا کر زندہ ہیں۔ لیکن حقیقتاً زندگی وہ نہیں۔ زندگی وہ ہے جو مولیٰ جل شانہٗ کے ساتھ ہو۔ جس کا اس سے تعلق ہے اس کی زندگی زندگی ہے۔ جیسے شوہر کا تعلق ہوتا ہے۔ بیوی کا شوہر کے ساتھ تعلق ٹھیک نہیں ہے۔ شوہر اس سے ناخوش ہے۔ اور بیوی آزاد ہوگئی، نافرمان ہوکر اِدھر اُدھر ماری ماری پھرتی ہے چاہے اس کے پاس حسن و جمال بھی ہو، چاہے اس کے پاس مال دولت بھی ہو۔ لیکن شریف طبقہ یوں کہتا ہے کہ اس کی زندگی تباہ ہے۔ اس لئے کہ اصل زندگی شوہر کی اطاعت کے ساتھ ہے۔ شوہر کی محبت کے ساتھ ہے۔ جس عورت کا شوہر سے تعلق صحیح نہیں ہے۔ شوہر کو ناخوش کرکے ادھر ادھر ماری ماری پھرتی ہے۔ دوستوں میں آوارہ پھرتی ہے۔ کوئی شریف آدمی اس کو پسند نہیں کرتا۔ کہتا ہے کہ اس کی زندگی تباہ ہے برباد ہے۔ یہی حال ہے کہ مالکِ حقیقی کے ساتھ جس کا تعلق نہیں ہے اس کی اطاعت و فرماں برداری نہیں کرتا، اس کی زندگی، زندگی نہیں ہے۔ یہ تو موت ہے بلکہ موت سے بھی بدتر ہے۔ یہ تباہی کی چیز ہے۔ موت میں تو یہ ہوتا ہے کہ جب آدمی مرجائے تو اس کے بُرے اعمال نہیں لکھے جاتے۔ مصیبت ختم ہوئی بُری بات ختم ہوئی۔ لیکن جسکی زندگی خراب ہوجائے، اعمال بُرے ہوجائیں بداعمالیاں اس کی بڑھتی رہتی ہیں، اس کے جرائم بڑھتے رہتے ہیں۔ نہایت خطرناک چیز ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ لِمَا يُحْيِيكُمْ۔ جس چیز کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ تم کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں اس چیز

کو اختیار کرو تمہارے لئے حیات ہے. ایک شخص زندہ ہے. لیکن نہ اس کی آنکھ کام دیتی ہے، نہ کان کام دیتا ہے، نہ زبان کام دیتی ہے، نہ ہاتھ پیر کام دیتے ہیں. فالج پڑا ہوا ہے، پڑا ہے ایک جگہ. کیا اس کی زندگی، زندگی ہے. وہ تو سب کے اوپر بار ہے. رشتہ داروں پر بار ہے. سب پریشان ہیں. چاہتے ہیں کہ کسی طرح اس کا قصہ ختم ہو جائے. یہ مشکل آسان ہو جائے. جلدی سے جلدی یہ دُنیا سے اُٹھ جائے تو سب کو راحت ملے. اس کی آنکھ بھی موجود، کان بھی موجود، دیکھنے کو ساری چیزیں موجود ہیں لیکن کارآمد کوئی نہیں ہے ان میں سے. اسی طریقہ پر جو شخص اپنے مالک جل شانہ، کے ساتھ میں تعلق نہیں رکھتا، اس کے احکام کی پیروی نہیں کرتا. دیکھنے میں تو وہ کھاتا پیتا بھی ہے چلتا پھرتا بھی ہے سب کچھ کرتا ہے لیکن حقیقتاً اس کی زندگی، زندگی نہیں. اس لئے فرماتے ہیں لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ. ہمارے لئے حیات اس میں ہے. قرآن کریم میں ہے مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثیٰ وَھُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً. جو شخص تم میں سے نیک عمل کرتا ہے بحالتِ ایمان چاہے مرد ہو یا عورت ہو. اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم اس کو حیات عطا کرتے ہیں، حیوٰۃ طیبہ عطا کرتے ہیں. حیاتِ طیبہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ذریعہ سے ملتی ہے. جو حیات ایمان اور اعمالِ صالحہ کے بغیر ہے وہ حیات، حیات نہیں ہے. خدائے پاک نے جتنے احکام بھی مشروع فرمائے ہیں ان سب میں بندوں کے مصالح کو ملحوظ رکھا ہے. نیک عمل کرنے سے خدا کی خدائی میں کوئی ترقی نہیں ہوتی. بلکہ بندوں کی بندگی میں ترقی ہوتی ہے. اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہے سجدہ کرتا ہے، تو یہ احسان نہ رکھے کہ میں نے خدا کی عبادت کی. خدا پر کوئی احسان نہیں. اس نے سجدہ سامنے کرکے پیشانی زمین پر رکھ کر اپنا ایک مقام حق تعالیٰ کے یہاں پیدا کر لیا. اللہ کی اطاعت کرکے اس نے اپنا ایک

مقام بنالیا، درجہ حاصل کرلیا۔ اللہ کے یہاں اس کے واسطے ایک مقام بن گیا ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں۔ لِمَا یُحْیِیْکُمْ تمہارے لئے حیات ہے اس میں۔ اس لئے ایک عارف فرماتے ہیں ؎

من نہ کردم خلق تا سودے کنم　　بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

حق تعالیٰ کی طرف سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے مخلوق کو اس لئے پیدا نہیں کیا کہ ان سے کچھ نفع اُٹھاؤں بلکہ اس لئے کیا تا کہ ان کے اوپر بخشش کروں۔ جود کروں۔ کرم کی بارش برساؤں ان پر۔ بتائیے چاند سورج نہ ہوں تو اللہ کا کیا نقصان۔ آسمان زمین نہ ہو تو اللہ کا کیا نقصان۔ آدمی اور جانور نہ ہوں تو اللہ کا کیا نقصان۔ کچھ نہیں نقصان۔ اللہ کی ذات بے نیاز ہے، اس کو کسی کی حاجت نہیں۔ اس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا تا کہ اپنے کرم کی بارش برسائے۔ اپنی عنایات ان کو عطا فرمائے، اس لئے پیدا کیا ہے ان سب چیزوں کو، تو انسان اگر حق تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کرتا ہے، اس بندگی سے حق تعالیٰ کا نفع نہیں بلکہ بندہ کا نفع ہے۔ یہاں کی زندگی بھی اس کی عمدہ ہوگی اور قبر کی زندگی بھی عمدہ ہوگی۔ آخرت کی زندگی بھی عمدہ ہوگی۔ یہاں کی زندگی کا کیا ہوگا۔ جو فرشتے کراماً کاتبین نامۂ اعمال کو لکھنے والے ہیں وہ نیکیاں ہی نیکیاں لکھتے رہیں گے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نیک بندہ جس جگہ نماز پڑھتا ہے اور پھر اس کے بعد جب اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو وہ جگہ روتی ہے جہاں وہ نماز پڑھا کرتا تھا۔ جس دروازے سے آسمان پر اس کا عمل چڑھتا ہے جب یہ مرجاتا ہے تو آسمان روتا ہے کہ یہاں بندہ کا نیک عمل آیا کرتا تھا۔ اب آنا بند ہو گیا۔ تو آسمان اس کے اوپر روتا ہے زمین اس کے اوپر روتی ہے۔ چیونٹی اپنے سوراخ میں اس کے لئے دعا کرتی ہے۔ مچھلی پانی کے اندر اس کے لئے دعا کرتی ہے۔

اس کے واسطے سب کی طرف سے مبارکبادیاں ہوتی ہیں۔ نیک بندے کی برکت سے اللہ تبارک و تعالیٰ آس پاس کی مخلوق پر بھی رحمت کی بارش برساتے ہیں۔ فیض پہونچتا ہے۔ جانور بھی اس کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارانِ رحمت ہوتی ہے۔ غلّہ اُگتا ہے۔ قسم قسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اعمالِ صالحہ کی برکت سے ہوتا ہے۔ اس لئے خداوند تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا، اس کے فرمائے ہوئے عقائد کو اختیار کرنا، اس کے رسول ؐ کے بتائے ہوئے اخلاق پر عمل کرنا، یہ کیا ہے، یہ خود اس کے لئے بھی زندگی کا سامان ہے۔ جانوروں پر بھی رحمت ہے اور تمام مخلوقات پر اس کے ذریعہ سے رحمت ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ۔ اے ایمان والو! قبول کرو اس دعوت کو جو اللہ نے دی، اللہ کے رسول ؐ نے تم کو دعوت دی۔ دعوت کس چیز کی دی؟ ایسی چیز کی دی جس میں تمہارے لئے حیات اور زندگی ہے اس کو اختیار کرو۔ اور جس وقت میں نیک عمل کی خواہش پیدا ہو طبیعت میں اس کو ٹلاؤ نہیں کہ کل کریں گے۔ صبح کو نہیں شام کو کرلیں گے۔ شام کو نہیں کل کو کرلیں گے۔ ایسا مت کرو۔ اللہ تعالیٰ اگر نیک کام کی قلب میں خواہش پیدا فرمائے، تم اس کو ٹلاؤ نہیں۔ مؤخر مت کرو۔ یہ مت کہو کہ کل کرلیں گے کام سے فارغ ہوکر، جس وقت طبیعت میں داعیہ پیدا ہو اسی وقت میں اس نیک عمل کو جلدی سے جلدی کرنا چاہیئے۔ مثلاً طبیعت میں داعیہ پیدا ہوا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا چاہیئے۔ جیسے ہی داعیہ پیدا ہوا کہنا چاہیئے: اللّٰھمّ صلِّ علیٰ سیّدنا ومولانا محمد وعلیٰ آل سیّدنا ومولانا محمد وبارك وسلم۔ یہ نہ سوچے کہ دوکان سے اُٹھ کر پڑھیں گے۔ یہ نہ سوچے کہ مکان جاکر کریں گے۔

رات کو جب سونے کے لئے لیٹیں گے تب کرلیں گے۔ ایسا نہیں بلکہ جس وقت داعیہ پیدا ہو اُسی وقت میں کرلینا چاہیئے۔ ایسے ہی قرآن پاک کی تلاوت کا داعیہ پیدا ہوا کوشش کرنی چاہیئے کہ جلدی سے جلدی اس داعیہ کو پورا کرلیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قضائے حاجت کی۔ اور آپ کی عادت مبارکہ تھی باوضو رہنے کی، آپ نے تیمم کرلیا۔ کسی نے کہا حضور پانی تو وہاں قریب ہے۔ فرمایا کیا خبر وہاں تک پہونچ پاؤں یا نہ پہونچ پاؤں۔ تیمم کی پاکی حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئی، پانی یہاں نہیں دور ہے۔ اس لئے تیمم کرلیا۔ اسلئے کہ کیا خبر ہے وہاں تک پہونچنے کی۔ اس سے بتا دیا کہ وہاں تک پہونچتے پہونچتے درمیان میں کوئی رکاوٹ پیش آجائے۔ کیا خبر ہے موت آجائے۔ داعیہ پیدا ہوا تھا نیک کام کا۔ اس میں دیر نہیں کرنا چاہیئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر فرمایا یَا اَیُّھَا النَّاسُ اجْلِسُوا۔ اے لوگو! بیٹھ جاؤ۔ تو جو حضرات جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے۔ نبی کی آواز کان میں جہاں پڑی وہیں بیٹھ گئے۔ کوئی اِس کونے میں تھے کوئی اُس کونے میں ہیں۔ کوئی پہلی صف میں ہیں وہیں بیٹھ گئے۔ کوئی دوسری صف میں تھے وہیں بیٹھ گئے۔ کوئی تیسری صف میں تھے وہیں بیٹھ گئے۔ حتیٰ کہ ایک صحابی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہٗ باہر سے آرہے تھے وہ ابھی تک مسجد میں نہیں پہونچے تھے مسجد کے دروازہ سے باہر تھے ان کے کان میں بھی یہ آواز پہونچی اجلسوا بیٹھ جاؤ۔ وہ وہیں مسجد سے باہر ہی بیٹھ گئے۔ اس واسطے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ماننے میں جلدی کرنا چاہیئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی اُن پر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابن مسعود آگے آجاؤ۔ یہ آئے مسجد میں بیٹھ گئے۔ بظاہر تو یہ ہے

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا تھا کہ اے لوگو! بیٹھ جاؤ۔ یہ خطاب انہی لوگوں کو تھا جو مسجد میں تھے۔ اور مقصد یہ تھا کہ مسجد میں جو سامنے موجود ہیں بیٹھ جائیں۔ جیسے کہ وعظ کرنے سے پہلے کہا جاتا ہے۔ بھئی سب حضرات بیٹھ جائیں تشریف رکھیں وعظ ہوگا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ گئے۔ لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں سوچا کہ مسجد میں چل کے بیٹھنا چاہیئے۔ اسی واسطے جیسے ہی آواز کان میں پہونچی جلدی سے جلدی حکم کی تعمیل کی۔ ہو سکتا ہے کہ اُن کی طبیعت میں یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ اگر مسجد میں چل کے بیٹھوں اور اس سے پہلے پہلے موت آجائے فرشتۂ موت گردن دبالے آکر۔ اگر قیامت میں خداوند تعالیٰ کے یہاں سوال ہو کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز تمہارے کان میں پہونچی کہ بیٹھ جاؤ اور تم بیٹھے نہیں۔ تم نے یہ سوچا کہ مسجد میں جاکے بیٹھوں۔ کیا نبی نے یہ فرمایا تھا کہ مسجد میں جاکر بیٹھنا۔ اس واسطے چاہتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے جلدی سے جلدی تعمیلِ ارشاد کی جائے۔ فرمایا یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ۔ ہمیشہ یہ تصور رکھنا چاہیئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے جس ارشاد پر عمل کیا جائے۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جس حکم پر عمل کیا جاوے یہ حکم یہ ارشاد ہماری مصلحت کے لئے ہماری حیات کے لئے ہے۔ اِس سے ہماری دنیوی زندگی بھی بنتی ہے اور برزخی زندگی جو مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے وہ بھی بنتی ہے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جب آدمی کو قبر میں رکھدیا جاتا ہے تو دو فرشتے آتے ہیں۔ آکر اس کے اندر روح کو داخل کرتے ہیں اٹھا کر بٹھاتے ہیں۔ پھر سوالات کرتے ہیں۔ پوچھتے ہیں مَنْ رَّبُّکَ؟ تیرا رب کون ہے؟ اگر اس زندگی میں اس نے رب کو رب مانا، خدا کو رب مانا تھا اور اعتماد

اور بھروسہ خدا پر تھا۔ جانتا تھا کہ یہی میری پرورش کرنے والا ہے۔ یہی میری روزی دینے والا ہے۔ ساری زندگی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے تو فوراً بے دھڑک کہدے گا میرا رب اللہ ہے۔ اور اگر اس نے اس دنیا میں رہ کر خدا کو رب نہیں مانا بلکہ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ مجھے تو روزی دینے والی یہ دوکان ہے۔ یہ دوکان نہیں ہوگی تو مجھے کہاں سے روزی ملے گی۔ میں اور میرے بیوی بچے بھوکے مریں گے۔ روزی دینے والی میری ملازمت ہے۔ میری ملازمت چھوٹ جائے گی تو کہاں سے کھاؤں گا، کہاں سے میرے بیوی بچے کھائیں گے۔ بھیک مانگیں گے، پریشان ہوں گے۔ یہ چیزیں زبانوں پر آتی ہیں مسلمانوں کے۔ اس واسطے میں عرض کر رہا ہوں ایسا کہنے والے کو سوچنا چاہیئے اس دنیا میں رہتے ہوئے اس نے اپنا روزی دینے والا، روزی رساں اپنی دوکان اور اپنی ملازمت کو مانا تو وہاں کیا جواب دے گا وہ کیسے رَبِّیَ اللہ کہے گا۔ یہاں اگر اپنا رب روزی رساں اللہ کو مانا، اس کے دل میں پورا اعتماد ہے پورا یقین ہے اس کو کہ میری تربیت کرنے والا، پالنے والا خدا ہے۔ تو وہ یقیناً کہدے گا۔ اور اگر اس دنیا میں اس یقین سے بے تعلق رہا۔ اس دولت کو اپنے سینے کے اندر لے کر نہیں گیا تو کیا جواب دے گا، پریشان ہوگا۔ ہائے افسوس میں تو نہیں جانتا۔ لَا اَدْرِی لَا اَدْرِی یہی کہے گا۔ بڑی خطرناک چیز ہے۔ جب اس نے صحیح جواب دے دیا۔ کہدیا رَبِّیَ اللہ میرا رب اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میری تربیت کی۔ ہر چیز میری خدا کے قبضہ میں ہے۔ رب کو پہچانا اس نے۔ دوسرا سوال کریں گے مَا دِیْنُکَ؟ تیرا دین کیا ہے؟ اگر اس دنیا میں رہتے رہتے دینِ اسلام کو اس نے پورے طور پر سمجھا اور دل کے اندر رچا لیا ہے، اپنے کو دینِ اسلام کے ماتحت کر دیا ہے تو بے تکلف کہدے گا دِیْنِیَ الْاِسْلَامُ چونکہ قرآن پاک میں ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ

لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے لئے دینِ اسلام سے میں راضی ہوں۔ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ۔ اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو قبول کرے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں بڑے نقصان میں رہے گا۔ تو اس دُنیا میں رہتے رہتے اگر خدائے پاک کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو اختیار کیا اور دینِ اسلام کے ساتھ مانوس ہو گیا تو بے تکلّف کہدے گا۔ تیسری چیز یہ ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ ان کے متعلق کیا کہتے ہو۔ اگر یہاں رہتے رہتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کو پہچانا ہے، سمجھا ہے کہ حق تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے، خداوند تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے جو ہماری ہدایت کے لئے اپنے سب سے زیادہ چہیتے، سب سے افضل، سب سے زیادہ محبوب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ اور ان کے احکام کو اس دنیا میں رہتے رہتے سمجھا اور اُن پر عمل کیا دل سے اُن اعمال کی چاہت رہی تو وہ کہدے گا کہ وہ ہمارے رسول، ہمارے آقا، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو رحمۃ للعالمین ہیں۔ پھر وہاں کیا ہوگا اس کے لئے، اس کی قبر کو کشادہ کر دیا جائے گا جہاں تک اس کی نظر جائے گی اتنی کشادہ ہو جائے گی۔ تنگی اس میں نام کو بھی نہیں ہوگی۔ اس میں دروازہ کھول دیا جائے گا جنّت کا۔ وہاں سے جنّت کی ہوائیں، خوشبوئیں آئیں گی، سبزہ زار سارا منظر نظر آئے گا۔ یہ ہے حیات، برزخ کی حیات۔ بعضوں کے متعلق آتا ہے کہ ان کی رُوحیں جنت کے پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی۔ ایک پوٹا دا ہنا رہتا ہے کبوتر کا کاندھے پر اس میں ان کی روحیں ہوں گی عرش کی قندیلوں میں جاکر رات گذاریں گی۔ بعض کے متعلق آتا ہے کہ روحیں وہاں جنت کی نہروں میں غوطہ لگائیں گے۔

غرض عمدہ راحت بڑے عیش و آرام کی زندگی ہوگی۔ یہ زندگی کیسے حاصل ہوگی؟ یہ ایسے حاصل ہوگی مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً۔ ایمان کے ساتھ ساتھ اعمالِ صالحہ بھی کرے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو سمجھے، دل کے اندر یقین جمائے ساری زندگی کو ان کے ماتحت گذارے۔ اس کے ذریعہ سے وہ حیات بنتی ہے۔ دنیا کی حیات بھی بنتی ہے، آخرت کی حیات بھی بنتی ہے، برزخ کی حیات بھی بنتی ہے۔ اس کے بعد پھر جب قیامت میں اٹھیں گے جنّت میں ایک اور حیات ملے گی۔ وہ حیات بھی بنتی ہے، اعلیٰ درجہ کی بنتی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ حشر کے دن کوئی سایہ نہ ہوگا اللہ کے سایہ کے سوا۔ خاص خاص آدمی جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں پر عمل کرتے ہیں، وہ اللہ کے سایہ میں ہوں گے۔ ورنہ تو حال یہ ہوگا کہ آفتاب بالکل قریب ہوگا۔ اور دماغ اس طرح سے کھولتے ہوں گے جیسے ہنڈیا چولھے پر رکھ کر آگ جلائی جائے۔ اور کسی کا پسینہ ٹخنوں تک ہوگا، کسی کا پسینہ گھٹنوں تک ہوگا، کسی کا کندھوں تک ہوگا اور کوئی بالکل غرق ہوگا پسینہ میں۔ اور اس کی بدبو ناقابلِ برداشت ہوگی۔ یہ سب مصیبتیں ہوں گی وہاں۔ ان مصیبتوں سے نجات کی صورت یہی ہے کہ اس دنیا میں رہتے رہتے اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو انسان سوچ لے، سمجھ لے، اپنا لے، عمل کرلے۔ یہاں تک کہ اللہ پاک کا حکم اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تمام چیزوں پر غالب ہوجائے۔ اس کے حکم کو پورا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ نہ بیوی بچوں کے تعلقات اس میں رکاوٹ بنیں، نہ دوکان و ملازمت کے تعلقات، نہ عہدے اور سلطنت کے تعلقات، نہ اپنے نفس کے تعلقات، نہ کسی چیز کے تعلقات، ہر چیز پیچھے اللہ پہلے

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کے لئے حکم بتلا دیئے ہیں ان کی رعایت ضروری ہے۔ اس لئے ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کرنے میں اس دنیا کی حیات بھی بنتی ہے اور برزخ کی حیات بھی بنتی ہے۔ آخرت کی حیات میں کیا ہوگا۔ وہاں پر عرش کا سایہ ملے گا۔ اور حوضِ کوثر پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے پانی پلائیں گے۔ اس سے بڑی خوشی کی چیز ایک مسلمان کے لئے کیا ہوسکتی ہے کہ سرورِ کائنات محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے جامِ کوثر پلائیں۔ یہ انتہائی خوشی کا مقام ہوگا، انتہائی اعزاز واکرام کا مقام ہوگا۔ وزنِ اعمال کے وقت میں جب اعمال تولے جائیں گے انشاء اللہ نیکیوں کا پلڑا بھاری رہے گا۔ اور جو گناہ کئے ہیں خطائیں تھوڑی بہت ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کو معاف فرما دیں گے اور پلصراط پر بہت سہولت کے ساتھ گزریں گے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے اُس کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ پُل صراط کیا ہے۔ جہنم کے اوپر ایک پُل بنا ہوا ہے اس پر سے گذرنا ہوگا۔ مگر ایسا نہیں کہ جیسے آپ کے یہاں پُل بنا دیا جاتا ہے جس کے اوپر گاڑیاں گذرتی رہتی ہیں۔ بلکہ اس پُل کی تو تشبیہ دیجاتی ہے کہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز۔ اس میں بعضے بعضے آدمی ایسے گذر جائیں گے جیسے ایک ہوا کا جھونکا نکل گیا۔ بعضے بعضے آدمی ایسے گزریں گے جیسے بجلی کوند کر اِدھر سے اُدھر پہونچ گئی۔ بعضے ایسے گذر جائیں گے جیسے تیز رفتار گھوڑا گذر جاتا ہے۔ بعض آہستہ آہستہ ٹہلتے ٹہلتے آرام سے گزریں گے۔ یہ سب وہ لوگ ہوں گے جن پر حق تعالیٰ نے انعام فرمایا، جن کا ایمان قوی اور اعمالِ صالحہ کا ذخیرہ ان کے پاس موجود ہوگا یہ وہ لوگ ہوں گے۔ اور بعضے لوگ ایسے ہوں گے کہ جن سے چلا نہیں جائے گا۔ چلیں گے پھر گر بیں گے، چلیں گے پھر

گر پڑیں گے۔ بعضے لوگ ایسے ہیں جن کو وہاں روک دیا جائے گا کہ تم نے دنیا میں فلاں فلاں کام کئے ہیں، ان کی جواب دہی کرو تب آگے بڑھ سکو گے۔ نیچے جہنم کی آگ ہوگی خدا کی پناہ۔ جو کسی طرح قابلِ برداشت نہیں، ایسی آگ نیچے ہے اور پُل ہے اور انھیں وہاں کھڑا کر دیا جائے گا اور جنھوں نے اعمالِ صالحہ کئے دُنیا میں ایمان کے ساتھ، دنیا کی تھوڑی سی مشقت برداشت کی، اللہ اور اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کو سب پر غالب رکھا وہ لوگ بڑی راحت میں ہونگے وہاں راحت کے ساتھ میں پُل صراط پر گذر جائیں گے۔ میدانِ محشر میں تکلیف نہیں ہوگی۔ وزن اعمال میں بھی سہولت رہے گی۔ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ. جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا تو لنے میں وہ اللہ کی طرف سے ایسی عیش میں ہوگا، ایسی عمدہ زندگی میں ہوگا جو اللہ کو پسندیدہ ہوگی وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ. اور جس شخص کا پلڑا بھاری نہیں ہوگا نیکیوں کا، ہلکا ہوگا۔ بس اس کا ٹھکانہ ہوگا هَاوِيَه۔ وَمَا اَدْرَاكَ مَاهِيَهْ۔ جانتے بھی ہو کیا ہے۔ نَارٌ حَامِيَةٌ. گرم آگ ہے۔ آگ تو ہوتی ہی ہے گرم مگر اس آگ کو اور گرم کیا گیا ہے۔ حدیثِ پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کی آگ کو کتنی مرتبہ ٹھنڈا کیا گیا ہے۔ ٹھنڈا کر کے اس کو اس دنیا میں لایا گیا ہے۔ یہ جو آگ ہے دوزخ کی آگ اس سے سو درجہ آگے ہوگی۔ اس کی اسٹیم بہت تیز ہے۔ بہت سخت ہے۔ وہ ہے اس کا ٹھکانہ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ۔ اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ حائل ہو جاتے ہیں بندہ اور اس کے دل کے درمیان۔ بندہ نے ایک ارادہ کیا بس فوراً اس ارادہ کو پورا کر لینا چاہیئے۔ ارادہ پورا نہیں کیا تو

کچھ رکاوٹیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ بسا اوقات دل سے خیال ہی نکل جاتا ہے۔ ہمارے یہاں ایک صاحب تھے۔ ان کو حج کا موقعہ ملا، اسباب مہیا، لیکن نہیں گئے۔ ٹل گیا۔ ساری زندگی گذر گئی انھوں نے حج کیا ہی نہیں۔ حالانکہ مالدار تھے، وسعت والے تھے، صحت بھی اچھی تھی، سب کچھ تھا۔ باقی حج کیا ہی نہیں۔ دل سے نکل ہی گیا۔ اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دل کے اندر اپنی مہربانی سے یہ داعیہ پیدا کیا تھا حج کرنے کا، اس کی قدر نہیں کی تو داعیہ ہی نکل گیا۔ بات گئی۔ ؎

لطیفۂ غیبی مہمانیست نازک مزاج   بادنی بے التفاتی رد می گرداند

غیبی لطیفہ ایک بڑا نازک مزاج مہمان ہے۔ نازک مزاج مہمان جب آئے اور میزبان اس کی طرف توجہ نہ کرے۔ وہ آکر کہتا ہے السّلام علیکم۔ میزبان جواب نہ دے گا۔ میزبان اندر چلا گیا تو کیا ہوگا؟ کیا یہ مہمان ٹھہرے گا۔ نہیں ٹھہرے گا۔ واپس چلا جائے گا۔ ایسے شخص کے یہاں کیا جائے جو سیدھے منہ بات نہیں کرتا۔ متوجہ نہیں ہوتا وہ چل دیتا ہے چھوڑ کر۔ یہی حال ہے حق تعالیٰ کی طرف سے کسی کام کا داعیہ، کسی کام کا ارادہ قلب میں پیدا ہوا اور وہ کام نیک اور صالح ہو تو اس میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ اسی لئے کہتے ہیں۔

درکارِ خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

جو کارِ خیر ہو اس میں استخارہ کی حاجت نہیں۔ اللہ نے طبیعت کے اندر داعیہ پیدا کیا کہ اس سال حج کرنا چاہیئے: اسباب بھی خدا کی طرف سے مہیا ہیں، کوئی پریشانی نہیں۔ اب ٹلا نا کہ آئندہ سال دیکھیں گے، آئندہ سال جائیں گے، بیوی کو بھی ساتھ لیکر جائیں گے، بچوں کو بھی ساتھ لے کر جائیں گے، یہ خیال کرکے نہیں گئے۔ آئندہ سال رُکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے، بسا اوقات پریشانی لاحق ہوجاتی ہے۔ اور ویسے یہ مسئلہ الگ رہا کہ اگر ایک شخص کے ذمہ حج فرض ہے اور اسکے پاس

اسباب مہیا ہیں وہ بغیر شرعی عذر کے نہیں گیا، اس نے سوچا کہ اگلے سال دوسرے سال تیسرے سال پھر کریں گے۔ بڑھاپا آئے گا تب کرلیں گے۔ آخیر عمر میں کرلیں گے ایسے شخص کو فقہاء نے لکھا ہے وہ فاسق ہو جاتا ہے اور اس کا حج مقبول نہیں ہے حج مبرور نہیں نصیب ہوتا اس کو۔ اللہ نے تو اتنا انعام فرمایا۔ مال و دولت دیا، فراغت دی، فرصت دی، دل کے اندر داعیہ پیدا کیا صحت دی، اسباب سارے مہیا کردیئے اور پھر بھی ٹلا رہا ہے کہ اگلے سال کریں گے۔ خداوند تعالیٰ کی نعمت کی بڑی ناشکری اور ناقدری ہے۔ اس لئے وَاعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ حائل ہو جاتے ہیں بندہ اور اس کے دل کے درمیان۔ وَاَنَّهٗ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ جانا اُسی کے پاس ہے سب کو۔ اس دنیا میں چاہے کتنی باتیں بنالے آدمی حیلہ بہانہ کرے کسی سے چاہے ٹلادے۔ کچھ کرے لیکن آخر کار جانا اللہ کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ میں نے اس بندہ کو قوت دی ہے، صحت دی ہے، دولت دی ہے، فرصت دی ہے، ہمت دی ہے، موقعہ دیا ہے، پھر بھی اس نے حج نہیں کیا۔ کیوں نہیں کیا۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے نعمتوں کی ناقدری نہیں ہے، یقیناً ناقدری ہے، صحت کی بھی ناقدری' کیونکہ بیمار آدمی پر حج نہیں ہے۔ جو چل پھر نہیں سکتا، حج میں جا نہیں سکتا اس کو کہدیا کہ بھئی تم معذور ہو لیکن اس کو صحت دے رکھی ہے، کیا عُذر ہے۔

غریب آدمی پر حج نہیں ہے، جس کے پاس کرایہ کے لئے پیسہ نہیں، لیکن اس کو اللہ نے کرایہ کے لئے پیسہ دے رکھے ہیں کیوں نہیں جاتا۔ ضعیف آدمی جو سفر نہیں کرسکتا اس پر حج نہیں ہے۔ لیکن جس کو قوت ہو طاقت ہو، کیا عذر ہے اس کے پاس۔ کہیں تجارت کا سفر ہو، کہیں کسی کی شادی میں جانا ہو، کوئی اور دنیاوی کام ہو وہاں نہیں کہتے کہ آئندہ سال کریں گے، تیسرے سال کریں گے۔

وہاں فوراً تیار ہوجاتے ہیں۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدردانی کی ضرورت ہے۔ اور قدردانی یہی ہے کہ ہر نعمت کا حق ادا کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، بڑی کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ رات رات بھر نماز پڑھتے تھے۔ نوجوان تھے ان کی شادی کردی ان کے والد نے۔ ایک روز ان کی دلہن سے ان کے والد نے پوچھا بتاؤ بیٹی تمہارے شوہر کا کیسا معاملہ ہے تمہارے ساتھ۔ تم نے کیسا پایا۔ انھوں نے تعریف کی کہ ہمارے شوہر بہت اچھے ہیں۔ ساری رات نفلیں پڑھتے ہیں۔ بستر پر نہیں آتے اور دن بھر روزہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے جاکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بات رکھ دی۔ حضور میں نے اپنے بیٹے کی بیوی سے پوچھا اپنے بیٹے کے بارے میں تو اس نے یہ تعریف کی۔ وہاں معلوم ہوا کہ یہ تو تعریف نہیں یہ تو شکایت کررہی ہے کہ مجھ سے شادی کی مجھے بیاہ کرلے آئے ہیں، ساری رات بستر پر نہیں آتے، نفلیں پڑھتے ہیں دن بھر روزہ رکھتے ہیں، میرا حق کہاں ادا کرتے ہیں۔ تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلاکر فرمایا تم ایسا کرتے ہو۔ دیکھو میں تم سے زیادہ اللہ کا خوف رکھتا ہوں۔ مگر میں سوتا بھی ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور کبھی نہیں بھی رکھتا۔ لہٰذا تم ایسا مت کرو، تم ایک مہینہ میں تین روزے رکھ لیا کرو۔ بس تو انھوں نے کیا جواب دیا۔ انھوں نے جواب دیا حضور میں جوان ہوں میرے اندر طاقت موجود ہے۔ اس طاقت سے مجھے کام لے لینے دیجیے۔ جوانی کو کارآمد بنانے دیجیے۔ مجھے روزے رکھ لینے دیجیے۔ تین روزے تو بہت تھوڑے سے ہیں۔ یعنی اپنی طاقت اور جوانی کا مصرف کیا تجویز کیا۔ زیادہ سے زیادہ صبر کرنا، کھانا ہوتے ہوئے بھی نہ کھانا، بیوی ہوتے ہوئے بھی اس کے پاس نہ جانا، اللہ کی عبادت کرنا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا ایسا کرو، ہر ہفتہ میں دو روزے رکھ لیا کرو۔

انھوں نے کہا حضور میرے اندر اس سے زیادہ طاقت ہے میں اس سے زیادہ رکھ سکتا ہوں۔ بڑھتے بڑھتے آخر کار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا ایک دن روزہ رکھو، ایک دن افطار کرلو۔ وہ حضرات اپنی جوانی اور طاقت کا مرکز یہ تجویز کرتے تھے۔ یہ نہیں کہ طاقت ہے تو زیادہ سے زیادہ کھانا کھائیں، زیادہ سے زیادہ پڑکر سو جائیں، آرام کریں، زیادہ سے زیادہ بیوی کے پاس جائیں۔ انھوں نے طاقت کا مصرف اللہ کی عبادت کرنا تجویز کیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کے لئے جو حد متعین فرمادی اس کو اختیار کرنا چاہیئے۔ بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیوی کا بھی حق ہے، اس کا بھی حق ادا کرنا چاہیئے۔ انھوں نے یہ سوچا شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند عبادت یہی ہے اصلاح فرمادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ بیوی کے پاس بھی جانا چاہیئے، روزہ بھی رکھنا چاہیئے، نماز بھی پڑھنا چاہیئے، سونا بھی چاہیئے، افطار بھی کرنا چاہیئے۔ اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو توفیق دے رکھی ہے اُن تمام قوتوں کے متعلق سوال ہوگا کہ ہماری دی ہوئی قوتوں کو کہاں خرچ کیا۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ میدانِ محشر میں آدمی کو کھڑا کیا جائے گا اور اس کے قدم کو وہاں سے ہٹنے نہیں دیا جائے گا۔ اس سے سوال کیا جائے گا کہ جوانی کس چیز میں خرچ کی۔ بتاؤ۔ اللہ کے احکام کی اطاعت میں خرچ کی یا کاہے میں خرچ کی؟ سوال کیا جائے گا مال کہاں سے کمایا کہاں خرچ کیا، زندگی بھر میں جتنا کچھ مال کمایا سوچ لے کہ مال کہاں سے کما رہا ہے جائز کما رہا ہے یا ناجائز کما رہا ہے کہاں خرچ کیا، اللہ سے پوچھ کر خرچ کیا یا بغیر پوچھے خرچ کیا۔ کیا حال ہوگا؟ اس لئے فرماتے ہیں وَاعْلَمُوْا اَنَّہٗ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور جانا اسی کے پاس ہے سب کو، ہر چیز کا حساب ہوگا۔ وَاتَّقُوْا فِتْنَۃً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْکُمْ خَاصَّۃً۔

اور اس فتنہ سے اس مصیبت سے ڈرو جو صرف ظلم کرنیوالوں کو تم میں سے نہیں پہونچے گی بلکہ سب کو پہونچے گی جو کرنیوالے ہیں ان کو بھی اور جو نہ کرنے والے ہیں ان کو بھی۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب خداوند تعالیٰ کی نافرمانی عام ہو جائے گی، کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ رہے اس پر جب شراب عام ہو جائے، جب گانا بجانا عام ہو جائے تو اس وقت اللہ کا عذاب ایسا آئے گا جو سب کو پکڑ لے گا۔ کرنے والے بھی پکڑے جائیں گے نہ کرنے والے بھی پکڑے جائیں گے۔ جو شراب پیتے ہیں وہ بھی پکڑے جائیں گے، جو نہیں پیتے وہ بھی پکڑے جائیں گے۔ آپ کہیں گے صاحب جو پیتے ہیں وہ تو اپنے جرم میں پکڑے جائیں گے۔ لیکن جو نہیں پیتے وہ کیوں پکڑے جائیں گے۔ ایک آبادی ہے چھپروں کی، پھوس کے چھپر ہیں، مکانات ہیں۔ ایک شخص نے بیوقوفی کی اپنے چھپر میں آگ لگا دی۔ بستی والوں کی کیا ذمہ داری ہے؟ سب کے سب مل کر اس آگ کو بجھا دیں۔ اس کو آگ نہ لگانے دیں۔ آگ کو بجھا دیں۔ اس پر پانی ڈالدیں۔ چھپر کو نیچے ڈال دیں۔ اور اگر وہ یہ کہیں کہ ہمیں کیا اس نے اپنے گھر میں آگ لگا دی وہ جانے، ہمارا گھر تو صحیح سلامت ہے۔ لیکن آپ کا گھر کتنی دیر صحیح سلامت رہے گا۔ اس آگ کے شعلے بلند ہوں گے۔ آس پاس کے گھروں میں بھی لگے گی حتیٰ کہ ساری بستی جل جائے گی۔ یہی حال ہے دین کے اندر جو شخص نقصان کرتا ہے، بغاوت کرتا ہے دین کے ساتھ، احکام شرع کی پابندی نہیں کرتا۔ اس کی اصلاح کرنا، اس پر روک ٹوک کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے گھر میں آگ لگا دے۔ بستی والوں کے ذمہ ہے کہ اس آگ کو بجھا دیں۔ نہیں بجھائیں گے تو ساری بستی تباہ ہو جائے گی۔ جو شخص نافرمانی کرتا ہے، شراب پیتا ہے، لعنت کے کام میں گرفتار ہے۔ آس پاس پڑوس والوں کو بھی ضروری ہے کہ روکیں اس کو شراب سے۔ اگر نہیں روکیں گے تو خداوند تعالیٰ کا اس لعنت والے کام پر جو غضب نازل ہوگا اس میں اور لوگ بھی مبتلا ہونگے۔

جب دیکھ رہے ہیں یہ خداوند تعالیٰ کی نافرمانی کر رہا ہے تو کیوں نہیں روک ٹوک کرتے۔ اس کا روکنا ضروری ہے۔ لیکن روکنے کے بھی کچھ حدود اور طرق ہیں۔ یہ نہیں کہ فساد برپا کر دیا۔ شور وغل بپا ہو جائے، لڑائی ہو جائے، فساد ہو جائے، ایسا نہیں۔ اس کا طریقہ ہے۔ اس طریقہ کے مطابق کرنے کی ضرورت ہے۔ جو شخص بغاوت کرتا ہے۔ ایک شخص ڈاکو ہے۔ سب بستی والوں کو معلوم ہے کہ یہ ڈاکو ہے اور جگہ جگہ پر اس نے ڈاکہ ڈالا ہے، قتل بھی کیا ہے، گورنمنٹ کی طرف سے اس کا وارنٹ بھی جاری ہے گرفتار کرنے کے لئے۔ وہ چھپا چھپا پھرتا ہے۔ آپ بتائیے کوئی شخص اس کو اپنے محلہ میں اپنے گھر میں پناہ دے گا۔ تو وہ مجرم کہلائے گا یا نہیں؟ وہ بھی مجرم ہے۔ سرکاری ڈاکو کو اپنے گھر میں پناہ دے رہا ہے۔ سرکاری آدمی، سپاہی ڈھونڈتے پھر رہے ہیں اس کو۔ اور تم نے اس کو اپنے گھر میں پناہ دے رکھی ہے وہ بھی گرفتار ہوگا مجرم ہوگا، اس پر بھی عتاب ہوگا۔ یہی حال ہے کہ جو شخص خداوند تعالیٰ کے حکموں سے بغاوت کرتا ہے، اس باغی کو بغاوت سے روکنا، اس کو سمجھانا جس طریقہ پر بھی شریعت نے بتایا ہے، یہ لازم ہے، اس کی طرف سے بے فکر ہو جانا کہ صاحب ہر شخص اپنے فعل کا مختار ہے، ہر شخص اپنے دین کا مختار ہے یہ غلط ہے، یہ جواب کافی نہیں۔ بلکہ ضرورت ہے اس کے روکنے کی۔ بعضے لوگ جواب دیتے ہیں صاحب اس کو اپنی قبر میں سونا ہے، ہم کو اپنی قبر میں سونا ہے۔ ہاں یہ تو صحیح ہے۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں اگر کہیں پڑوس میں آگ لگ جائے اس آگ کو بجھانے کے لئے اٹھتے ہیں یا نہیں اٹھتے۔ کیوں اٹھتے ہیں۔ بھئی اس کا گھر تو جل رہا ہے اس کو اپنی قبر میں سونا ہے تم کو اپنی قبر میں سونا ہے۔ تو کیا ضرورت ہے جانے کی آگ بجھانے کے لئے۔ کیوں جا رہے ہو آگ بجھانے کے لئے، وہاں نہیں سوچتے۔ جانتے ہیں اس کی آگ اس کے گھر تک نہیں رہے گی ہمارے گھر کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

اسی طریقہ پر جو شخص نافرمانی کرتا ہے اور آپ کو قدرت ہے اس کو روکنے پر آپ اس کو سمجھا سکتے ہیں، روک سکتے ہیں، لیکن نہیں استعمال کرتے، نہیں اختیار کرتے اپنی قدرت کو تو پھر اس پر پکڑ ہوگی۔ ایک شخص ہے اس کی بیوی نماز نہیں پڑھتی۔ کچھ نہیں کہتا بیوی کو آپ کی بیوی نماز نہیں پڑھ رہی ہے وہ جواب دیتا ہے اس کو اپنی قبر میں سونا ہے ہمیں اپنی قبر میں سونا ہے۔ لیکن بیوی اگر کھانا وقت پر بنانے میں تاخیر کرتی ہے تو ناراض ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے۔ اپنے کھانا بنانے میں تو ناراض ہوتے ہیں مگر خدا کا حکم توڑ رہی ہے اس پر ناراض نہیں ہوتے۔ یہ کیا بات ہے۔ کھانا طبیعت کے موافق نہیں پکایا وقت میں تاخیر کردی پندرہ منٹ، بیس منٹ کی تاخیر ہوگئی اور جانا ہے سفر میں جلدی چاہ رہے ہیں کہ کھانا جلدی سے تیار ہوجائے۔ بیوی کہتی ہے کہ پندرہ منٹ کی تاخیر ہے غصہ آتا ہے جہاز نکل جائے گا، گاڑی نہیں ملنے کی، دیر ہوجائے گی۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ نماز میں دیر کرتی ہے، نماز قضا کرتی ہے تو اس کے اوپر کوئی اعتراض نہیں۔ کھانے میں ذرا سی دیر ہوگئی، نمک کم ہوگیا اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن وہ نماز نہیں پڑھتی اس پر اعتراض نہیں۔ کیا خداوند تعالیٰ کے یہاں سوال نہیں ہوگا۔ دو تولہ کھانے میں کمی ہوگئی تھی اس پر اتنا ناراض ہوئے، بیوی کو برا بھلا کہا۔ اور ہمارا حکم آپ کے سامنے ٹوٹتا رہا، وہ نماز نہیں پڑھتی تھی اس پر آپ کو غصہ نہیں آتا تھا۔ تو دو تولہ کھانے کی قدر و قیمت آپ کے نزدیک زیادہ ہے ہماری نماز سے، یقیناً اس کا سوال ہوگا۔ سوچتے نہیں، غور کرنے کی بات ہے۔ یہی حال عورتوں کا ہے۔ شوہر اگر عورت کی ایک خواہش پوری نہ کرے تو ناراض ہوتی ہے خفا ہوتی ہے سخت سُست کہتی ہے۔ لیکن شوہر اگر نماز نہیں پڑھتا، خدا کی نافرمانی میں مبتلا ہوتا

ہے تو بیوی کچھ نہیں کہتی۔ وہاں بھی سوال ہوگا کہ جب تمہاری فرمائش پوری نہیں کی شوہر نے اتنی ناراض ہوئی غصہ میں اتنے الفاظ کہے۔ ہمارے پاس سب کے سب لکھے ہوئے ہیں۔ اور ہمارے حکم کو توڑ رہا تھا اس پر تمہاری زبان بند تھی۔ تم سے یہ بھی نہیں کہا گیا کہ ادب کا لحاظ کرتے ہوئے یہ کہدو کہ آپ نماز پڑھ لیجیے۔ یہ بھی نہیں کہا گیا۔ اس لئے اپنی زندگیوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ جو کام بھی اللہ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، حکم دیدیا ہے ان سب میں ہمارے لئے حیات ہے۔ ہماری زندگی اسی سے بنتی ہے۔ دوسری چیز دل سے ہماری زندگی نہیں بنتی۔ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ اگر ایک شخص باغی ہے حکومت کا، لڑائی ہوگئی، اس کے بعد کرفیو آرڈر جاری ہوگیا۔ کرفیو آرڈر میں کیا ہوتا ہے۔ جو گھر سے باہر نکلے اس کو گولی مار دی جائے۔ حالانکہ ایک آدمی قانون کا پورا احترام کرتا ہے۔ کسی بدکاری میں وہ شریک نہیں، اس کا کیریکٹر بالکل اچھا ہے سبھی جانتے ہیں، لیکن پہرہ دار ہیں وہ تو گولی مار ہی دیں گے اس کو۔ ایک آدمی اپنے گھر سے باہر نماز کے لئے جا رہا ہے، فتنہ و فساد کے لئے نہیں جا رہا ہے لیکن کرفیو کی حالت میں جا رہا ہے اس کو تو گولی لگ ہی جائے گی۔ کیونکہ جو کرنے والا ہے وہ بھی پکڑا جاتا ہے، جو نہ کرنے والا ہے وہ بھی پکڑا جاتا ہے۔ اور درحقیقت نہ کرنے والا کیسے قرار دیا جائے جبکہ اس کو روکنے کی قدرت ہے، اس کو سمجھانے کی قدرت ہے، نافرمان ہے اس کو بچانے کی قدرت ہے۔ کیوں اس قدرت کو استعمال نہیں کرتا، یہ تو اس میں شریک ہے نہ کرنے میں نہیں۔ نہ کرنیوالا نہیں ہے یہ تو کرنیوالا ہے کرنے والوں کے ساتھ شریک ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں۔ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔ اسی واسطے

میرے محترم دوستو اور بزرگو! ماہِ مبارک آرہا ہے اس کی قدردانی کی ضرورت ہے، اپنی زندگی پر نظرِ ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم لوگوں کے واسطے راہِ ہدایت وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی۔ اور دوسرا راستہ ہمارے لئے راہِ ہدایت نہیں۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے، جہاں تک ہوسکے خود بھی اس پر عمل کریں اور اپنے جاننے والوں میں اپنے اعزہ واقربا میں زیادہ سے زیادہ اس کو پھیلانے کی کوشش کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ، رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ، اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ وَالْفِعْلِ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وسلم اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

تمت بالخیر بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔